

تَارِخِ اِسْمَاعِیْلِیَّہ

(از آغاز ۲۹۷ھ تا اختتام ۶۵۲ھ)

مع ضمیرہ طبعات

صاحب دیوان علامہ الدین عظام ملک الجونی متوفی ۶۸۱ھ کی کتاب تاریخ جہان گشاہ طبریہ کا ترجمہ تحفہ مقدمہ

www.KitaboSunnat.com

ان

پروفیسر علی محسن صدیقی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

تَارِيخ اِسْمَاعِیْلِیَّہ

(از آغاز ۲۹۷ھ تا اختتام ۶۵۴ھ)

مع ضمیمہ کات

(صاحب دیوان علاء الدین عظاملک الجونی متوفی ۶۸۱ھ کی کتاب تاریخ جہاں گشای طبرہم کا سربہ تختہ مقدمہ)

www.KitaboSunnat.com

ان

پروفیسر علی محسن صدیقی



(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

قرطاس

سلسلہ مطبوعات - ۴۰

بار اول: جنوری ۲۰۰۰ء

تعداد: پانچ سو

بار دوم: مارچ ۲۰۰۳ء

تعداد: ایک ہزار

قیمت: _____ روپے

150
_____ روپے

ISBN:

969-8448-46-2

قرطاس

پوسٹ بکس نمبر 8453

کراچی یونیورسٹی۔

کراچی 75270

فون: 021-9243966

موبائل: 0300-9245853

فہرست مضامین

صفحہ

عنوان

	مقدمہ
۱۵	عطاء ملک جوینی اور تاریخ جہاں کشائی
۱۵	جوینی کے حالات زندگی
۱۵	جوین
۱۵	نام و نسب
۱۵	خاندان
۱۶	فضلاء خاندان
۱۷	عطاء ملک کے ابتدائی حالات
۱۷	ملازمت کا حال
۱۸	ہولاکو کی ملازمت
۱۸	بغداد کی حکومت
۱۹	ابا قاسم خان کے عہد میں
۱۹	احمد نکودار کے عہد میں
	عطاء ملک کے متوسلین پر سختی
۱۹	عطاء ملک کی وفات
۲۰	خاندان کی بربادی
۲۰	تصانیف
۲۱	شاعری
۲۲	خلاصہ کلام
	تاریخ جہاں کشائی کی اہمیت
۲۳	اہمیت
۲۵	بعد کے مورخین کی رائے

۲۶	اسلوب نگارش
۲۸	وضع و ترتیب
۳۰	جہاں گشائی کا اختتام
۳۰	ضمیمہ فتح بغداد
۳۰	ترجمہ اردو کی خصوصیات

ترجمہ متن جہاں گشائی

فصل اول

۳۵	(ہولا کو کی بلاوغربی کی جانب روانگی)
۳۵	تمہید
۳۵	بلاوغربی پر ہولا کو کی تقرری
۳۶	ہولا کو کی روانگی
۳۶	قصبہ تون کی فتح
۳۷	طوس میں قیام
۳۷	باغ منصور میں قیام
۳۷	رادکان میں قیام
۳۸	خبوشان کی ازسرنو آبادی
۳۸	خرشاہ کی سفارت
۳۹	ملاحدہ سے جنگ کا فیصلہ

فصل دوم

۴۰	ملاحدہ کے قلعوں کی تسخیر کے لئے پیش قدمی
۴۰	افواج کی پیش قدمی
۴۰	قاصدوں کی ایک بار اور روانگی
۴۱	ملاحدہ کی مہلت طلبی
۴۱	قلعہ شاہ دز پر قبضہ

۴۱	خورشاہ کی حاضری کا مطالبہ
۴۲	خورشاہ کے وفد کی آمد
۴۲	بیس کلمہ دزپر پڑاؤ
۴۳	خورشاہ کی حاضری اور قلعوں کی مسامری پر اصرار
۴۳	رسد کی فراہمی کا بندوبست
۴۳	قلعہ میمون دزپر پڑاؤ
۴۴	خورشاہ کی اطاعت
۴۴	فتح نامہ الموت

فصل سوم

۴۵	باطنیوں اور اسماعیلیوں کے مذہب کا بیان
۴۵	آغاز
۴۵	فرقہ کیسانہ سے اتحاد
۴۵	باطنیہ
۴۶	اسماعیلیہ
۴۷	مزید فرقہ بندیاں
۴۸	اسماعیلیوں کی روپوشی
۴۸	اسماعیل کی حیات کے متعلق دعویٰ
۴۸	محمد ابن اسماعیل اور ان کی اولاد کی روپوشی
۴۸	علی بن اسماعیل
۴۹	اسماعیل کی امامت پر استدلال
۵۰	دور ستر
۵۰	نادی النفس
۵۰	اسماعیلی داعی
۵۱	دعوت اسماعیلی کی اشاعت
۵۱	قرامطہ کا ظہور

فصل چہارم

- ۵۳ المغوب میں اسماعیلی حکومت کا قیام
۵۳ یمن و افریقہ میں اسماعیلی دعوت کا فروغ
۵۳ المسہلی کا ظہور
۵۴ مہدی کے نسب کی تکذیب
۵۵ قائم کا عہد
۵۵ المنصور کا دور
۵۵ المعز کا دور
۵۶ مصر پر قبضہ
۵۶ العزیز کا عہد
۵۸ حاکم کا دور
۶۱ ظاہر کی حکومت
۶۲ مہدی کے نسب پر محضر
۶۲ محضر کا ترجمہ
۶۳ ظاہر کے بیٹے المستنصر کی تخت نشینی کا بیان
۶۴ مستنصر کے بیٹے
۶۴ حسن صباح
۶۵ نزاریہ لٹھ ہیں
۶۵ مستعلوی ظاہر شریعت کے پابند ہیں
۶۵ نزار کا انجام
۶۵ نزاریوں کا دعویٰ
۶۵ آمر کا دور
۶۶ الحافظ کی حکومت
۶۶ الظافر کا دور
۶۶ الفائر کا دور
۶۶ العاضد کا عہد
۶۶ مصر پر نور الدین کے گورنروں کا قبضہ

۶۷ نور الدین کے حکم پر مصر کی اسماعیلی حکومت کا خاتمہ

فصل پنجم

- ۶۹ حسن صباح اور دعوت جدیدہ
 ۶۹ الموت کا کتب خانہ
 ۶۹ حسن صباح کے ابتدائی حالات
 ۷۱ الموت پر قبضہ
 ۷۲ دعوت ملاحدہ کی اشاعت
 ۷۲ دعوت جدیدہ
 ۷۳ دعوت جدیدہ کا رد
 ۷۴ حکومت کی توسیع
 ۷۵ دعوت ملاحدہ قہستان میں
 ۷۵ ملاحدہ کے خلاف ملک شاہ کا اقدام
 ۷۶ وہ دار بو علی
 ۷۶ ملک شاہ کی وفات اور اس کی افواج کی شکست
 ۷۷ نظام الملک کی شہادت
 ۷۷ حسن صباح اور رئیس ابو الفضل
 ۷۸ فدا یوں کی خجری
 ۷۸ سلاجقہ میں اختلاف اور ملاحدہ کی طاقت میں اضافہ
 ۷۹ قلعہ لمسو کی تیغیر
 ۷۹ حسن صباح اور زید حسنی
 ۸۰ حسن کا زہد و ورع
 ۸۰ سلطان محمد سلجوقی کا ملاحدہ پر حملہ اور وفات
 ۸۱ خجری کا کامی
 ۸۱ ملاحدہ کو خراج کی ادائیگی
 ۸۲ حسن کی ہلاکت
 ۸۲ حسن کی خلوت گزینی

- ۸۲ بزرگ امید رو باری اور اس کے بیٹے کی حکمرانی
۸۳ خلیفہ المسترشد اور سلطان مسعود میں اختلافات
۸۴ بزرگ امید کی موت
۸۴ محمد بن بزرگ امید
۸۴ الراشد کا قتل
۸۵ محمد بن بزرگ امید کی ہلاکت
۸۵ محمد بن بزرگ امید کے بیٹے حسن کی ولادت کا بیان
۸۶ محمد کا حسن کی حرکات سے اظہار بیزاری
۸۶ ملاحدہ کے باطل عقائد
۸۷ شریعت کے ابطال کا اعلان
۸۷ حسن کا خطبہ
۸۸ عید قیام
۸۸ حسن کا دعویٰ امامت
۸۹ قہستان میں حسن کی امامت کا اعلان
۸۹ حسن کے نسب سے متعلق پہلی روایت
۹۰ نسب کی دوسری توجیہ
۹۱ محمد بن بزرگ امید پر قتل امام کا الزام
۹۱ حسن کے نسب کا بیان مزید
۹۲ حسن علی ذکرہ السلام
۹۲ ملاحدہ کے عقائد
۹۳ ملاحدہ کے ملک سے مسلمانوں کی نقل مکانی
۹۳ حسن کا قتل
۹۴ محمد بن حسن
۹۵ جلال الدین حسن کا حسن اعتقاد
۹۵ محمد کی موت
۹۵ جلال الدین حسن کا دور حکومت اور اظہار اسلام
۹۶ شعائر اسلام کا احیاء

- ۹۶ اہل قزوین سے تعلقات
جلال الدین اور اس کے پیروں کے اسلام کی
۹۷ تصدیق اور اس کے اثرات
۹۸ جلال الدین کی والدہ کا سفر حج
۹۹ مسلمان امراء سے تعلقات
۹۹ چنگیز خاں سے نامہ و پیام
۹۹ بعد کے ملاحہ کی بد عقلی
۹۹ علاء الدین اور اس کی اسلام دشمنی
۱۰۰ علاء الدین پر مایہ خو لیا کا حملہ
۱۰۱ علاء الدین کا تکبر و غرور
۱۰۲ باپ بیٹے میں بدگمانیاں
۱۰۳ علاء الدین کا جنون اور امراء کا انحراف
۱۰۴ علاء الدین کا قتل
۱۰۴ فرضی قاتلوں کا خاتمہ
۱۰۵ حسن ماژندرانی کا قتل
۱۰۵ حسن ماژندرانی کے حالات
۱۰۷ باپ کے قتل میں خورشاہ کی شرکت

فصل ششم

- ۱۰۸ رکن الدین کی تخت نشینی اور ملاحہ کی بربادی
۱۰۸ رکن الدین خورشاہ کے حالات
۱۰۸ بڑوسی ممالک سے محاذ آرائی کا خاتمہ
۱۰۸ منگولوں کو دوستی کا پیغام
۱۰۸ منگولی دربار میں قاصد کی روانگی
۱۰۹ رودبار الموت پر منگولوں کی فوج کشی
۱۰۹ منگولی سفیروں کی آمد
۱۰۹ رکن الدین کا اظہار اطاعت

- ۱۱۰ منگولی دربار میں اہلچہلوں کی حاضری اور واپسی
 ۱۱۰ رکن الدین کا منگولی دربار میں حاضری سے گریز
 ۱۱۰ خورشاہ اور گرد کوہ وقہستان کے حکام کی طلبی
 ۱۱۱ خورشاہ کا اضطراب اور بیٹے کی روانگی
 ۱۱۱ بیٹے کی واپسی اور بھائی کی طلبی
 ۱۱۲ ہولا کو کی فوجی حکمت عملی
 ۱۱۲ ملاحظہ سے منگولوں کی جھڑپیں
 ۱۱۲ گھمسان کارن
 ۱۱۳ خورشاہ کی ہولا کو کے ہاں باریابی
 ۱۱۳ خورشاہ کی مدت حکومت
 ۱۱۳ رکن الدین (خورشاہ) کے قلعوں کا بیان
 ۱۱۴ ہولا کو کی واپسی اور شہرک میں قیام
 ۱۱۴ الموت اور لمسو کی تسخیر
 ۱۱۴ الموت کا کتب خانہ
 ۱۱۵ الموت کی تاریخ
 ۱۱۶ ہولا کو کا لمسو میں قیام
 ۱۱۷ خورشاہ کا قزوین میں قیام
 ۱۱۷ خورشاہ کا ایک منگولی لڑکی سے معاشرت
 ۱۱۷ بختی اونٹوں کی فرمائش
 ۱۱۸ خورشاہ کی قراقرم روانگی
 ۱۱۸ خورشاہ کا انجام اور ملاحظہ کی برہادی

حوا شتی متن جہاں کشای

- ۱- ضمیمہ اول..... نسخہ فتح نامہ الموت ۱۴۷
 ۲- ضمیمہ دوم..... استیصال ملاحظہ از جامع التواریخ جلد سوم ۱۵۱

۱۵۹

حواشی، ضمیمہ دوم

۱۶۲

3- ضمیمہ سوم..... جنگ بغداد کی کیفیت

۱۶۸

حواشی، ضمیمہ سوم

”مقدمہ“

(مشمولات)

- ۱- جوینی کے حالات زندگی
- ۲- تاریخ جہاں کشائی کی اہمیت
- ۳- ترجمہ اردو کی خصوصیات

”عطاء ملک جوینی اور تاریخ جہاں کشای“

۱۔ جوینی کے حالات زندگی

جوین

جوین ایران کا ایک مشہور و اہم کور (پرگنہ) تھا۔ یہ ہسٹام سے نیشاپور جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ جوین کا پرگنہ (۱۸۹) دیہات پر مشتمل تھا، یہ سارے کے سارے دیہات ایک دوسرے سے متصل دو پہاڑوں کے درمیان ایک مستطیل کی شکل میں آباد تھے۔ اس کا مرکزی شہر آزادار تھا اور صاحب دیوان عطاء ملک کا خاندان یہیں آباد تھا۔ جوین سرسبز و شاداب مرغزاروں، کشتزاروں، باغوں اور سبزہ زاروں سے بھرا پڑا تھا اور سیر حاصل و خوشگوار آب و ہوا کے لئے مشہور تھا۔

خاندان

صاحب دیوان عطاء ملک کا خاندان ایران کے قدیم، ممتاز اور اہم خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ خاندان، سلاجقہ، خوارزم شاہیہ اور مغولوں کے زمانہ ہائے اقتدار میں ہشتہشت سے اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہا ہے۔ اگرچہ ان لوگوں کا منصب ”صاحب دیوان“ تھا، جسے عہد حاضر کی وزارت، مالیات یا ایران و اسلامی ہند کے منصب مستوفی الصالح کے مساوی سمجھا جاتا ہے، لیکن اس خاندانہ گرامی کے بعض افراد اس سے بھی اعلیٰ منصب پر متمکن رہے ہیں، مثلاً ”خود عطاء ملک تمام عراق کا گورنر اور خاص بغداد کا مقتدر حاکم اعلیٰ رہا ہے اور اس کا بڑا بھائی خواجہ شمس الدین، مغولی حکمران اباقا خان بن ہولا کو کے دور حکومت میں تمام ممالک محروسہ کا وزیر اعظم تھا۔“

نام و نسب

صاحب دیوان کا نام و لقب ہے، ”ابو العظفر علاء الدین عطاء ملک صدر معظم صاحب دیوان۔ اس کا سلسلہ نسب مشہور عباسی حاجب و وزیر فضل بن ربیع تک پہنچتا ہے۔ شجرہ نسب

ہے : صدر معظم صاحب دیوان علاء الدین عطاء ملک جوینی بن صاحب دیوان بہاء الدین محمد بن شمس الدین محمد بن بہاء الدین محمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن احمد بن اسحاق بن ایوب بن فضل بن ربیع بن یونس بن محمد بن عبد اللہ بن کیسان ابو فروہ مولائے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اموی قریشی رضی اللہ عنہ۔

فضلاء خاندان

صاحب دیوان کے آباؤ اجداد میں ربیع بن یونس، منصور عباسی اور اس کے بیٹے مہدی کے عہد خلافت میں حاجب یعنی وزیر خاص کے عہدے پر فائز تھا۔ ہادی بن مہدی عباسی کے دور خلافت میں وہ وزارت کے منصب پر متمکن تھا۔ اسی طرح اس کا بیٹا فضل بن ربیع بھی عباسی خلفاء مہدی، ہادی اور ہارون رشید کے زمانوں میں حاجب رہا۔ وہ ہارون کے عہد میں آل برمک کے زوال کے بعد وزیر ہوا اور اس کے جانشین الامین کے زمانے میں بھی وزارت کے منصب پر فائز رہا۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر افراد بعد کے ادوار میں اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز رہے مثلاً "اس کا جہد اعلیٰ بہاء الدین محمد بن علی جوینی، سلطان نکش بن ایل ارسلان بن اتسز خوارزم شاہ کے دربار سے ۵۸۸ھ میں وابستہ ہوا، سلطان سے مقام ری میں ملا، اس کی مدح میں رباعی پیش کی اور غلت فاخرہ کا سزا وار ٹھرا۔ اس بہاء الدین محمد بن علی کا ماموں منتخب الدین بدیع الکاتب الجونی، سلاجقہ کے دور کا مشہور انشاء پرداز اور کاتب تھا۔ وہ سلطان سنجر سلجوقی کے دیران مقرب (خاص سیکریٹریوں) میں شمار ہوا تھا۔ اور دیوان الانشاء کا رئیس تھا۔ اس نے فن انشاء و ترسل میں "رقبتہ العلم" "مجموعہ رسائل" اور "محبہ کتبہ" نامی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ منتخب الدین جوینی سنجر سلجوقی کا ندیم و مصاحب خاص بھی تھا۔ صاحب دیوان کا جہد (دادا) شمس الدین محمد، سلطان محمد خوارزم شاہ کا ملازم خاص اور اس کے دیوان کا مستوفی (وزیر مال) تھا۔ وہ آخری خوارزم شاہی سلطان جلال الدین منکبوتی کے زمانہ میں بھی مستوفی الممالک کے منصب پر متمکن تھا۔ صاحب دیوان کا پدر (باپ) بہاء الدین محمد صاحب دیوان، چنگیز خانی حملوی اور ہولاکو کے حملوں کے درمیانی زمانے میں جو ۳۵ سالوں پر ممتدی ہے اور جس میں منگول سردار اور شمنہ (کوئال) خراسان و عراق کے علاقوں پر حکم ران تھے، منگولی حکومت میں مالیات کا افسر اعلیٰ اور صاحب دیوان مقرر تھا۔ ۳۳۰ھ میں منگولی سردار جتھمور نے اسے خراسان و ماژندران کا صاحب دیوان مقرر کیا۔ وہ ۳۳۳ھ میں منگول حکمران اوکتائی کے دربار میں قراقرم گیا۔ وہاں اس کی بڑی آؤ

بھگت ہوئی اور اسے انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ ۶۳۳ھ میں اسے آذربائیجان مگر جستان دروم کا نائب گورنر مقرر کیا گیا۔ ۶۳۳ھ میں وہ ایک بار پھر قآن کے دربار میں حاضری کی غرض سے منگولیا گیا۔ ۶۵۱ھ میں وہ یزد و عراق کا نائب بنایا گیا۔ اس نے ۶۵۱ھ میں اصفہان کے مقام پر انتقال کیا۔ وہ اپنے عہد کا نامور قاضی و اعلیٰ انشاء پرداز تھا۔ اس کا بھائی خواجہ شمس الدین محمد جوینی اپنے عہد کا فاضل و ماہر مالیات و ترسل و انشاء تھا۔ وہ ہولاکو کے عہد میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہا اور ابا قاسم خان کے زمانے میں مملکت کا وزیر اعظم رہا۔ اس کے اور صاحب دیوان عطاء ملک کے متعدد بیٹے بھی اعلیٰ سرکاری مناصب پر متمکن رہے غرض یہ خاندان ”این خانہ ہم آفتاب است“ کے مصداق آسمان علم و فضل کا آفتاب و ماہتاب رہا ہے۔

عطاء ملک کے ابتدائی حالات

عطاء ملک ۷۳۳ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی تعلیم کی تفصیل نہیں ملتی، لیکن اس کی علمی، ادبی اور انشاء پرداز کی اعلیٰ صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اور نیز خاندانی علمی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اس نے مروجہ علوم کی تحصیل بڑی محنت سے کی تھی اور عربی و فارسی انشاء و ترسل میں مہارت تامہ بہم پہنچائی تھی۔ اور نثر کے علاوہ شعر و شاعری سے بھی اسے بہرہ وافر ملا تھا۔ جہاں کشائی میں جس برجستگی سے وہ عربی و فارسی اشعار، قرآنی آیات و احادیث کا استعمال کرتا ہے، اس سے مذہبی علوم اور ادب پر اس کی مضبوط گرفت کا پتا چلتا ہے۔ اسی طرح ملاحظہ کے عقائد کے ابطال میں اس کا طرز استدلال خالص متکلمانہ ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ عقائد، حکمت و کلام پر فاضلانہ نظر رکھتا ہے۔ یوں اپنے عہد کے علماء، مکتب، انشاء پرداز و شعراء میں اسے ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

ملازمت کا حال

صاحب دیوان نے ۷۴۱ھ میں جبکہ اس کا سن سترہ سال کے لگ بھگ تھا، منگولی حکام کے ہاں ملازمت اختیار کی اور دیوان انشاء میں محروم نشی کی خدمت سے اس نے نئی زندگی کا آغاز کیا (نکار تحریر دیوان اشتغال نمود) اور امیر ارغون کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ امیر ارغون ۷۴۱ھ سے ۷۵۳ھ تک منگولی بادشاہ کی جانب سے دریائے جیحون کے مغربی ممالک کا

حاکم رہا۔ امیر ارغون اپنے دور نیابت میں پانچ یا چھ بار منگولیا گیا۔ ان سفروں میں سے اکثر میں عطاء ملک اس کے ہمراہ تھا اور اس نے ان سفروں میں اپنی عمر کے دس سال گزارے۔ ان سے منگولوں کی معاشرت، سیاست اور تہذیب کو سمجھنے میں اسے بڑی مدد ملی۔ ان کی زبان سے بھی اس کو آگاہی حاصل ہوئی اور ان تجربوں سے اس نے اپنی کتاب میں بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی منگول دربار بھی اس کی اعلیٰ صلاحیتوں سے واقف ہو گیا اور بعد میں ہولا کو کے دور میں اس کا عملی تجربہ ہوا۔

ہولا کو کی ملازمت

امیر ارغون کے بعد جب بادشاہ زادہ ہولا کو بلاذغر میں کا حاکم اعلیٰ ہو کر آیا اور اسماعیلیوں کے قلعوں کی تسخیر کا سلسلہ شروع ہوا، تو عطاء ملک اس تمام عرصے میں شاہی افواج کے ساتھ رہا اس مدت میں وقوع پذیر ہونے والے سارے واقعات کا وہ عینی شاہد ہے، اس لئے اس کا بیان نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ صرف شریک سفر ہی نہیں تھا، بلکہ ہولا کو کے ہاں اسے نہایت قرب بھی حاصل تھا۔ چنانچہ خبوشان کے برباد شہر کی آبادی و بحالی، جو ایک چوتھائی اس کی ملکیت تھا، اس کی سفارش پر عمل میں آئی۔ اس طرح قلعہ الموت کے فتح ہو جانے کے بعد جو ”فتح نامہ“ نزدیک و دور روانہ کیا گیا، اس کا محرر و کاتب بھی عطاء ملک ہی تھا۔ ہولا کو نے اسی کی درخواست پر اسماعیلیوں کے کتب خانے سے اعلیٰ کتابوں کے انتخاب کی اس کو اجازت دی تھی۔ سرکیف ہولا کو کے دور میں جو ۶۲۳ھ میں ختم ہوا اسے اور اس کے دوسرے اہل خاندان کو بڑا اقتدار، اعتبار و اعتماد حاصل رہا۔

بغداد کی حکومت

بغداد کے سقوط کے بعد ہولا کو نے عطاء ملک کو ۶۵ھ میں عراق کا حاکم مقرر کیا۔ عراق کی گورنری پر اس کی تقرری مسلمانوں کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے اکیس سالہ دور میں دوبارہ شہروں کی آبادی، زراعت کی ترقی، آب پاشی کے نظام، مدارس و مساجد و رباط کے قیام پر توجہ دی۔ انبار کے مقام پر دریائے فرات سے ایک سرنگال کر کوئہ تک لایا، راستے کے تمام غیر آباد دیہات کو آباد کیا، سینکڑوں میل تک باغات، سبزہ زار اور کشتزاروں سے پورے ملک کو سرسبز و خوش حال بنا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار مقدس کی از سر نو تعمیر و مرمت کرائی اور وہاں ایک رباط (سرائے) قائم کی یہ اور اس جیسے

بست سے کام اس کے دور میں انجام پائے اور وہ عظیم بربادی جو منگولی حملہ آوروں کے ہاتھوں اس خطے کے نصیب میں آئی تھی اس میں خاصی کمی ہو گئی۔

ابا قا خان کے عہد میں

ہولا کو کے بعد ۶۳۳ھ میں اس کا بیٹا ابا قا خان برسر حکومت آیا۔ اس نے عراق کی حکومت ایک منگول سردار سو بنجاق آغا کو دی اور اس کے نائب کی حیثیت سے عطاء ملک کا تقرر ہوا۔ مگر سو بنجاق آغا برائے نام حاکم اعلیٰ تھا اور حکومت کے جملہ امور حسب سابق عطاء ملک ہی سرانجام دیتا رہا۔

احمد نکودار کے عہد میں

ابا قا خان کی موت کے بعد اس کا بھائی نکودار برسر حکومت آیا۔ اس نے عطاء ملک اور اس کے برادر بزرگ خواجہ شمس الدین محمد کی مساعی جلیلہ سے اسلام قبول کر لیا تھا اور احمد نکودار کے نام سے محرم ۶۸۸ھ میں دشمن اسلام چنگیز و ہولا کو کا جانشین ہوا۔ یہ امر کہ ایک مسلمان شاہزادہ منگولی تخت کا وارث قرار پایا ہے، منگولی سرداروں اور غیر مسلم خصوصاً عیسائی حکام کو سخت ناگوار گزرا۔ اس لئے انہوں نے ابا قا خان کے بیٹے ارغون کو اپنے چچا کے خلاف بھڑکایا۔ وہ منگولی سرداروں کی شہ پر احمد نکودار کے خلاف ایک لشکر جرار لے کر چڑھ دوڑا، بغداد پر قبضہ کر کے صاحب دیوان کے متوسلین پر قیامت و عداوت۔ حساب قہمی کے بہانے زندہ اہل کاروں کو ہی تنگ نہ کیا بلکہ مردوں پر بھی غصہ اتارا۔ عطاء ملک کے نائب اور پیش کار نجم الدین اصغر کو جو اسی زمانے میں مرا تھا نشان عبرت بنایا اس کی لاش قبر سے نکال کر بغداد کے راستے میں پھینک دی۔ یہ بغاوت ناکام رہی اور ارغون اپنے چچا سے شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

عطاء ملک کی وفات

اس زمانے میں صاحب دیوان خراسان کا گورنر تھا جب اسے بغداد میں اپنے آدمیوں کی بربادی کی خبر ملی تو وہ سخت رنجیدہ ہوا۔ درد سر میں کئی روز جھلارہ کر اس نے مغان کے مقام پر سہرزدو الحجہ ۶۸۸ھ کو وفات پائی۔ اس کی میت تہیز لاکر خاندانی مقبرے میں دفن کی گئی۔

صاحب دیوان خوش قسمت تھا کہ اس نے احمد نکودار کے عہد سلطنت میں قید حیات سے نجات پائی۔ مگر اس کے دیگر افراد خاندان ایسے خوش قسمت نہ تھے۔

خاندان کی بربادی

۶۸۳ھ میں منگول سرداروں نے سازش کر کے سلطان احمد نکودار کے بجائے ارغون بن اباقا خان کو تخت منگولی پر براجمان کر دیا اور احمد نکودار کو شہید کر دیا۔ اب ارغون کو انتقام لینے کا موقع ہاتھ آیا اور اس نے جموئے الزامات لگا کر صاحب دیوان کے بھائی خواجہ شمس الدین محمد جوینی کو ۲۸ شعبان ۶۸۳ھ کو قتل کر دیا۔ اس کے چار بیٹوں یحییٰ، فرج اللہ، مسعود اور آتابک کو بھی شہید کر دیا گیا خواجہ کے پوتے کو جس کا نام علی تھا۔ ۶۸۸ھ کا نشان کے مقام پر شہید کر دیا گیا اور صاحب دیوان کے بیٹے منصور کا بھی یہی انجام ہوا۔ اسے حلہ سے لا کر بغداد میں قتل کیا گیا۔ غرض اس شہرہ عصر اور تابعدار روزگار خاندان کے افراد جن جن کرموت کی نیند سلا دیئے گئے ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے چنگیز و ہولا کو کے حملوں سے برباد و تباہ حال مسلمانوں کی اپنے مقدور بھر مدد کی تھی۔ اور ان کی معاشرتی، معاشی اور تہذیبی بحالی و شیرازہ بندی کی سعی جمیل کی تھی۔ اور اس دشمن اسلام قوم کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی جرات کی تھی۔ مگر سچ کی آخر کار فتح ہوئی اور صاحب دیوان کے داماد امام صدر الدین جوینی کے ہاتھ پر اس ارغون کے بیٹے غازان نے اسلام قبول کر لیا۔

تصانیف

صاحب دیوان عطاء ملک کی تصانیف میں تاریخ جہاں کشائی کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں :

۱۔ رسالہ تسلیتہ الاخوان : اس رسالہ کا ایک نسخہ پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس رسالہ میں صاحب دیوان نے ان پریشانیوں اور اذیتوں کا ذکر کیا ہے جو اسے ۶۸۰ھ میں مجد الملک کی جھوٹی شکایتوں کی وجہ سے اٹھانی پڑی تھی۔ ان مصائب سے عطاء ملک کو ۲۸ رمضان ۶۸۰ھ میں سلطان اباقا خان کے حکم سے نجات ملی۔ اس بناء پر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ رسالہ رمضان ۶۸۰ھ کے بعد کا تحریر کردہ ہے۔

۲۔ ایک اور رسالہ جس کے درست نام کا پتا نہیں چل سکا، صاحب دیوان نے رسالہ تسلیتہ الاخوان کے فوراً بعد تحریر کیا تھا۔ اس میں بھی پہلی کتاب میں مذکور مصائب و

حوادث کا ذکر ہے۔ اس رسالہ کا بھی ایک بہت ہی غلط نسخہ پیرس کے قومی کتاب خانہ میں موجود ہے۔ یہ مولف کی وفات سے کوئی چھ ماہ قبل لکھا گیا ہے اور غالباً اس کی سب سے آخری تحریر ہے۔

۳۔ مذکورہ دور سالوں کے علاوہ چند مکاتیب 'رسائل و فرامین بھی صاحب دیوان کی یادگار کے طور پر اس کے جد اعلیٰ منتخب الدین بدیع الکاتب الجونی کے "مجموعہ رسائل" میں شامل ہیں۔ یہ سینٹ پیٹرس برگ کے کتب خانہ السنہ مشرقہ میں محفوظ ہے۔

شاعری

۴۔ انشائی و ترسل کے ساتھ ہی صاحب دیوان کے عربی و فارسی اشعار بھی اس کی تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ غالباً کسی نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کر کے لڑی میں پرونے کا خیال نہیں کیا۔ جہاں گشائی جلد سوم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صاحب دیوان ہولا کو کے لشکر میں تھا اور موسم خزاں ختم ہوا اور بہار نے تمام خطہ کولالہ و سبزہ سے آراستہ کر دیا تو اس نے یہ رباعی پڑھی ۔

چوں	کہ	بہار	جشن	حسن	آبادہ
بلبل	زخوشی	گرفت	راہ	ماہ	
برخیز	طلوع	شادی	ایل	تموز	
در	سایہ	بید	آفتاب	سادہ	

عربی زبان میں بھی اس نے اشعار کے ہیں مثلاً ۔

ابادہ	الاعراب	عنی	لانی
محاضرة	الاتواک	نہطت	علائقی
واہلک	یانجل	العیون	لانی
بلیت	یہذا	الناظر	المتضایق

جس زمانے میں وہ اپنے دشمنوں کی چغل خوری سے مصائب و حوادث کا شکار تھا اس نے اپنی پامردی، استقامت و خوددای کا یوں اظہار کیا ہے ۔

لئن	نظر	الزمان	الی	مشنوا
للاک	ضیقاً	اللیک	صلوا	

وکن	بالہ	فائقہ	فلانی
اری	لہ	لی	فارلاب سرا
زمانہ	آن	رملی	لاہلی
نقد	ماوستہ	عسرا	وسرا
ترانی	ثابتہ	جاشا	اذا
جیوش	الحادثات	عزمن	امرا
اذا	دکت	جبل	الصبر دکا
ترامنی	لوانا	مستقرا	
اذا	شاملت	فی	صبری فتورا
جعلت	عزمنی	للتعب	ازدا

(اگرچہ زمانہ نے مجھے ٹیڑھی نظروں سے دیکھا ہے مگر میں تجھ پر قربان اس سے نکل دل نہ ہو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھ کیونکہ میرے خیال میں اس میں اللہ کا کوئی بھید ضروری ہے۔ اگر زمانہ نے مجھ پر مصیبت توڑی ہے تو کیا ہوا میں اس کی پروا نہیں کرتا، کیونکہ میں نے تنگی و فراخی دونوں میں اسکا تجربہ کیا ہے۔ جب حوادث کے لشکر گراں میرے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو تم مجھے ثابت قدم اور باعزم و ہمت پاؤ گے۔ جب صبر کے بھاری پہاڑ کلڑے کلڑے ہو جائیں تو بھی تم مجھے مضبوط قلب اور مطمئن دل والا پاؤ گے۔ جب مجھے اپنے صبر میں کسی طرح کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے تو میں اپنے عزم معمم کو صبر کا پشت پناہ و حامی و ناصر بنالیتا ہوں۔)

خلاصہ کلام

مختصر یہ کہ صاحب دیوان عطاء ملک اپنے اعلیٰ نسب، خاندانی تمول، عزت اور علم و فضل کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھا۔ اس نے ایران و عراق کی گورنری کے زمانے میں اپنے ہم مذہبوں کی خدمت نہایت دل سوزی سے کی۔ اس نے اجڑی بستیوں کو بسایا، بجزا اور ویران باغوں، کھیتوں اور صحراؤں کو لہلہاتے کشت زاروں، سبزہ زاروں اور مرغزاروں میں بدل دیا۔ اس نے دلشکستہ قوم کو نیا عزم و ولولہ عطا کیا، انصاف سے لوگوں کے دل جیت لئے اور اپنے اور اپنے خانوادہ کے لئے ہمیشہ رہنے والی شہرت، عزت و احترام کی دولت

کمانی۔ علم و عمل، دماغ اور ہاتھ کی بہترین صلاحیتوں سے صاحب دیوان اور اس کے خاندان والوں نے تاریخ میں باوقار مقام پایا۔

ایس	سعادت	بزدربازو	نیت
تائہ	بخشد	خدائے	بخشدہ

۲۔ تاریخ جہاں کشائی کی اہمیت

اہمیت

علاء الدین عطاء ملک جوینی کی کتاب ”تاریخ جہاں کشائی“ کو منگولوں، خوارزم شاہوں اور اسماعیلیوں کی تاریخ کی حیثیت سے ہر دور میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے متعدد اسباب ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی اختصار کے ساتھ نشان دہی کرتے ہیں :

۱۔ اس کتاب کو یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ اس دور کی کوئی اور ایسی تاریخ موجود نہیں ہے جس کا مولف واقعات کا عینی شاہد رہا ہو اور منگولوں کے رسوم و اوضاع اور ان کے سیاسی و معاشرتی اطوار سے ذاتی واقفیت رکھتا ہو۔ جو دوسری کتاب ہائے تاریخ موجود ہیں یا تو ان کا مولف معاصر نہیں ہے یا اگر وہ معاصر بھی ہے تو واقعات کا براہ راست اس نے مشاہدہ نہیں کیا اور منگولوں اور ان کے ہم عصر حکمرانوں سے اس کی واقفیت ثانوی حیثیت کی رہی ہے، وہ نہ تو فوجوں کے ساتھ میدان جنگ میں موجود رہا اور نہ شاہی درباروں کے اعلیٰ عہدوں سے منسلک رہا ہے اور دوسرے ماخذ یا موسوعات پر اس نے اپنے بیانات کی بنیاد رکھی ہے۔

۲۔ جہاں کشائی کی اس اہمیت کی دو سری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں وہ اور اس کا خاندان سب سے پہلے منگولوں کے ملک میں گیا ان کے قبائلی نظام، معاشرتی اوضاع اور یا سائے حکومت سے آگہی حاصل کی۔ جوینی کے والد بہاء الدین محمد نے اور خود اس نے قراقرم اور منگولیا کے بار بار سفر کئے۔ صاحب دیوان نے دس سال سے زیادہ عرصہ منگولوں کے علاقوں میں قیام و سفر میں گزارا۔ جہاں کشائی پہلی کتاب ہے جس سے معاصر مورخین اور دیگر فضلاء کو اس نئی ابھرتی ہوئی منگولی عسکری طاقت کے متعلق موثق معلومات حاصل ہوئیں۔

۳۔ اس کتاب کی اہمیت کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ملاحظہ (اسماعیلیہ، فلسطین) کی تاریخ جو اسماعیلیوں کی خفیہ دعوت اور ان کے عقائد کی سریت کی طرح راز سرستہ کی طرح

لوگوں کی نگاہوں سے مستور تھی۔ پہلی بار ان کے اپنے تحریری مواد کی اساس پر جہاں گھنائی جلد سوم کی صورت میں مظہر عام پر آئی۔ اسماعیلیوں کے عقائد وہ راز سربست تھے جن سے غیر اسماعیلی علماء، ناواقف محض تھے۔ یہاں یہ تذکرہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ عبدالکریم شہرستانی متوفی ۵۵۴ھ نے اپنی کتاب ”الحلل والنحل“ میں اسماعیلیوں کے بعض بنیادی عقائد سے پردہ اٹھایا۔ تو محض اس بناء پر کہ انہیں ان عقائد کا پتا کیسے چلا، علماء اہل سنت بشمول امام ابن تیمیہ نے یہ گمان کیا کہ شہرستانی سلفاً ساعیل تھے۔ جو عینی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے ہولا کو کے حکم سے الموت کے نادر کتب خانہ کی پڑتال کی اور ملاحظہ کے عقائد، داخلی نظام اور ان کے سیاسی چمکنڈوں کو بے نقاب کیا۔ ملاحظہ قہستان سے متعلق واقعات و حوادث کا وہ نہ صرف عینی شاید ہے بلکہ سب سے پہلا مورخ واقعہ نگار بھی ہے۔

۴۔ جہاں گھنائی میں منگولوں اور ملاحظہ کی تواریخ کے علاوہ خوارزم شاہیوں کی تاریخ کا بھی تفصیلی بیان موجود ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس خانوادہ کی تاریخ میں صاحب دیوان کی کتاب، پہلی کتاب نہیں ہے۔ ابن اثیر اور اس کے معاصرین کے علاوہ خود ان کے سرکاری مورخ و نسی نوی نے ”سیرت جلال الدین“ مرتب کی ہے جو اس عہد کی مستند تاریخ کی حیثیت سے موجود ہے۔ لیکن ہمارا مصنف عطاء الدین عطاء ملک بھی اس خوارزم شاہی خاندان سے کئی پشتوں سے وابستہ رہا ہے۔ اس کا جد اعلیٰ براء الدین محمد بن علی اس شاہی خاندان سے ۵۸۸ھ میں وابستہ ہوا اور خاندان کے دوسرے بزرگ بھی اس خانوادے کے وابستگان دولت میں تھے۔ اس لئے خوارزم شاہی خانوادہ کے متعلق جہاں گھنائی کے بیانات اتنے ہی اہم و قابل اعتماد ہیں جتنے کہ خود نسی کے ہیں۔ جلال الدین منکبونی کی ہم راہی کی سعادت جس طرح نسی کو حاصل تھی، اس طرح صاحب دیوان کے باپ وادابھی چنگیزی حملوں کے زمانے میں جلال الدین اور اس سے پہلے اس کے باپ علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے ملازمین و ہم رکابوں میں رہے تھے۔ ان وجوہ کی بناء پر جہاں گھنائی کی دوسری جلد جو خوارزم شاہیوں کے احوال و آثار پر مشتمل ہے بنیادی اہمیت کی مالک اور اہم مصادر و منابع میں شمار ہوتی ہے۔

یوں کتاب کی تینوں جلدیں اپنے موضوعات پر نہایت اہمیت کی حامل ہیں اور بنیادی و اساسی مراجع و منابع کی حیثیت سے تاریخ کی اہم، مستند و معتبر دستاویز شمار ہوتی ہیں۔

بعد کے مورخین کی رائے

جہاں کشاف کی اس امتیازی حیثیت کے پیش نظر بعد میں آنے والے مورخین نے اس کی توثیق کی ہے اور اپنی کتابوں میں اس سے کام لیا ہے۔ ہم ذیل میں بعض مورخین کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ مورخین بھی بنیادی حیثیت کے مالک ہیں :

۱۔ عبد اللہ بن فضل اللہ شیرازی مشہور کتاب تاریخ تجرہ الامصار و تجربہ الامصار معروف بتاریخ و صاف کا مولف ہے۔ اس نے عطاء ملک کی بے حد تعریف کی ہے۔ اس کی کتاب و صاف جو ۶۹۹ھ اور ۷۲۸ھ کے درمیان لکھی گئی ہے، دراصل جہاں کشاف کا ذیل (ضمیمہ) ہے۔ اس نے ایک جلد میں پوری کتاب کا خلاصہ کیا ہے اور جہاں وہ ختم ہوتی ہے اس کے آگے یعنی ۶۸۵ھ سے اپنی کتاب کا آغاز کر کے ۷۲۸ھ پر ختم کیا ہے۔ مولف و صاف نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں عطاء ملک کی تعریف و توصیف کے بعد لکھا ہے ۔

وما انا الا قطرة من سحاب
ولوانی صفت الف کتاب

(میں اس کے ابر علم و فضل کا صرف ایک قطرہ ہوں، ہر چند کہ میں ایک ہزار کتابوں کا

مصنف ہوں)

۲۔ جامع التواریخ کا مولف رشید الدین فضل اللہ غازی خان اور اولجا تو خاں محمد خرمیدہ کا وزیر تھا۔ اس کی کتاب ۷۱۰ھ میں مرتب ہوئی ہے۔ اس نے جہاں کشاف کی تینوں جلدوں کے مضامین کو اپنی کتاب میں سولیا ہے۔ اس نے بعض مقامات پر جہاں کشاف کے مطالب کا اختصار اور بعض مقامات پر اس کے مندرجات کو نہایت تفصیل کے ساتھ جامع التواریخ میں شامل کر لیا ہے۔

۳۔ ابو القریح غریغوریوس بن اہرون ملطی جو نصرانی طبیب اور مراغہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے ۶۸۵ھ میں انتقال کیا۔ یہ ابن العبری کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے سریانی زبان میں ایک مفصل تاریخ لکھی ہے۔ اس کے ہاں خوارزم شاہیوں، منگولوں اور اسماعیلیوں کے متعلق جو بیانات ہیں وہ بنیادی جہاں کشاف سے منقول ہیں۔ اسی طرح اس نے اپنی ایک اور عربی تاریخ مختصر الدول میں جو اس کی بڑی کتاب کا خود اس کے قلم سے خلاصہ ہے، جہاں کشاف کے بیانات بعینہ یا ملخصاً نقل کر دیئے ہیں۔

۴۔ صفی الدین محمد بن علی بن محمد بن طباطبا معروف بابن طلق نے اپنی مشہور کتاب الفخری ۷۱۰ھ میں تالیف کی ہے۔ اسے چونکہ عطاء ملک صاحب دیوان سے ذاتی رنجش و

عبادت تھی، اس نے جہاں گشائی کے مندرجات نام لئے بغیر اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔
۵۔ شباب الدین احمد بن یحییٰ بن فضل اللہ کاتب و مشقی متوفی ۷۴۹ھ نے کتاب مسالک
الابصار فی ممالک الامصار میں ضخیم جلدوں میں لکھی ہے۔ یہ کتاب ۷۳۸ھ میں مکمل
ہوئی۔ اس کتاب کی تیسری جلد میں جہاں گشائی کی مشکوٰوں سے متعلق بعض فصول کا عربی
میں ترجمہ شامل ہے۔

چونکہ مشکوٰوں، خوارزم شاہوں اور اسماعیلیوں کی تاریخ میں جہاں گشائی، نہایت ثقہ
اور بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے بعد کے مورخین نے اس سے بہت استفادہ کیا
ہے اور اس کی فصل کی فصل اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔ ہم ذیل میں ایسی کتابوں کے
نام درج کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ کتابیں اپنے موضوعات پر سند کا درجہ رکھتی ہیں اور بعد
کے مورخین کے لئے ان کا تحریری مواد نہایت اعتبار و اعتماد کا حامل ہے :

۶۔ تاریخ مزیدہ از حمد اللہ مستوفی ۷۴۰ھ میں لکھی گئی۔

۷۔ روضۃ الصفا از میر خاند محمد بن خاوند شاہ محمود (متوفی ۹۰۳ھ)۔

۸۔ حبیب السعد از غیاث الدین خاند میر۔ یہ کتاب ۷۹۷ھ میں تحریر کی گئی۔

۹۔ مجمع الانساب از محمد بن علی شبنکارہ۔ یہ کتاب ۷۳۳ھ میں مرتب ہوئی۔

۱۰۔ نظام التواریخ از قاضی ناصر الدین بیضاوی۔ ۷۷۳ھ میں تصنیف ہوئی۔

۱۱۔ روضۃ اولى الباب فی تواریخ الاکلہ والانساب از ابو سلیمان داود بن محمد بن یحییٰ یہ کتاب
۷۷۷ھ میں تصنیف ہوئی۔

مختصر یہ کہ مشکوٰوں، خوارزم شاہان اور اسماعیلیان قبستان کے مورخ کے لئے جہاں
گشائی کی مدد کے بغیر مستند تاریخ لکھنا قریب قریب ناممکن ہے۔

اسلوب نگارش

جہاں گشائی کا اسلوب نگارش اور طرز تحریر چھٹیں اور ساتویں صدی ہجری کی نثر
نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ فنی نثر مصنوعی ہے اور صنایع و بدائع لفظی و معنوی سے بھری پڑی
ہے۔ جا بجا عبارت آرائی کی غرض سے تشبیہات و استعارات سے کام لیا گیا ہے۔ جملے
طویل اور کلمات معترضہ سے پر ہیں۔ جا بجا جملوں کے درمیان قرآنی آیات کے ٹکینے نہایت
سلیقے سے جڑے گئے ہیں۔ بکثرت عربی و فارسی اشعار سے قدرت کلام و ندرت بیان کے
شواہد فراہم کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں زور کلام کی غرض سے عربی کے جملوں کو فارسی متن میں
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سمو کر اعلیٰ عربی انشاء پر دوازی کا اعجاز دکھایا گیا ہے۔ مرادفات سے بہت کام لیا گیا ہے اور ایک ہی بیان کے لئے متعدد مرادفات کا سہارا لیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ انداز بیان عام تاریخی واقعات میں یک گونہ بد مزگی پیدا کرتا ہے، لیکن اس بے نعمی کو ادبی لطائف و طرائف اور اشعار سے کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جناس و تلازمہ جو فنی مثر کی خصوصیات ہیں، عربی میں ہمدانی، خوارزمی، حریری اور قاضی فاضل کے یہاں بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ فارسی میں قاضی حمید الدین عباسی بلخی، و صاف العصور اور امیر خسرو کے ہاں تقلیداً ”اظہار کی قوت و ادائیگی پر قدرت کاملہ کی نمائش کی غرض سے آتے ہیں۔ جوینی نے اپنی علمی جلالت شان اور انشاء و ترسل کی بازی گری کی نمود کے لئے ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا ہے۔ جہاں کشائی کی تیسری جلد میں ”نسخ فتح نامہ الموت“ میں جوینی نے اسی طرز بدیع نگاری و اسلوب صنعت گری کی اعلیٰ مثال پیش کی ہے۔ ملاحظہ کے قلعوں کے استحکام و ارتقاع کے بیان میں علم نجوم کی اصطلاحات اور مختلف ثوابت و سیار نجوم کا جناس لفظی کی صنعت گری کے ساتھ نہایت اوق و عامض بیان اس کے ہاں موجود ہے۔ ہر چند کہ فنی مثر پر تکلف، بوجھل اور بے نمک ہوتی ہے مگر جوینی کی زبان ان معائب سے یک گونہ پاک ہے۔ اس کی تاریخ کے موضوعات، خصوصاً ”چنگیز و ہولا کو کے سفاکانہ طرز حکومت، بستیوں کی بربادی، خون انسان کی ارزائی، ایک ابتلائے عام جس میں کسی ذی روح کو زندہ نہ چھوڑنے کے چنگیزی احکام شامل ہوں، حد درجہ الم ناک، رنج وہ اور عذاب و عتاب سے پر ہیں، وہ انسانی جذبات کی اپنے ہم قوموں کی عزت نفس کی اور آدمیت کے وقار کی پامالی کی داستان بیان کرتا ہے اور اس کے لئے جو زبان استعمال کرتا ہے اس میں صنعت گری کے باوجود اثر ہوتا ہے۔ جوینی کے ہاں احترام آدمیت اور انسان دوستی کی وجہ سے ایک اثر ہے، اس کے ترسل میں سوز اور اس کے بیان میں دل میں اتر جانے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس کے شواہد کتاب کی پہلی جلد میں چنگیز کے ہاتھوں بخاری، خیوا اور نیشاپور کی بربادی کے بیانات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ وہ عام بدامنی جو ملاحظہ کی دسیہ کاریوں اور ان کے فدا یوں کی خنجر زنی کے سبب سرزمین ایران و خراسان کا مقدر بن گئی تھی جس کے سبب امراء ہی نہیں علماء و فضلاء بھی اپنے گھروں تک میں جان سے ایمن نہ تھے، کتاب کی تیسری جلد میں اس کا تذکرہ پر اثر انداز میں کیا گیا ہے۔ اور بمصداق ”ہرچہ از دل خیزد بدل ریزد“ قاری کو آج بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جوینی الفاظ و معانی کا ماہر صنعت گر اور انشاء و ترسل کا چابک دست نقاش گر ہے اور اس کی کتاب اس کی شاہد عدل ہے۔

وضع و ترتیب

جہاں گشائی تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان تینوں جلدوں کے مشتملات و موضوعات مندرجہ ذیل ہیں :

جلد اول : یہ جلد منگولوں کے ابتدائی حالات سے گیوک پیراؤکتائی بن چنگیز خان تک کے احوال پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں ایک طویل مقدمہ ہے۔ اس کے بعد فصل اول میں قدیم منگولوں کے عادات و رسوم کا ذکر ہے۔ دوسری فصل میں یاسائے چنگیزی یعنی قانون اساسی منگولاں کا بیان ہے۔ اس کے بعد چنگیز خان کے حالات کا بیان ہے اور ملک اویغور میں چنگیزی فتوحات کے ضمن میں اویغور اقوام کے آداب و معاشرت اور رسوم پر ایک فصل ہے۔ اس کے بعد ماوراء النہر و ایران میں منگولی فتوحات کا نہایت تفصیل سے ذکر ہے۔ منگولوں کی سفاکی، مسلمانوں کی بربادی اور مسلمان امراء کی نااہلی کا نہایت دل دوز انداز میں بیان ۶۵ھ سے شروع ہو کر ۳۳ھ میں چنگیز کی ہلاکت پر ختم ہوتا ہے۔ بعد ازاں چنگیز کے بیٹے اور جانشین اوکتائی کی حکومت کا بیان ہے، جو ۳۶ھ سے شروع ہو کر ۳۹ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ جوینی نے اوکتائی کے جوہر و کرم اور عدل و انصاف کی بہت سی داستانیں بھی لکھی ہیں۔ اوکتائی کی موت کے بعد اس کی بیوی کے دور نیابت اور اس کے بعد اس کے بیٹے گیوک کے عہد کا بیان ہے۔ یہ تذکرہ ۶۳ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں چنگیز خان کے دوسرے بیٹوں توشی (دوشی / جوجی) اور چغتائی کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس پر جہاں گشائی کی جلد اول ختم ہو جاتی ہے۔ اس طور سے کتاب کی یہ جلد منگولوں کی قدیم تاریخ سے لے کر ۶۳ھ تک کے اہم واقعات و حوادث کی مستند و موثق دستاویز ہے۔

جلد دوم : جہاں گشائی کی دوسری جلد خوارزم شاہی سلاطین کے حالات پر مشتمل ہے مگر ان کے ساتھ دوسرے مباحث پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اس جلد میں سلاطین و بادشاہان خوارزم شاہیہ کا مفصل ذکر ہے، 'خصوصاً' دور آخر کے حکمرانوں کے تذکرہ میں نسبتاً تفصیل زیادہ ہے۔ اس خاندان کے ذکر کے ضمن میں ایک نہایت مفید فصل کافر ترکوں کے حالات میں ہے۔ یہ کافر ترک تاریخ میں قراخانیہ اور گورخانہ کہلاتے ہیں۔ انہوں نے ۹۵ سال کے قریب کاشغر، ختن اور بلاساغون پر حکومت کی ہے۔ ان اطراف کے اکثر ترک ملوک الطوائف مثلاً 'افراسیابہ'، 'خانہ'، 'اہلک خانہ' اور آل خاقان ان کافر ترک

حکمرانوں کو خراج دیتے تھے اور ان کی حفاظت و حمایت میں تھے۔ یہ آل خاقان سامانی امراء کے بعد منگولی قبضے تک کم و بیش دو سو سال تک ترکستان و ماوراء النہر پر قابض و متصرف رہے تھے۔ ان کا فر ترک حکمرانوں کو بعض خوارزم شاہی بادشاہوں نے بھی خراج ادا کیا ہے۔ اس خانوادہ کی تاریخ کا سب سے اہم ماخذ جہاں گشتائی کی یہی جلد ہے۔ جلد دوم کے اخیر میں ان منگول شہنشاہ (کو تو ال) اور حکام کا تذکرہ ہے جنہوں نے اوکتائی قاآن کے دور سے ہولا کو کی بلاد مغربی میں آمد تک یعنی ۷۳۲ھ سے ۷۵۳ھ تک ایران و خراسان پر حکومت کی ہے مثلاً "جستور" "مرگوز" امیر ارغون جوینی نے ان سب کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اس بیان پر یہ جلد دوم اختتام پذیر ہوتی ہے۔ یوں یہ جلد خوارزم شاہیوں کے ساتھ ساتھ قراختائیوں اور منگولی شہنشاہوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

جلد سوم : اس جلد کا آغاز ۷۵۹ھ میں چنگیز خان کے پوتے منکو قاآن پر تولی خان کے تحت نشینی کے بیان سے ہوتا ہے۔ ابتداء میں اس کی سلطنت کے بعض ابتدائی واقعات بھی بیان کئے ہیں۔ بعد ازاں ہولا کو بن تولی کی بلاد غریبہ (ماوراء النہر، خراسان، ایران، عراق و شام وغیرہ) پر تقرری کا بیان ہے۔ اس کی افواج کی ترتیب اور سفر کی داستان بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ یہ سلسلہ ۷۵۳ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اس ابتدائی بحث کے بعد اسماعیلیوں کا بیان شروع ہوتا ہے ان کے قلعوں کی تفصیل، ان کے مذہبی عقائد کی توضیح و تشریح، ان کے قدیم عقائد کا بیان اور اس ضمن میں مصر کے اسماعیلی حکمرانوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ قہستان کی سازش، ان کے حکام کی سرگزشت کا بیان بھی بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اخیر اخیر ہولا کو کے ہاتھوں ان کی بربادی اور حکومت کے ۷۵۵ھ میں مکمل خاتمہ کا حال تحریر کیا گیا ہے۔ اس جلد میں ملاحظہ کے عقائد کے رد میں جوینی نے متکلمانہ انداز اختیار کیا ہے اور اس گروہ سے اپنی دلی نفرت کے اظہار میں اس نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ اس نے اس گروہ کے حکام کے لئے درشت و تیز و تند لہجہ اختیار کیا ہے۔ غالباً "اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے اپنے وطن میں اس گروہ نے پونے دو سو سال سے جو لاقانونیت اور کشت و خون کا بازار گرم کر رکھا تھا" اس سے وہ اور اس کے ہم وطن حد درجہ اذیت برداشت کر چکے تھے اور ان کے استیصال تک وہ اس اذیت ناک دور کرب و بلا سے دوچار رہے تھے۔ بہر کیف کتاب کی یہ تیسری جلد آخری اسماعیل حکم راں رکن الدین خورشاہ کے ۷۵۵ھ میں قتل اور اس کے خاندان کی مکمل بربادی اور اس کے قلعوں کی مساری و پامالی پر ختم ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جوینی کا رواں قلم بھی یک سر خاموش ہو جاتا

ہے۔ اس جلد میں ”نسخ فتح نامہ الموت“ بھی ہے جس کا ترجمہ ضمیمہ کے طور پر درج کیا گیا ہے۔

جہاں کشائی کا اختتام

مقام افسوس ہے کہ عطاء ملک جوینی ۶۸۱ھ تک زندہ رہا۔ اور ۶۵۵ھ تا ۶۸۱ھ کا زمانہ جو ربح صدی پر ممتویٰ ہے اور تاریخ اسلام کے نہایت اہم واقعات و حوادث پر مشتمل ہے، خصوصاً ”خلافت عباسیہ کا انقراض“ بغداد کی بربادی اور دنیائے اسلام کی بد حالی، ان سب کے لئے ہمارا عظیم مورخ و انشاء پرداز جوینی شاید بھی تھا، نہایت مستند و موثق واقعہ نگار ثابت ہوتا اور اس کا لکھا ہوا تاریخ کے اہم مراجع، منابع و ماخذ میں شمار ہوتا، مگر نجانے کن وجوہ سے اس کا قلم خاموش ہو گیا۔ یہ خاموشی تاریخ کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ شاید جوینی کی حکومتی ذمہ داریوں اور اس کے خلاف سازشوں نے اسے تاریخ نویسی کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ مگر چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ و صاف العوضت نے اپنی تاریخ وہیں سے شروع کر کے جہاں اس کے ممدوح جوینی نے اسے چھوڑا تھا، اپنے عہد تک کے واقعات پر اسے ختم کر دیا اور اس کمی کو کسی قدر پورا کر دیا۔

ضمیمہ فتح بغداد

جہاں کشائی کے بعض نسخوں میں خواجہ نصیر الدین طوسی کا لکھا ہوا ایک ضمیمہ بھی شامل ہے، جسے خواجہ نے بغداد کی بربادی پر تحریر کیا ہے۔ اس ضمیمہ کی بدولت جہاں کشائی ۶۵۶ھ تک کے حوادث و حقائق پر مشتمل ہے، ہم نے اس تحریر کو ضمیمہ قرار دے کر اس ترجمہ کے آخر میں اس کا ایذا کر دیا گیا ہے۔ چونکہ خواجہ نصیر الدین طوسی کو بغداد کی بربادی کا براہ راست ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، اس لئے اس کا بیان بطور ”عذر گناہ“ بھی مطالعہ کا مستحق ہے۔

۳۔ ترجمہ اردو کی خصوصیات

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا، کتاب جہاں کشائی اعلیٰ فنی نثر کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ کتاب ہر طرح کی ادبی صنعت گری و لسانی تکلف سے پر ہے۔ اس کی عبارتیں طویل

ترادفات پر مشتمل ہیں۔ اردو ترجمہ میں اس نزاکت کو امکانی حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے، پر کثیف زبان کو سلیس و سہل زبان میں بدلا گیا ہے، حتی الامکان طویل جملوں کو مختصر کیا گیا ہے اور طویل جملوں کو اسی صورت میں قائم رکھا گیا ہے جہاں ان کا اختصار ممکن نہیں ہو سکا۔ کہیں کہیں جملوں میں وضاحت کی غرض سے کچھ اضافے بھی کئے گئے ہیں، مگر انہیں بین القوسین میں رکھا گیا ہے تاکہ مصنف کی تحریر اور ترجمہ کے ایزاد میں امتیاز قائم رہے۔ مگر چونکہ نثر مرصع کا نہ اب فارسی میں رواج ہے اور نہ اردو میں اس کا چلن ہے ترجیحاً اس سے احتراز و اعراض کیا گیا ہے۔

صاحب دیوان علاء الدین عطا ملک جوینی کو اس سیلاب خون و طوفان آتش سے گزرنا پڑا تھا، جو قریب قریب دو صدیوں سے ملاحدہ کے ہاتھوں ایران و خراسان کے عوام و خواص کے اتلاؤ و استیصال کا سبب بنا ہوا تھا۔ اور جس سے اس خطہ علم و دانش سے علماء و فضلاء کی ہجرت اور سرزمین امن و آشتی سے رقابت و طمانیت کے خاتمہ کی تباہ کن صورت حال پیدا ہوئی تھی اس لئے ہمارے فاضل مورخ نے اس ”نامبارک تحریک“ سے اپنی سخت نفرت کا اظہار کیا ہے۔ اس کے ہر فقرہ سے ایک کرب انگیز بیزاری اور دردناک نفرت کا پتا چلتا ہے۔ اس عمدہ کے قاری کے لئے یہ طرز اداء نامانوس ٹھرے گا، اس لئے ترجمہ نے ایسی عبارتوں کے ترجمہ میں توازن و ثقاہت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں ایسا کرنے میں مترجم کامیاب نہیں ہو سکا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل متن کو مسخ کئے بغیر ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ بہر حال متن کی ثقاہت کو ہر قیمت پر برقرار رکھا گیا ہے۔

کتاب میں انشاء پر دازانہ زور ہے، مترجم کو اپنی کم بائگی کا اعتراف ہے، وہ ترجمہ میں یہ زور نہیں پیدا کر سکا ہے، شاید اس لئے بھی کہ مترجم انشاء پر داز نہیں، بلکہ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ہے اور تاریخ جوش سے زیادہ ہوش کا تقاضا کرتی ہے چنانچہ تاریخ کی زبان میں شراؤ اور توازن ہوتا ہے، شور انگیزی اور برانگیختگی نہیں۔

کتاب میں عنوانات نہ ہونے کے برابر ہیں، ترجمہ میں مباحث کی بنیاد پر فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ اور ذیلی عنوانات دیئے گئے ہیں۔ مگر ایسا کرنے میں بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ مصنف کی عبارت کے تسلسل کو برقرار رکھا جائے۔

ذیلی سرخیاں وضاحت کی غرض سے قائم کی گئی ہیں اور ان میں صحافیانہ انداز کے بجائے مورخانہ طرز کو اختیار کیا گیا ہے۔

بہر کیف ترجمہ اپنی خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جا رہا

ہے۔ مترجم خویوں کے صلہ کی تمنا نہیں رکھتا، ہاں خامیوں کی نشان دہی کا طالب ہے تاکہ غلطیوں کی اصلاح کی جاسکے۔

جہاں گشائی جلد سوم کے ترجمہ کے ساتھ ابتداء میں ایک مقدمہ، ترجمہ متن کے بعد بعض ضروری وضاحتی حواشی اور اس کے بعد اسماعیلیوں کی تاریخ کی تفہیم کی غرض سے تین ضائم (ضمیمے) شامل کئے گئے ہیں۔ اس طور سے قاری لئے اسماعیلیان عراق، ایران و خراسان کی تاریخ سے شناسا ہونا آسان ہو جائے گا۔ حواشی میں مترجم نے حد درجہ احتیاط سے کام لیا ہے اور ان کے ضروری مآخذ کی سہولت مزید کے غرض سے نشان کر دی ہے۔

ترجمہ کے لئے تاریخ جہاں گشائی کی جلد سوم کا وہ نسخہ منتخب کیا گیا ہے جسے بریل لائبریری (لینڈن) سے ۱۹۳۷ء میں مشہور ایرانی فاضل علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے اپنے علمی مقدمہ اور تحقیقی حاشیوں کے ساتھ نہایت عرق ریزی سے شائع کیا ہے۔ فاضل مذکور کی یہ علمی سعی قابل صد ستائش و تحسین ہے۔ مترجم ان کے علمی دسترخوان کا زلہ ربا اور ان کے علمی پایہ کے حضور ایک طفل کم سواد سے زیادہ ہے۔ انہوں نے جہاں گشائی کو اپنی تحقیق سے مزید اعتبار بخشا ہے۔

خاکسار

علی محسن صدیقی

ترجمہ متن

جہاں گشائی جلد سوم

www.KitaboSunnat.com

فصل اول

(ہولا کو کی بلاد غربی کی جانب روانگی)

تمہید

(سیاق عبارت قائم رکھنے کی غرض سے جہاں کشائی کی تیسری جلد کے اس مندرجہ کا جس کا عنوان ہے ”شاہزادہ جہاں ہولا کو کی مغربی ممالک کی طرف روانگی“ اختصار کے ساتھ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ منگولوں نے بلاد غربی کے علاقہ خراسان و عراق۔ ایران و عراق۔ پر نہایت تیاری سے چڑھائی کی تھی اور اسامہیلوں اور خلفائے عباسیہ کی مکمل تباہی میں نہ صرف منگولی بلکہ ترک و تاجیک سپاہ سے بھی بڑی ہوشیاری سے کام لیا گیا تھا۔)

بلاد غربی پر ہولا کو کی تقرری

”جب قراقرم کے منگولی تخت پر چنگیز خان کا پوتا اور تولی خان کا بیٹا منکوقاآن متمکن ہوا اور منگولی قور تائی بزرگ (بڑے جرگے) نے اس کی بادشاہت کی توثیق کر دی تو اسے دوسرے منگولی حکمرانوں، دشمنوں اور خود غرض حاسدوں سے یک گونہ سکون و اطمینان حاصل ہوا۔ چنانچہ ۶۵۰ھ میں اس نے اپنے ایک بھائی قبلائی کو مشرقی ممالک (ختائی و چین) کی سربراہی پر مقرر کیا اور شاہزادوں، دامادوں، امراء و قبائلی سرداروں کے ساتھ ایک بڑی فوج اور ضروری جنگی ساز و سامان کے ساتھ اسے مشرق کی سمت پیش قدمی کا حکم دیا۔ بعد ازاں اپنے ایک اور بھائی ہولا کو کو ممالک غربی کا حاکم مقرر کر کے (ترکستان، ماوراء النہر، سجستان، خراسان، ایران، عراق و شام) مغرب کی جانب پیش قدمی اور جو ممالک اب تک فتح نہ ہوئے تھے (یعنی ملحدہ کے قلعے اور عباسیوں کے علاقے) ان کی تسخیر کا حکم دیا۔ اس لشکر میں اصل پادشاهی فوج کا بیسواں حصہ، شاہزادوں، منگولی سرداروں، قبائلی امراء اور دامادوں کی بڑی تعداد اپنی اپنی افواج کے ساتھ شامل کی گئیں۔ ہولا کو کے سب سے چھوٹے بھائی سبتائی اغول کو بھی اس لشکر کے ساتھ شامل کیا گیا آلات جنگ، قلعہ شکن متجنہیں جنہیں ختائی ماہروں نے پہاڑی راستوں میں مہارت کے ساتھ چلانے کی غرض سے سریش اور ابریشم کے آمیزہ سے مستحکم کیا تھا اور ماہر نفث اندازوں نے آتش زنی کے مسالے بڑی

محنت سے تیار کئے تھے یہ سب اس لشکر گراں کے ہمراہ کئے گئے۔ جانوروں کے چارے کی بہم رسانی کی غرض سے اس لشکر کی گزرگاہ کے تمام سبزہ زاروں 'سرخ زاروں اور باغوں کو مقامی آبادی کے چوپایوں اور آدمیوں کے لئے شجرہ ممنوعہ قرار دیا گیا۔ راستے کے دکانوں، رو ساءو امراء پر سامان خوردنی کی فراہمی کی ذمہ داری ڈالی گئی۔ مصنف کتاب جہاں گشائی بہاء الدین عطاء ملک جوینی کو ہولا کو کا صاحب دیوان اور دیر خاص مقرر کیا گیا، تاکہ خراسان و عراق میں اس خاندان کی قدیمی ساکھ اور دفتری مہارت سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔

ہولا کو کی روانگی

”یہ لشکر گراں موسم سرما کی برف باری اور خراب موسم کی مشکلات سے نجات پا کر خراسان کی حدود میں داخل ہوا۔“ (یہاں سے تخصیص ختم ہوئی اور کتاب کا ترجمہ شروع ہوتا ہے) بقول جوینی ”موسم سرما کی تاریک راتوں کی کوکھ سے صبح بہاراں نے جنم لیا۔ سبزہ بہار اور گل رنگا رنگ، صحرائیں کھل اٹھیں، انہوں نے دنیا کو گلہائے ہفت رنگ کی دہائے حریریں پہنا دی۔ سپاہ اور چارپایوں کو بھی آرام و سکون نصیب ہو“ اب الحاد کے قلعوں کی تسخیر کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ دس دس ہزار سپاہ کے بیروں (بیرونی، پرچمی، علم) کے تلے فوجی اکٹھا ہونے لگے۔ اس حدود میں جو سپاہ ترک و تاجیک پہلے سے موجود تھی وہ بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو گئی۔

قصبہ تون کی فتح

چونکہ قصبہ، ”تون“ ابھی خراب و برباد نہ ہوا تھا، اور اپنی پرانی گمراہی پر تاحال قائم و باقی تھا، اس لئے بادشاہ ہولا کو نے سب سے پہلے اس کا رخ کیا۔ ربیع الاول (۶۵۴ھ) کے آغاز میں مبارک گھڑی پر ”تون“ کی جانب فتح و کامرانی کی یلغار شروع ہوئی۔ جب بادشاہ زادہ خوف کے حدود میں پہنچا، تو بیماری کا علم اس پر سایہ فگن ہوا (یعنی وہ بیمار پڑ گیا)۔ سو اس نے کوکا ایل گلی اور کیدرو قاور دو سرے سرداروں کو اس مہم پر روانہ کیا۔ جب یہ سردار اپنی افواج کے ساتھ ”تون“ پہنچے، تو وہاں کے بد معاشوں (رندان) نے مزاحمت کی۔ سات دنوں کی مزاحمت کے بعد لشکر شاہی اس قلعہ میں داخل ہو گیا، اس کی تفصیل کو سمار کر دیا اور تمام مردوزن کو قلعہ کے باہر میدان میں لے جا کر دس سال سے بڑی عمر کے لوگ جن کے قد ایک تیرہ سے زیادہ دراز تھے، نوجوان عورتوں کے سوا، سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یہ فوجی سالار اس کے بعد کامیاب و کامران بادشاہ کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔

طوس میں قیام

اس مقام سے لشکر نے طوس کا رخ کیا۔ یہاں ایک باغ کے دروازے پر جسے امیر ارغون نے تعمیر کیا تھا۔ ریشی زربفت کا بڑا خیمہ نصب کیا گیا، یہاں شاہی امراء کا اجتماع ہوا۔ یہ وہی خیمہ تھا جسے بادشاہ جہاں منکوقا آن کے حکم سے امیر ارغون نے اس کے بھائی ہولاکو کے لئے بڑے اہتمام سے تیار کرایا تھا۔ اس حکم کی تعمیل کی غرض سے ماہر کاریگروں کو بلا کر ان سے مشورہ کیا گیا اور یہ طے پایا کہ اسے اکہرے اور دہرے بٹے ہوئے دھاگوں سے اس طرح تیار کیا جائے کہ صنعاے (پین) کے صنایع بھی اس کے بنانے سے قاصر ہوں۔ اس کے دونوں رخ ایک قسم کے ہوں اور نقش و نگار و رنگ آمیزی میں اندر اور باہر کوئی فرق نہ ہو۔ یہ کپڑا اس قدر دھیز ہو کہ قہنجی سے نہ کٹ سکے یہ قبہ زرنگار اور خیمہ آسمان کردار (بلند) ایسا روشن تھا کہ اس کے مقابلہ میں سورج بے نور اور روشن چاند بدہیت نظر آتے تھے۔ ہر کیف یہاں چند دنوں قیام و جشن رہا۔

باغ منصور میں قیام

بعد ازاں یہاں سے کوچ کر کے، حکمن مٹانے کی غرض سے باغ منصور یہ میں قیام ہوا۔ یہ باغ بہت پرانا ہو گیا تھا اور اس میں کافی ٹوٹ پھوٹ ہو گئی تھی، امیر ارغون نے اسے از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ اس کی دل کشائی و خوبی پر بہشت دنیا رنگ کرتی تھی حکیم انوری نے اسی کے لئے لکھا تھا۔

”واہ واہ“ اے منصور یہ کا باغ اور محل، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے تجھے خدا نے دنیا میں بھیج دیا ہے۔“ اس روز امیر ارغون اور صاحب (وزیر) عزالدین طاہر کی خواتین نے سلمان خور و نوش سے شاہی مہمانوں کی ضیافت کی اور جشن برپا کیا۔

رادکان میں قیام

ایک دن بعد وہاں سے کوچ کر کے رادکان کے مرغ زار (سبزہ زار) میں چند دنوں تک قیام ہوا۔ اس سفر و قیام کے دوران تمام نزدیک و دور کے صوبہ جات یعنی مرو، بازر اور ہستنان کے لوگ شراب، پانی کی طرح وافر مقدار میں لاتے رہے اور بے حد و حساب چارے اور خوراک لے کر ہر منزل میں حاضر ہوتے رہے۔

خبوشان کی ازسرنو آبادی

راوکان سے چل کر خبوشان پہنچے۔ یہ قصبہ منگولی لشکر کی ابتدائی یورش سے تاحال ویران و برباد اور اجاڑ تھا۔ اس کی تمام تعمیرات زمین دوز ہو گئی تھیں، اس کی زیر زمین کاریزیں خشک بڑی تھیں اور قنات (نہریں) ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ یہاں کی جامع مسجد کی دیوار کے سوا کوئی دیوار باقی نہ رہ گئی تھی۔ خبوشان کی اس بربادی سے پہلے میں (جوئی) نے یہاں کے باشندوں اور رعایا سے قصبہ کا ایک چوتھائی حصہ خرید لیا تھا۔ میں نے ویران و برباد شدہ مقامات کی دوبارہ آبادی کی طرف بادشاہ (ہولاکو) کو مائل پایا، تو خبوشان کی تعمیر نو کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائی۔ بادشاہ نے میری غرضی داشت کو سنا اور کاریزوں، بازاروں اور عمارتوں کی تعمیر کا حکم دیا۔ اور رعایا کی خوش حالی اور انہیں وہاں دوبارہ آباد کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ وہاں جو عمارت تعمیر ہوتی تھی اس کے اخراجات خزانہ شاهی سے نقد ادا کئے جاتے تھے تاکہ ان کا بوجھ رعایا پر نہ پڑے۔ وہاں کی قنات (نالیوں) (نہریں) جو ایک عرصے سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں دوبارہ جاری ہو گئیں، باشندے ایک مدت کی ترک سکونت کے بعد پھر واپس آ گئے۔ قہستان سے کسانوں اور کنویں کھودنے والوں کو لاکھوں (خبوشان میں) آباد کیا گیا۔ بادشاہ نے کارخانوں کے قیام کا بھی حکم دیا۔ جامع مسجد کے متصل ایک باغ بنانے کا بھی فرمان صادر ہوا۔ وہاں کی جامع مسجد اور قبرستان بھی ویران ہو گئے تھے صاحب اعظم سیف الدین آغا نے مسجد کی تعمیر کے آغاز اور اس کی نشاہ ثانیہ کے لئے عین ہزار اشرفیاں منظور کیں۔

خرشاہ کی سفارت

بادشاہ (ہولاکو) استو میں بھی دو ماہ ٹھہرا۔ جب پہاڑ اور جنگل چاروں اور خوراک سے خالی ہو گئے تو وہاں سے کوچ کیا۔ اس اثنا میں رکن الدین خورشاہ نے اپنے بھائی شہشاہ اور اپنے ملک کے روادار اشخاص کو دوبار شاهی میں اٹھار اطاعت و بندگی اور حصول حمایت کی غرض سے روانہ کیا۔ جب (ان کی آمد کی) یہ باتیں بادشاہ نے سنیں، تو ان لوگوں کے ساتھ احترام و عزت کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا۔ بعد ازاں ان (اسامہیلی قاصدوں) میں سے ایک شخص کے ہمراہ اپنے اہلچوہوں کو رکن الدین خورشاہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ لوگ قلعوں کی جلد بربادی و مسماری سے متعلق اسے آگاہ کریں۔ جب یہ حکم رکن الدین خورشاہ کو ملا تو اس نے اپنی دیوانگی (مہارت) اور جوانی (نا تجربہ کاری) کی وجہ سے دروغ (جھوٹ) اور بہتان

(حیلہ، الزام، بہانہ) پر مبنی جواب دیا۔

ملاحظہ سے جنگ کا فیصلہ

جب بادشاہ (ہولاکو) پر یہ بات واضح ہو گئی کہ رکن الدین کی قسمت اس سے برکت ہو چکی ہے اور اس سے نرمی کا سلوک کرنا اور دوستی کی روش اپنانی زحمت و پریشانی کا سبب ہوگی، تو اس نے مقام خرقان سے رکن الدین خورشاہ سے جنگ کرنے کا معمم ارادہ کر لیا۔

فصل دوم

ملاحدہ کے قلعوں کی تسخیر کی غرض سے بادشاہ جہاں ہولا کو کی پیش قدمی

افواج کی پیش قدمی

جب سفیروں اور اہلچہلوں کی آمدورفت سے رکن الدین (خورشاہ) کو کوئی تنبیہ نہ ہوئی اور اس نے بادشاہ (ہولا کو) کی خواہش کو ٹالنے کی نیت سے پانچ گنے چنے قلعوں کو جن میں زیادہ سازد سامان نہ تھا اور جو محفوظ و مستحکم بھی نہ تھے، خالی کر دیا اس نے دوسرے قلعوں کے دروازے اکھڑا دیئے اور مضبوط فصیلوں کے بالائی حصے توڑا دیئے اس کا خیال تھا کہ وہ کمزور فریب کے ان باطل طریقوں سے تقدیر کے نوشتہ کا توڑ کر سکے گا۔ ”افسوس ہے افسوس ان امور کے باعث جن کا تم لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔“ (المومنون ۳۶) (بناء بریں ہولا کو) خرقان کے مرحلہ سے شعبان کے وسط میں (۱۵ شعبان ۶۵۳) رکن الدین کے قلعوں (کی تسخیر) کے قصد اور اس کی بستیوں کو برباد کرنے پر مستعد ہو گیا۔ اس نے ان افواج کو جو عراق اور دوسرے مقامات پر تھیں حکم دیا سب ایک جگہ جمع ہو جائیں مہمناہ (کے ساتھ) بوکا تیمور و کوکا اہلکاسی براہ مازندران اور میسرو (پر) نکودر اغول و کید بوکا سمنان و خوار کے راستے روانہ ہوئے۔ اور بادشاہ زادے بلخامی و توقار اور عراق (میں مقیم منگولی) لشکر نے الموت کی سمت سے کوچ کیا۔ خود بادشاہ ان جواں مردوں کے جلو میں جو جنگ کو شہد جانتے ہیں اور خوف کی ذرا پروا نہیں کرتے، چل پڑا۔

قاصدوں کی ایک بار اور روانگی

مقدمہ (کے بطور) (ان افواج سے) پیشتر دوبارہ اہلچہلوں کو بھیجا کہ (رکن الدین کو علم ہو جائے کہ) ترک تازی کے عزم اور پیش قدمی کی نیت کو عملی شکل دے دی گئی ہے ہر چند کہ ماضی میں اس کے جرائم کھوکھلی معذرتوں اور بہانوں کی وجہ سے کئی گنے ہو گئے ہیں تاہم اگر وہ اب بھی صدق دل سے ہلا کو کے استقبال کی خدمت انجام دے تو اس کے جرائم سے درگزر کیا جائے گا، اس کی فضول گویوں پر غصہ کی نظر ڈالی جائے گی اور اس کے معروضات کو قبول کیا جائے گا۔

ملاحظہ کی مہلت طلبی

جب بادشاہ زادہ جہاں کشائی چڑھتا فیروز مندی کے ساتھ (مقام) فیروز کوہ سے گزرا تو (رکن الدین کے آدمیوں نے) اہلچوں کو واپس (ہولا کو کے پاس) بھیج دیا اور خود (قلعوں کی) فصیلوں اور دیواروں کو مسمار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ (ان اہلچوں) کے ہمراہ جموٹے (رکن الدین) کا وزیر اور بد بخت کامہر (صاحب تدبیر) کھیلوا (نامی) طرح طرح کے فریب و مکر کے ساتھ آیا اور قلعوں اور بستیوں کو مسمار کرنے کے حکم کو قبول کیا۔ اور یہ درخواست کی کہ رکن الدین کو قلعہ سے (ہولا کو کے دربار میں) آنے کے لئے ایک برس کی مہلت دی جائے اور تین قلعوں الموت، لیسو دلال کو جو قدیم سے ان کے پاس ہیں، (منگولوں کے) حوالے کرنے سے مستثنیٰ کیا جائے اور وہ باقی قلعوں کو (ہولا کو کے) حوالے کر دیں گے اور جو حکم ہو گا بجالائیں گے۔ (اسی اثناء میں رکن الدین نے) حکم بھیجا کہ قلعہ گرد کوہ اور قہستان کے قلعوں کے (اسماعیلی) مختشم (قلعدار) (ہولا کو کی) خدمت میں اظہار بندگی و اطاعت غرض سے حاضر ہوں۔ (رکن الدین نے) اس فریب و مکر سے یہ خیال کیا کہ تقدیر نے جو فیصلہ کر دیا ہے اور جو بات مقدر ہو چکی ہے اس کا دفعیہ کر کے گا اور اس فریب سے اس کا وزیر تقدیر کو زیر و زیر کرے گا۔

قلعہ شاہ دز پر قبضہ

جب بادشاہ کی سواری قہران پہنچی، قلعہ شاہ دز کا جو رہ گزر میں پڑتا تھا، کید بوقا کی (قیادت میں) محاصرہ کر لیا اور اس کے گرد لشکر کو مقرر کر دیا، ایک دو دن میں اس قلعہ پر زبردستی طاقت کے بل پر قبضہ کر لیا اور دو تین دوسرے قلعوں کو بھی جو ان اطراف میں تھے فتح کر لیا۔

خور شاہ کی حاضری کا مطالبہ

ایک بار پھر (ہولا کو نے) اہلچوں کو (رکن الدین کے پاس) بھیجا اور (قلعہ سے) نکل کر (اپنی خدمت میں) حاضر ہونے کا حکم دیا۔ (مگر) اس نے پھر تعویق و تاخیر کی غرض سے اور موسم خریف میں برف باری کے انتظار میں ٹال مٹول کر کے اہلچوں کو واپس کر دیا اور (منگولی) لشکر کے (اس کے) قلعوں کے محاصرہ، محاربہ اور لوٹ مار سے امان چاہی اور اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ اپنے بیٹے کو تین سو آدمی کی نفری کے ساتھ (ہولا کو کے دربار میں) روانہ

کرے گا اور (اپنے) تمام قلعوں کو مسمار کر دے گا۔ بادشاہ نے اس کی درخواست منظور کر لی اور ری کے (مضافات میں موضع) عباس آباد میں (اس سفارت کے) انتظار میں شہر گیا۔ وہ (منگولی) افواج جو (ملاحدہ کے) قلعوں کے محاصرہ میں مشغول تھیں، انہیں ہٹا لیا گیا اور وقت مقرر پر سات آٹھ سال کے ایک بچہ کو یہ کہہ کر کہ یہ میرا بیٹا ہے (رکن الدین) نے (ہولا کو کے ہاں) اپنے اکابر، اصحاب اعتماد و اعتبار اور ارکان (دولت) کے ہمراہ بھیجا۔

خورشاہ کے وفد کی آمد

بادشاہ نے اپنی فراست و دانائی سے یہ بات جان لی کہ یہ بیٹا فرضی ہے (پسرافتراء است) (اور رکن الدین کا فرزند نہیں ہے) اور اس کی اہمیت کے ثبوت میں شہادت و دلیل کی ضرورت ہے (لہذا) اس نے (رکن الدین کے بھائی) شہنشاہ سے اور ان ارکان دولت سے جنہیں (رکن الدین نے) بطور مقدمہ بھیجا تھا، (اس امر کی) تفتیش کی۔ اس گروہ نے جن کے باطن الحاد کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے کچھ نہ بتایا۔ لیکن بادشاہ نے اندازہ اور ذہانت سے جان لیا کہ حقیقت کیا ہے مگر اپنے کو اس سے ان جان بتایا۔ اور اس بچہ کو بطور خاص احترام انعام کا مورد ٹھہرایا اور واپس جانے کی اجازت دے دی۔

بیس کلمہ دزپر پڑاؤ

بعد ازاں (ہولا کو) نے عباس آباد سے کوچ کر کے۔ بیس کلمہ دزپر پڑاؤ کیا۔ (دوسری اشاعت) رکن الدین اپنے بھائی وزیر اور دوسرے (امراء) کی واپسی کے لئے روز بروز (ہولا کو سے) استدعاء کرتا تھا۔ یہ لوگ جو برے ساتھی تھے رکن الدین کو اطاعت کی سیدھی راہ سے گمراہی کے بیابان میں ڈالتے تھے (یعنی رکن الدین کو ہولا کو کی اطاعت سے یہی لوگ روکتے تھے)۔ جب جعلی بیٹا بد بخت باپ کی خدمت میں پہنچا تو اس نے اپنے دوسرے بھائی شیران شاہ کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ (ہولا کو کے پاس) بھیجا کیونکہ اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ فرضی بیٹے کی واپسی کے بعد وہ ان لوگوں کو (بادشاہ کے حضور) روانہ کرے گا۔ اس سے اس کا یہ مقصد تھا کہ اس بہانے بادشاہی لشکر (اس کے ملک سے) واپس چلا جائے گا۔ (رکن الدین کی) اس درخواست پر کہ اس کے پہلے بھیجے ہوئے بھائی (شاہنشاہ) اور ارکان (دولت) کی جماعت کو واپس کر دیا جائے اور خود اسے موسم سرما کے اہتمام اور موسم بہار کی آمد تک دینے اس لئے کہ اس کے دل سے خوف و ہراس دور ہو جائے (دربار شاہی میں) حاضری سے معاف رکھا جائے۔

خورشاہ کی حاضری اور قلعوں کی مسامیہ پر اصرار

بادشاہ نے اس کے بھائی شاہان شاہ کو واپس بھیج دیا اور حکم دیا کہ اگر (رکن الدین) پانچ دن کے اندر ہماری خدمت میں نہ آیا تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے قلعوں کو مستحکم کر لے اور جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ جب (ہولا کو کا) ایلچی واپس آیا تو وہ (رکن الدین کا) وہی بار بار دہرایا ہوا عذر لے کر آیا (چنانچہ ہولا کو نے) جان لیا کہ اس کے سر میں شر اور اس کے عقیدہ میں مکر ہے، اس لئے اس نے رکن الدین کے استیصال کا معمم عزم کر لیا اور جو فوجیں اس کے (قلعوں) کے مدار پر تعینات تھیں انہیں حکم ہوا کہ ہر شخص اپنے مستقر سے چل پڑے۔ (خور) بادشاہ ۱۶ شوال ۶۵۳ھ کو بیس کھ دز سے روانہ ہوا اور (رواگی سے پہلے (شای) حکم کے مطابق (رکن الدین کے) ان طعون فوجوں اور روساء کو جنہیں جمال آباد قزدین میں روک رکھا گیا تھا۔ خفیہ طور پر جنم رسید کروادیا۔ اسی وقت سے قزدین میں یہ مثل مشہور ہو گئی کہ جس شخص کو قتل کرتے ہیں اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ”اسے جمال آباد بھیج دیا گیا۔“

رسد کی فراہمی کا بندوبست

(منگولوں کے) ایلچی (اطراف و جوانب کے) ملکوں میں پھیل گئے تاکہ فوج کے لئے سامان خورد و نوش اور فزع کئے جانے کی غرض سے اور سواری کے مقصد سے جانوروں کو اکٹھا کر کے (لشکر شای کی جانب) روانہ کیا جائے چونکہ چاروں کی حمل و نقل ارمن سے یزد تک اور دلایت اکراد سے جرجان تک (کے وسیع علاقوں میں) تھی اور شای لشکر میں اس قدر چوپائے نہ تھے جو (اس مقصد کے لئے) کافی ہوتے اس لئے یہ حکم صادر کیا گیا کہ کمین و شریف، ترک و تاجیک جس کے پاس بھی کوئی چوپایہ ہو اسے شای خدمت کے لئے پکڑ لیا جائے اور (ان پر) (چارہ و خوراک کے) انبار روانہ کئے جائیں۔

قلعہ میمون دز پر پڑاؤ

ماہ (شوال) کی ۱۸ تاریخ کو اس چوٹی پر جو شمال کی سمت کے قلعہ میمون دز کے بالمقابل ہے شای سواری آکر رکی۔ دوسرے دن نظارہ اور مقامات جنگ کے ملاحظہ کی غرض سے (بادشاہ نے قلعہ میمون دز کے) اطراف اور مدار کا چکر لگایا۔ چونکہ وہ ایک (مستحکم) قلعہ تھا کہ گویا ابو العلاء نے اسی کے بارے میں کہا ہے ۔

”اس کی بلند چوٹیوں تک پہاڑی بکرے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اور نہ پرندے ہی حتیٰ کہ گدھ اور عقاب بھی (وہاں تک نہیں پہنچ سکتے)۔ اور (اس تک پہنچ پانے کی) نہ تو کسی خواہش مند نے طبع کی اور نہ (وہاں تک پہنچ کر) کتوں نے بھونکا ماسوائے کلاب ستاروں کے“ (یعنی اس پہاڑ کی چوٹیاں اتنی بلند ہیں کہ وہاں تک پہاڑی بکرا گدھ اور عقاب تک نہیں پہنچ سکتے، وہاں تک پہنچنے کی خواہش بھی نہیں کی جاسکتی اور آدمی اور اس کے ساتھی کتے بھی اس بلند چوٹی تک رسائی نہیں پاسکتے، یہ اشعار ابو العلاء ثانی کسی شخص کے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا خالق ایک اموی شاعر کعب بن معدان اشقوی ہے۔ اس نے یہ اشعار حاکم باو غیس کے قلعہ کے متعلق کہے ہیں جسے یزید بن مہلب نے ۸۴ھ میں فتح کیا تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری) اس لئے بادشاہ نے شہزادوں اور امراء دارکان دولت سے قلعہ کے محاصرہ کو جاری رکھنے یا وہاں سے واپس اور اگلے سال تک انتظار کرنے کے بارے میں مشورے کئے۔ چونکہ موسم سرما تھا، سامان خورد و نوش کی فراہمی مشکل تھی اور چارہ میسر نہ تھا، اور جانور کمزور ہو رہے تھے، بیشتر امراء واپسی پر آمادہ تھے۔ مگر بادشاہ کے قربت داروں میں سے بو قاتیور، ارکان حکومت میں سے امیر سیف الدین کہ نہایت اہم (سمجھا جاتا) تھا اور امراء میں سے کید بو قاد طائر نے محاصرہ (جای رکھنے) پر اصرار کیا۔ چونکہ یہ بادشاہ کے اپنے دل کی بات بھی تھی، اس نے اس رائے کو قبول کیا اور تمام فوج کو محاصرہ میں مستعدی دکھانے اور جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا۔

خرشاہ کی اطاعت

رکن الدین نے جب یہ (صورت حال) دیکھی تو مطیع ہو گیا اس نے اطاعت قبول کر لی اور قلعہ کی بلندی سے نیچے اتر آیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مملکت کے صوبے مکمل طور پر چوپایوں کی رسد اور سامان خورد و نوش کی منتقلی میں مشغول ہو جاتے اور تباہ ہو جاتے۔

فتح نامہ الموت

چونکہ رکن الدین کے مزید حالات ”فتح نامہ الموت“ میں بیان کر دیئے گئے ہیں، اس لئے ان کا اعادہ یہاں غیر ضروری ہے۔ اس ضمن میں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ (الموت کی فتح کے مکتوب کا خلاصہ ضمیمہ اول میں شامل کر دیا گیا ہے)

فصل سوم

باطنیوں اور اسماعیلیوں کے مذہب

اور ان کے حالات کا بیان

آغاز

صدر اسلام میں خلفائے راشدین (رہمۃ اللہ علیہم) کے دور کے بعد ایک ایسی جماعت ظاہر ہوئی جن کے دلوں میں اسلام کی کوئی محبت نہ تھی اور مجوسی عصبیت ان کے دلوں میں راسخ و پختہ تھی۔ ان لوگوں نے شک پیدا کرنے اور گمراہ کرنے کی غرض سے لوگوں میں یہ بات عام کی کہ شریعت کے ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے جو اکثر افراد سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ یونانی فلسفیوں کی باتوں کو ان باطل (عقائد) کی نصرت و تائید میں پیش کرتے تھے۔ انہوں نے مجوسی مذاہب سے بھی چند نکتے (اپنے عقائد میں) شامل کر لئے تھے۔ اس مقصد سے اہل اسلام ان لوگوں پر لعن طعن نہ کریں بلکہ ان کی حمایت و موافقت کریں یہ لوگ مومنوں کے ایک گروہ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ انہوں نے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کی خصوصاً اس وقت جبکہ یزید اور اس کے پیروؤں نے ان پر کھلم کھلا ظلم کیا امراء دارباب حل و عقد میں سے کسی شخص نے بھی ان کا انتقام نہ لیا اور یزید کی خلافت پر راضی ہو گئے۔

فرقہ کیسانیہ سے اتحاد

جب (فرقہ) کیسانیہ نے باقی شیعوں سے الگ ہو کر محمد حنفیہ ۲ کے ساتھ توالہ کیا تو یہ لوگ ان سے مل گئے اور علوم باطن کی توضیح و تقریر میں ان کے ہم نوا ہو گئے۔ جب زید ۳ بن علی نے (ہشام اموی کے خلاف) خروج کیا تو محمد (الباقی) ۴ بن علی بن حسین کے شیعوں (حامیوں) نے زید کا ساتھ نہ دیا۔ لوگوں نے (ان کے بارے میں) کہا کہ (رفضوا زیدا) "انہوں نے زید کو چھوڑ دیا" اس زمانے سے وہ "رافضی" کہلانے لگے۔

باطنیہ

جب کیسانیوں کی تعداد و سروسامان میں کمی ہوئی تو اس قوم نے اپنے کو "روافض" کے

ساتھ وابستہ کر لیا ان میں حضرت جعفر طیار کی نسل سے عبد اللہ بن معاویہ ۵۰ (بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب) نامی ایک شخص تھا جس نے روافض کی دعوت قبول کر لی تھی اس مذہب میں تبحر حاصل کر لیا تھا اور اس کی تنظیم کے اصول و ضوابط وضع کئے تھے۔ اس کے ضوابط میں سے وہ جدول (تقویم) بھی ہے جسے اس نے عربی مہینے کی پہلی تاریخ معلوم کرنے کی غرض سے تیار کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ رویت ہلال کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے اس جدول (تقویم) کی ایجاد کی نسبت جو گمراہی کا سمندر تھی، ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی جانب کی۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ایک رات کے چاند کو امام دیکھ سکتا ہے، اور دوسرے لوگ اسے محسوس (بھی) نہیں کر سکتے۔ اس سبب سے کہ مہینوں کا آغاز بشریت ہلال سے ہوتا ہے۔ شیعوں نے ان کے اس دعویٰ کا انکار کیا اور ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ جدولوں کی جماعت نے ان (اس گروہ نے جو اس جدول کا معتقد و قائل تھا) اپنے کو اہل علم باطن کہا اور دوسرے شیعوں کو اہل ظاہر کا نام دیا۔

اسماعیلیہ

جب جعفر ۶۰ صادق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو ان کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑے اسماعیل تھے جو ماں کی جانب سے حضرت حسنؑ (بن علی ابن ابی طالب) کے نواسہ تھے۔ دوسرے موسیٰ جن کی ماں ایک ام ولد تھی، تیسرے محمد بیاج سے جو جرجان کے باہر داعی ۸۰ کی قبر کے قریب مدفون ہیں اور چوتھے عبد اللہ جو افطح (کے عرف سے) مشہور ہیں۔ شیعوں نے کہا کہ امام معصوم (حضرت جعفر صادق) ہیں انہوں نے اپنے بیٹے اسماعیل پر امامت کی (نص کی)۔ اس کے بعد اسماعیل نشہ آور مشروب پینے (کے الزام میں ماخوذ) ہوئے (حضرت جعفر صادق نے اس فعل سے سخت ناراضی و بے زاری کا اظہار فرمایا۔ ان سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”اسماعیل میرا بیٹا نہیں ہے“ ایک شیطان ہے جو اس کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ (حضرت جعفر صادق) نے فرمایا (بداء اللہ فی امر اسماعیل) اللہ کو اسماعیل کے معاملے میں ”بداء“ ہوا (اور ان کی ولی عہدی امامت کا پہلا حکم اللہ نے واپس لے لیا) اس لئے انہوں نے اپنے ایک اور بیٹے موسیٰ پر نص (امامت) کی۔ وہ لوگ جو کیانیوں (کے گروہ سے نکل کر) روافض کے ساتھ ہو گئے تھے انہوں نے اپنے کو اسماعیل کا حامی و پیرو بنالیا اور روافض سے علیحدہ ہو گئے۔ (ان کا استدلال یہ تھا کہ) اصل (دلیل) تو پہلی نص ہے اور خدا پر ”بداء“ جائز نہیں ہے۔ اور جس شخص کو باطن شریعت کا علم ہو گیا اگر ظاہر (شریعت) سے غفلت برتے تو اس کی وجہ سے اس پر (کچھ) عذاب نہ ہوگا۔ امام جو کچھ کہتا اور کرتا ہے وہ حق ہوتا ہے (سو شراب پینے سے اسماعیل کی

امامت میں) کسی قسم کا نقصان و خلل نہیں۔ ان (شیعوں) کو اسماعیلی کا نام دیا گیا۔ یہ لوگ دوسرے شیعوں سے اس نام کے سبب ممتاز و نمایاں ہو گئے۔ اسماعیل نے (حضرت) جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پہلے ۳۵ھ میں انتقال کیا۔ جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے والی کو جو وہاں عباسی خلفاء رضوان اللہ علیہم کی جانب سے حاکم تھا، مدینہ کے معززین و مشائخ کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ بلایا اور ان کو اسماعیل کی میت دکھائی جو شہر سے چار فرسنگ دور عریض کے گاؤں میں فوت ہوئے تھے اور لوگ ان کے جنازے کو کند ہوں پر اٹھا کر شہر (مدینہ) میں لائے تھے۔ (اسماعیل کی) وفات پر (حضرت جعفر صادق نے) ایک محضر تیار کروایا جس پر ان لوگوں نے دستخط کئے اور (اس کے بعد) انہیں بقیع میں دفن کر دیا۔ (مگر) وہ لوگ جو اسماعیل کے پیرو تھے انہوں نے کہا کہ اسماعیل مرے نہ تھے اور جو ان کی موت کا اعلان کیا گیا وہ لوگوں سے (ان کو) پوشیدہ رکھنے کی غرض سے کیا گیا تھا تاکہ وہ اسماعیل اور ان کے گروہ معتقدین کو نقصان نہ پہنچائیں۔ لیکن بقیہ شیعوں نے کہا (اسماعیل کی لاش کو دکھانے اس پر محضر تیار کرنے سے) امام جعفر صادق کی غرض یہ تھی کہ اسماعیل کی جانب منسوب جماعت کی باتوں کی غلطی ظاہر کی جائے۔ اگر حالات (کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ) یہ دونوں باتیں غلط تھیں کیونکہ دونوں ہی گروہوں نے (امام جعفر صادق کے) اس فعل کو اپنی اپنی غرض پر محمول کیا تھا حالانکہ اس سے (جعفر صادق کا) مقصد اپنے کو اس الزام سے بری کرنا تھا کہ وہ اس دعویٰ امامت کے حوالہ سے جو (شیعہ) ان کی جانب کرتے تھے اپنے بیٹوں پر نص کرتے ہیں اور اس وجہ سے خلفاء ان کے اور انکے متبعین کے مخالف تھے۔

www.KitaboSunnat.com

مزید فرقہ بندیان

قصہ مختصر جب (حضرت) جعفر (صادق) رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، جمہور شیعہ نے موسیٰ (کاظم) کی پیروی کی اور تھوڑے سے لوگ محمد ریاج کی امامت کے قائل ہو گئے۔ ۱۰۔ ایک کمزور گروہ نے عبد اللہ الطح کو اپنا امام مانا اور انہیں طحی کہتے ہیں۔ (عباسی) خلفاء نے ایک مدت بعد (اپنے گماشتے) مدینہ بھیج کر (امام) موسیٰ کو بغداد بلوا کر قید کر دیا اور انہوں نے اسی قید کی حالت میں وفات پائی۔ شیعوں کا خیال ہے کہ انہیں زہر دے دیا گیا تھا۔ ان کی (میت) کو (دجلہ کے) پل کے کنارے لاکر ایک بڑے مجمع کو دکھلایا گیا کہ ان کے جسم پر کسی قسم کا زخم نہیں ہے پھر انہیں مقابر قریش (قریش کے قبرستان) میں دفن کر دیا گیا۔ ان کے بیٹے علی ۳۰ھ میں موسیٰ الرضا مدینہ (ہی) میں رہے بعد میں مامون نے اسے خراسان بلوا لیا ان کا واقعہ نہایت مشہور ہے۔ انہوں نے طوس میں انتقال کیا (شیعہ) کہتے ہیں کہ انہیں زہر دے دیا گیا تھا۔ انہیں وہیں (طوس میں) دفن کیا گیا۔

اسماعیلیوں کی روپوشی

خلفائے (عباسی) ان (شیعہ ائمہ) کے اس لئے پیچھے لگے رہتے تھے کہ وہ امامت کے دعویٰ دار تھے اس لئے اسماعیل روپوش ہو گئے۔ یہ لوگ مدینہ سے عراق و خراسان اور ان میں سے کچھ مغرب (شمالی افریقہ) چلے گئے۔

اسماعیل کی حیات کے متعلق دعویٰ

اسماعیلیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اسماعیل (اپنے والد حضرت) جعفر کے بعد پانچ سال تک زندہ رہے انہیں بصرہ کے بازار میں دیکھا گیا کہ ایک اباہج نے ان سے سوال کیا اسماعیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا وہ صحیح ہو گیا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر ان کے ساتھ چلا گیا۔ انہوں نے ایک ائمہ کے لئے دعا کی اس کی آنکھیں روشن ہو گئی۔ ۱۳

محمد ابن اسماعیل اور ان کی اولاد کی روپوشی

جب اسماعیل نے وفات پائی تو ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل جو (حضرت) جعفر (صادق) کے حین حیات مسن و معمر تھے اور موسیٰ سے عمر میں بڑے تھے جبال کی جانب چلے گئے پھر ری آئے اور وہاں سے دماوند میں سملہ نامی گلوں میں ٹھہر گئے۔ ری میں محمد آباد نامی بستی انہیں کی جانب منسوب ہے۔ (محمد کے) بیٹے خراسان میں روپوش رہے اور قندہار میں جو (اس وقت) سندھ کی دلایت میں تھا۔ یہ لوگ جا کر متوطن ہو گئے۔ (اس دوران) اسماعیلی داعی مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دینے لگے۔ بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔

علی بن اسماعیل

دوسری جانب (اسماعیل کے دوسرے بیٹے) علی ابن اسماعیل نے ”جان بچی لاکھوں پائے“ کے مصداق (من نجار اسہ بر خواند) (امامت کے کھکھڑ سے اپنے کو الگ کر لیا) اور شام و بلاد مغرب کا رخ کیا۔ چونکہ وہ امامت کے طلب گار نہ تھے، کسی نے ان کا پیچھا بھی نہ کیا۔ (اس لئے) وہ شام میں ظاہر ہو گئے اور ان کی نسل پھیلی یہ لوگ اب بھی موجود ہیں۔

اسماعیل کی امامت پر استدلال

بعد میں اسماعیلی جماعت کے روماء پیدا ہوئے جنہوں نے (اسماعیل کی امامت کے) موضوع کو شرح ووسط اور نہایت تفصیل سے بیان کیا۔ اور کہا کہ دنیا کبھی امام کے بغیر نہ تو تھی اور نہ ہے اور جو شخص امام ہوتا ہے (ضروری ہے کہ) اس کا باپ بھی امام رہا ہو اور اسی طرح اس کے باپ کا باپ بھی امام رہا ہو اور یہ سلسلہ حضرت آدم تک یوں ہی جاری ہو گا۔ بعض (اسماعیل علماء) کہتے ہیں کہ (سلسلہ امامت) ازل تک جاری رہے گا کیونکہ یہ لوگ عالم (دنیا) کی قدامت کے قائل ہیں۔ اس طرح امام کا بیٹا امام ہوتا ہے اور اس کے بیٹے کا بیٹا بھی (امام ہوتا ہے) اور یہ سلسلہ ابد تک جاری رہے گا۔ امام کی وفات اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ اس کا وہ بیٹا جو اس کے بعد امام ہو گا پیدا نہ ہو جائے اور اس کی طلب سے علیحدہ نہ ہو جائے۔ (اسماعیلوں) کا کہنا ہے کہ آیت ”وَرِثَتْهُنَّ بَعْضُهُنَّ مِنْ بَعْضٍ“ اور آیت ”وَجعلنا کلّہٗ بقائتہنّی عقبہ“ کا یہی مفہوم و معنی ہے۔ جب (دوسرے) شیعوں نے ان (اسماعیلوں) کے اس قول کے خلاف یہ دلیل دی کہ (حضرت) حسن ابن علی تمام شیعوں کے ہاں بالاتفاق امام ہیں مگر ان کے بیٹے امام نہ تھے (تو اس کی تردید میں اسماعیلوں نے) کہا کہ (حضرت حسن ابن علی کی امامت مستور (ودیعت) تھی یعنی ثابت نہ تھی اور وہ عاریتہ امام تھے اور (حضرت) حسین (ابن علی) کی امامت مستقر تھی۔ آیت ”مستقر و مستور“ میں اسی جانب اشارہ ہے (یعنی اصلی امام حضرت علی کے بعد حضرت حسین تھے مگر ان کے بڑے بھائی حضرت حسن اپنی زندگی میں بطور امین عاریتہ امام تھے اور انہیں امامت کا منصب بالاستقلال حاصل نہ تھا بلکہ وہ حضرت حسین کے مستور و امین تھے۔) اسماعیلی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام ہمیشہ ظاہر نہیں رہتا، کچھ عرصہ ظاہر رہتا ہے اور کچھ عرصہ مستور (پوشیدہ) رہتا ہے یہ رات دن کی طرح ہے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں۔ جس دور میں امام ظاہر ہو تو اس کی دعوت کو پوشیدہ ہونا چاہئے مگر جس زمانے میں امام پوشیدہ (مستور) ہو تو اس کی دعوت ظاہر ہوتی ہے۔ لوگوں کے درمیان اس کے داعی معین و مقرر ہوتے ہیں تاکہ مخلوق کو اللہ پر کوئی حجت نہ رہے کہ امام مستور تھا اس کا داعی موجود نہ تھا سو مخلوق خدا امام کی شناخت و معرفت سے عاجز تھی اور اس سے اللہ کی جانب سے اس ناواقفیت پر کچھ مواخذہ نہیں کیا جاسکتا تھا، سو اس نے داعی مقرر کر دیئے جو لوگوں کو امام مستور کے علائم و نشانات بتا کر انہیں معرفت امام اور نتیجتاً ”اعتراف امامت کا مکلف کریں گے“ وغیرہ اصحاب تنزیل ہوتے ہیں (یعنی ان پر صحیفہ آسمانی نازل ہوتا ہے) اور امام اصحاب تاویل ہوتے ہیں (یعنی ان صحائف کے معانی و مفہیم کی تاویل کرتے ہیں) اور کسی وغیرہ کا زمانہ امام سے خالی نہیں تھا۔ (حضرت) ابراہیم کے بعد ایک شخص تھا جس کا ذکر توریت میں آیا ہے یہ شخص بادشاہ وقت تھا اسے سریانی و عبرانی زبانوں میں ملخیز واق کہا گیا ہے۔ اس کے معنی

عربی زبان میں ملک الصدق (سجائی کا بادشاہ) اور ملک السلام (امن و سلامتی کا بادشاہ) ہیں۔ اسماعیلیوں کا بیان ہے کہ جب (حضرت) ابراہیم علیہ السلام اس (بادشاہ) کے پاس گئے تو اس نے انہیں اپنے مویشیوں کا عشر (دسواں حصہ) دیا۔ خضر جنہوں نے (حضرت) موسیٰ کو علم لدنی سکھانا چاہا تھا، وہ بھی امام یا امام کے نامزد تھے۔

دور ستر

ملت اسلام سے پہلے دور ستر تھا، امام پوشیدہ ہوتے تھے (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کہ امام وہی تھے (امام) ظاہر ہوئے ان کے زمانے سے اسماعیل اور محمد بن اسماعیل جو ساتویں (امام) تھے، ائمہ ظاہر تھے۔ (دور) ستر کا آغاز اسماعیل سے ہوا اور محمد جو دور ظہور کے آخر میں تھے، بنامہ مستور ہو گئے۔ ان کے بعد ائمہ مستور ہی ہوتے ہیں تا آنکہ وہ ظاہر نہ ہو جائیں، مستور پوشیدہ رہیں گے۔

نادی النفس

اسماعیلیوں نے یہ بھی کہا کہ موسیٰ (کاظم) بن جعفر (صادق) اسماعیل (بن جعفر صادق) کے نادی النفس تھے اور علی (الرضا) بن موسیٰ (کاظم) محمد بن اسماعیل کے نادی النفس تھے (درست یہ ہے کہ اسماعیلیوں کے خیال میں موسیٰ کاظم بن جعفر صادق، محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کے نادی النفس تھے کیونکہ محمد بن اسماعیل اپنے چچا موسیٰ کاظم بن جعفر سے سن میں بڑے اور ان کے معاصر تھے جبکہ ان کے والد اسماعیل بن جعفر اپنے چھوٹے بھائی موسیٰ کاظم سے بہت بڑے تھے اور ان کے معاصر نہ تھے ۱۷۱) (حضرت) ابراہیم اور قربانی کا قصہ ”وندیہ بند عظیم“ ۱۸۷ اس طرح کی صورت حال کی جانب ایک اشارہ ہے حاصل کلام یہ کہ (اسماعیلیوں نے) اس طرح کی بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔

اسماعیل داعی

ان میں بہت سے داعی پیدا ہوئے انہیں میں سے ایک میمون قداح اور اس کا بیٹا عبد اللہ بن میمون تھے جنہیں فرقہ اسماعیلیہ کے بڑے علماء میں شمار کیا جاتا ہے۔ حسن بن عبدان ۲۰۰ (بھی اسماعیلی) تھا اور (حضرت) صادق کے زمانہ میں ابو الخطاب ۲۱۷ نامی شخص جس نے (حضرت) جعفر (الوہیت) (خدا کی) کا ویسے ہی دعویٰ کیا تھا جیسا کہ طولی یا اتحادی ۲۲ کرتے ہیں اور جس کے بارے میں (حضرت) جعفر صادق نے فرمایا تھا ”وہ اور

اس کے ساتھی ملعون ہیں“ (یہ بھی اسماعیلی) تھا۔ ان جیسے (اسماعیل علماء) جن میں سے ہر ایک کا ذکر کتب تاریخ (میں موجود ہے) اور جن کے مقالات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، کثرت سے گزرے ہیں۔

دعوت اسماعیلی کی اشاعت

رفتہ رفتہ (اسماعیلیوں کا) مذہب اور ان کی تحریریں عام ہو گئیں اور اکثر اسلامی شہروں میں کیا مغربی کیا مشرقی ایک گروہ (ان اسماعیلیوں کا) پیدا ہو گیا ان میں سے کچھ پوشیدہ رہے اور کچھ ظاہر ہوئے۔ یہ سب اس بات پر متفق تھے کہ دنیا امام سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ خدا کو اس کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے اور امام کی مودت کے بغیر خدا شناسی ممکن نہیں ہے۔ پیغمبروں نے ہر زمانے میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔ شریعت کا ایک باطن ہوتا ہے اور ایک ظاہر (باطن ہی) اصل ہوتا ہے جب لوگ شریعت کے باطن سے واقف و آگاہ ہو جائیں تو ظاہر (شریعت) سے غفلت اور سستی برتنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس سبب سے اسماعیلیوں کے مقالات کو اصحاب مذاہب کے مقالات (گفتار، عقائد) سے یعنی ملت (اسلامیہ) سے خارج سمجھا جاتا ہے ان میں سے اکثر نے محرمات کی اباحت (حرام کو حلال کرنے) کا اقدام کیا۔

قرامطہ کا ظہور

(انہیں اسماعیلیہ میں ایک سرکش گروہ) (عباسی) خلیفہ معتز ۲۳ کے زمانے میں پیدا ہوا اور وہ یوں کہ ۲۷۸ھ میں قرامطہ کا ظہور ہوا۔ ان کے (حالات) بڑی شرح و بسط سے تاریخ میں مذکور ہیں۔ ان میں پہلا شخص حمدان قرامطہ تھا جب اس کے پاس لوگوں کی ایک جماعت جمع ہو گئی اس نے سواد کوفہ میں خرّج (بخاوت) کیا۔ قرامطہ نے مسلمانوں کو قتل کرنا، ان کے مال و اسباب کو لوٹنا اور ان بے بال بچوں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ عراق و شام کے شہروں پر حملے کئے، بادیہ عرب میں گئے اور بڑا فتنہ کھڑا کر دیا۔ (عباسی) خلفاء ان کے تدارک سے قاصر رہے۔ یہ لوگ بحرین پر قابض ہو گئے اس کے بعد مکہ گئے وہاں حاجیوں کو قتل کیا اور چاہ زمزم مقتولین کی لاشوں سے پٹ گیا انہوں نے حجر اسود کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اسے پچیس سال تک اپنے پاس رکھا مسلمان سلاطین نے چاہا کہ حجر اسود کو ایک لاکھ دینار کے عوض (قرامطہ سے) خرید لیں، مگر قرامطہ نے اسے نہ بیچا۔ آخر پچیس سال بعد (قرامطہ نے حجر اسود کو) کوفہ لاکر جامع مسجد میں پھینک دیا۔ اور ایک تحریر لکھ کر اس

کے پاس رکھ دی کہ ”ہم اس پتھر کو ایک حکم کے مطابق (کعبہ سے) لے گئے تھے اور اسے ایک حکم ہی سے پھر واپس لائے ہیں۔“ مسلمان حجر (اسود) کو مکہ لے گئے اور اسے اس کی جگہ پر خانہ کعبہ میں نصب ۲۵ کر دیا۔

فصل چہارم

المغرب میں اسماعیلی حکومت کا قیام

بین و افریقہ میں اسماعیلی دعوت کا فروغ

قرامطہ کے فتنہ کے زمانے میں اسماعیلوں کا ایک داعی جو عبد اللہ بن میمون قداح کے فرزندوں میں سے تھا کوفہ اور عراق کے علاقے میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ اس نے کہا کہ میں امام کا داعی ہوں اور امام کے ظہور کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے۔ اس نے بلقاسم ابن حوشب ۲۶۱ھ میں ایک شخص کو داعی بنا کر یمن روانہ کیا اور اسے یہ حکم دیا کہ وہ اطراف و جوانب میں داعیوں کو بھیجے۔ اس بلقاسم نے (ابو القاسم رستم بن حسین بن فرج بن حوشب بن زاذان نجار کوئی لقب بہ المنصور یمن میں اچھے کام کئے اور ایک جماعت اس کی دعوت میں داخل ہو گئی۔ اس نے ابو عبد اللہ صوفی مختب سے ۲۷۱ھ میں ایک شخص کو جس کا تعلق شمالی افریقہ (المغرب) میں آباد کتاہ کے قبیلہ سے تھا اور بلقاسم کی دعوت میں شامل ہو گیا تھا، المغرب بھیجا تاکہ وہ وہاں اسماعیلی دعوت پھیلانے چنانچہ ایک گروہ نے اس کی بات مان لی اور اسماعیلی دعوت قبول کر لی۔ یہ (ابو عبد اللہ صوفی مختب) اس شخص سے جو عبد اللہ بن میمون کے فرزندوں میں سے تھا، خط و کتابت کرتا رہتا تھا۔ اور تحریریں بھیجتا رہتا تھا کیونکہ وہ بلقاسم بن حوشب کے مقابلہ میں امام سے زیادہ قریب تھا۔ وہ شخص (ابو عبد اللہ شعیبی کو) دعوت (اسماعیلیہ) کے بارے میں اکساتا رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب ابو عبد اللہ کے کام کو فروغ ہوا۔ (اس میں ترقی ہوئی) اور اس نے مغرب کے کچھ شر' حدود قیردان اور سجلماسہ پر قبضہ کر لیا۔ تو وہ آدمی جو عبد اللہ بن میمون کی نسل سے تھا اپنے بیٹے کے ساتھ (عراق سے المغرب کے لئے) روانہ ہو گیا۔ جب یہ (باپ بیٹے) سجلماسہ پہنچے تو ابو عبد اللہ کتانی ان کے استقبال کے لئے (شر سے) باہر ۳۸ نکلا، ان کی تعظیم بجالائی اور کہا کہ میں ان علاقوں پر تیرے نائب (بلقاسم بن حوشب) کی جانب سے حکومت کرتا تھا۔ اب کہ تو آگیا تجھے حکومت کرنے کا سب سے زیادہ حق ہے۔

المہدی کا ظہور

اس شخص نے (جو عبد اللہ بن میمون کی نسل سے تھا) یہ کہا میں اس سے پہلے یہ کتا تھا کہ میں امام کا داعی ہوں تو اس میں مصلحت یہ تھی کہ ہنوز امام کے ظہور کا وقت نہ آیا تھا۔

اب (امام کے) ظہور کا وقت آپہنچا ہے تو میں تاکتا ہوں کہ میں ہی امام ہوں اور اسماعیل بن جعفر کی نسل سے ہوں۔ اس نے اپنا نام عبد اللہ المہدی اور بیٹے کا نام القاسم بامر اللہ محمد رکھا اور منصب امامت و خلافت پر متمکن ہو گیا مغاربہ (شمالی افریقہ کے بربر) خصوصاً قبیلہ کتامہ کے لوگوں نے اس (کی امامت و خلافت) پر اتفاق کیا۔ اس نے قیروان کے علاقہ میں ۲۵۸ھ-۲۹۷ھ (درست ۳۰۸ھ-۳۰۷ھ) میں مہدیہ کا شہر آباد کیا۔

جب (عبد اللہ مہدی) کے کام کو فروغ ہوا تو اس نے شریعت کے ایوان کو پست گردانا چاہا (یعنی احکام شرعیہ کی تعمیل ترک کر دی) اور اس کے احکام (کی تعمیل) میں سستی ظاہر کرنے لگا۔ اس پر ابو عبد اللہ صوفی محتسب کو (المہدی پر) شک گزرا اور اس کام (یعنی اسماعیلیہ ۳۱۰ دعوت کی اشاعت) میں اس کے عزائم میں سستی پیدا ہو گئی۔ ابو عبد اللہ کے بھائی یوسف نے چاہا کہ سرکشی اختیار کرے اور ابو عبد اللہ مہدی کے خلاف بغاوت کر دے اس وجہ سے مہدی نے ابو عبد اللہ اور اس کے بھائی (یوسف) کو قتل کروا دیا۔ بلاد مغرب میں سب جگہ کے مقام پر مہدی کا ظہور اور اس کا (ان علاقوں پر) قبضہ ۲۹۶ھ-۳۲۲ھ میں ہوا۔ ۳۰۲ھ میں بنو اغلب جو خلفائے عباسی کی جانب سے مغرب (شمالی افریقہ) کے حکمران تھے (المہدی کے ہاتھوں) برباد و مغلوب ۳۳ ہو گئے اور مغرب کے تمام علاقوں افریقہ اور صقلیہ پر المہدی کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اسماعیلیوں نے آنحضرت علیہ ۳۳ الصلوٰۃ والسلام سے ایک حدیث روایت کی کہ علی راس السلاطین تطلع الشمس من مغربھا۔ ۳۳ (یعنی تین سو بھری کے آغاز میں سورج مغرب سے طلوع ہوگا) اور یہ کہا کہ اس حدیث (خبر) کی تاویل مہدی کا ظہور ہے۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ محمد بن اسماعیل اور مہدی کے درمیان تین امام مستور گزرے ہیں۔ ان کے نام ہیں محمد بن احمد بن..... اور ان کے القاب ہیں رضی، وئی و تقی۔ مہدی تقی ۳۵ کا بیٹا ہے۔ مغرب کے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ مہدی عبد اللہ بن سالم بصری کی اولاد میں ہے جو اس جماعت (اسماعیلیہ) کا ایک داعی تھا۔ مگر اہل بغداد و عراق یہ کہتے ہیں کہ (مہدی) عبد اللہ بن میمون قداح کی اولاد سے ہے۔

مہدی کے نسب کی تکذیب

مختصر یہ کہ مہدی کے اسماعیل بن جعفر کی جانب انتساب کو لوگ جھوٹ سمجھتے اس کی تکذیب کرتے اور اسے درست نہ جانتے تھے۔ بغداد میں خلیفہ القادر باللہ ۳۰۷ (عباسی) کے دور میں ایک محضر تیار کیا گیا جس پر معتبروں، سیدوں، قاضیوں اور عالموں نے اپنے اپنے دستخط ثبت کئے کہ مہدی کی اولاد کا نسب مقدوح (شکوہ) جعلی فرضی ہے اور یہ لوگ (حضرت) جعفر صادق (رضوان اللہ علیہ) کی جانب انتساب میں کاذب (جھوٹے) ہیں۔ اس

محضر کا متن پانچویں (اسماعیلی) حکمران حاکم کے ذکر میں درج کیا جائے گا۔ مہدی چھبیس سال تک (المغرب وغیرہ پر) قابض رہا۔ ۳۲۲ھ میں اس نے وفات پائی۔

قائم کا عہد

(المہدی) کے بعد اس کا بیٹا قائم اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں مغرب کے ایک آدمی ابویزید۔ ۳۸ نے اس کے خلاف خروج کیا یہ شخص مسلمان، دین دار، سنی مذہب اور پارسا (مثنیٰ، نیکو کار) تھا۔ اس نے لوگوں کے سامنے مہدی اور قائم کی بدعتیں گنوائیں چنانچہ ایک بڑی جماعت اس کی قیام ہو گئی۔ اس نے قائم سے جنگ کی اور اس کی فوج کو شکست دے کر اسے مہدیہ میں گھیر لیا۔ قائم کے متبعین ابویزید کو دجال کہتے تھے کیونکہ ان کے ملاحم میں (واقعات آئندہ کی پیش گوئی سے متعلق روایات اور جنگ و جدل کی روایات میں یہ روایت ہے کہ دجال مہدی یا قائم پر خروج کرے گا اور اس کے خلاف بغاوت کرے گا قائم نے انہیں لڑائیوں کے دوران میں شوال ۳۳۲ھ میں وفات پائی مگر (اسماعیلیوں نے) اس کی موت کو پوشیدہ رکھا۔

المنصور کا دور

قائم کا بیٹا المنصور اسماعیل اس کا جانشین ہوا اس نے ابویزید سے مقابلہ کی تدبیر کی۔ وہ صاحب رائے اور بہادر آدمی تھا۔ اس نے ابویزید کو شکست دے کر فرار پر مجبور کر دیا وہ ایک عرصہ تک اس کا تعاقب کرتا اور اس سے جنگیں کرتا رہا۔ آخر کار اسے گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور اس کی لاش کو مغرب کے شہروں میں گشت کرایا۔ (ابویزید کے خاتمہ کے بعد) المنصور نے باپ کی موت کا اعلان کیا اور اس کا (باقاعدہ) جانشین ہوا ۳۳۱ھ میں المنصور بھی فوت ہو گیا۔

المعز کا دور

اس کا بیٹا المعز ابوتیم اس کی جگہ (تحت خلافت و امامت) پر متمکن ہوا۔ وہ صاحب رائے، مدبر شجاع اور باقبال تھا۔ وہ ملک کی سیاست کو مناسب سطح اور حد پر رکھتا تھا۔ (اس لئے) اس کا ملک اس کے اجداد کے ملک سے زیادہ اور وسیع ہو گیا۔ وہ ملک مصر کی تسخیر کی فکر میں لگا ہوا تھا۔

مصر پر قبضہ

اس زمانے میں مصر پر کافور اخشیدی ۳۹۰ھ کا قبضہ تھا۔ معز نے اپنے غلام ابوالحسن جوہر ۴۰۰ھ کو ۵۸ھ میں (فوج دے کر) اپنی دعوت کی اشاعت کی غرض سے مصر بھیجا۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اس کے بعد اس نے کافور کو اپنا حامی بنانے اور اس اٹھلی رعوت کی طرف اسے بلانے کی کوشش کی چنانچہ کافور نے اسے قبول کیا اور عباسی خلفاء کے خلاف مصر میں معز کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔

اسی سال ۳۵۸ھ میں کافور وفات پا گیا۔ اور جوہر مصر کی حکومت پر معز کی جانب سے مستقل حاکم ہو گیا۔ اس نے اسی سال فسطاط کے قسطل قاہرہ کے شہر کی بنیاد رکھی ۳۳۳ھ میں اس کی تکمیل ہوئی اور اس کا نام قاہرہ معزینہ ۳۴۰ھ رکھا معز رمضان ۳۳۳ھ میں بے اندازہ فوج اور بے انتہاء شان و شوکت کے ساتھ مصر پہنچا۔ اور قاہرہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ (بعد ازاں) مصر و حجاز بنو عباس کے قبضہ سے نکل کر معز کے قبضہ میں آ گئے۔ اس نے ان ممالک میں عدل و انصاف قائم کیا چنانچہ اس کے عدل و انصاف کی عجیب و غریب داستانیں (اب تک) لوگ بیان کرتے ہیں۔ اس نے ربیع الاخر ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔

العزیز کا عہد

اس کے بعد اس کا بیٹا العزیز ابو منصور نزار اس کا قائم مقام ہوا اور ممالک مغرب، مصر و حجاز کو اپنے تصرف میں لایا۔ الہتکین (الفتکین) معز کی ساتھ جو خلیفہ عباسی الطائع اللہ ۴۲ کی جانب سے شام کا حاکم تھا اور حسن بن احمد قرطبی کے ساتھ جو الہتکین کی مدد کو آیا تھا، العزیز کی جنگوں اور اس کی کامیابی کے واقعات تاریخ مغاربہ میں مرقوم ہیں۔ اس نے رمضان ۳۸۶ھ میں انتقال کیا۔ عزیز ایک نیک سیرت اور حد درجہ برو بار (حکیم) آدمی تھا۔ (اس کی بردباری کی ایک مثال یہ ہے) حسن بن بشر و مشق نامی ایک شاعر نے اس کی اس کے وزیر امین کلس ۴۴ کی اور اس کے کاتب (سکرٹری) ابونصور قیروانی کی ججو میں یہ قطعہ کہا۔

قل	لالی	نصر	کاتب	القصر
والمثانی	لنقض	نا	الامر	
انقضی	عری	الملك	للمویر	تفرد
سنہ	بحسن	الثناء	والذکر	
واعط	وامنع	ولا	تعف	احدا

صاحب القصر لى القصر
ولس ہدی ملا براد بہ
وہو اذا ملای لعادی

(دربار شاهی کے سیکریٹری ابو نصر سے جو اس امر (حکومت فاطمی) کی برادری کی فکر میں لگا ہوا ہے، کہہ دو! وزیر کے لئے معاملات ملک کو پر آگندہ کرو، اس کی جانب سے حسن ستائش و حسن ذکر سے شاد کام ہو جاؤ گے۔ جسے چاہو عطا کرو، جس سے چاہو دست عطا کرو روک لو اور کسی سے نہ ڈرو کہ صاحب خانہ (خلیفہ) اپنے محل میں نہیں ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس سے کیا خواہش کی جاتی ہے، جب اسے اس بات کا علم ہو گا تو کچھ نہ جان سکے گا)۔
ابن کلس نے جب عزیز سے اس شاعر کی شکایت کی اس کا قطعہ اسے سنایا تو اس نے جواب دیا کہ ”ہجو میں ہم سب شریک ہیں آؤ اسے معاف کرنے میں بھی میرے شریک ہو جاؤ۔“ شاعر نے دوبارہ ان کی ہجو میں اشعار لکھے اور فوج کے قائد (سردار) فضل کا اس میں اضافہ کر دیا۔

تنصر فالتنصر دن حق
علیہ زماننا بنا بدل
و قل خلعتہ عزوا و جلوا
وعطل مساوہم لہو عطل
لیعقوب الوزیراب وینا ال
عزیز ابن وروح القلس لفضل

(نصرانی ہو جاؤ کیونکہ نصرانیت ہی سچا دین ہے۔ اس بات کی دلیل خود ہمارا یہ زمانہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کو عزت و بزرگی تین (تثلیث) سے ملی اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اسے بے کار سمجھ کر چھوڑ دو۔ سو یعقوب وزیر باپ ہے، یہ (خلیفہ) عزیز بیٹا ہے اور (سپہ سالار) فضل (روح القدس) ہے۔)

وزیر نے دوسری بار عزیز کے سامنے یہ اشعار پڑھے (اور شاعر کی شکایت کی) ہر چند کہ اسے غصہ آیا مگر اس نے یہی کہا ”اے معاف کرو“۔ چنانچہ اسے دوسری بار بھی معاف کر دیا گیا۔ تیسری دفعہ وزیر پھر عزیز کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ”حنو کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے کیونکہ اس سے حکومت کی بے رعہی ہوتی ہے اور اس شاعر نے اب کی آپ کو کہ عزیز ہیں، مجھے کہ وزیر ہوں اور آپ کے ندیم (صاحب) ابن زبارج کو اپنے اشعار میں برا کہا ہے (اس قطعہ میں گالی دی ہے)۔“

زہا رجبی ندیم
وکلسی وزیر
نعم علی قدر الکلا
ب يصلح السلجور

”زبارجی ندیم و مصاحب ہے اور کلسی وزیر ہے۔ ٹھیک ہی تو ہے کہتے کی مناسبت ہی سے اس کے گلے کا چوبلی پنہ ہوتا ہے۔ (یعنی عزیز کہتا ہے اور ندیم و وزیر اس کے گلے کا لکڑی کا پنہ ہیں۔)“

یہ سن کر عزیز کو غصہ آگیا اور وزیر کو اس بات کی اجازت دے دی کہ شاعر (حسن بن بشر) مشقی کا مواخذہ کرے اور اے گرفتار کرنے کی اجازت دے دی۔ مگر پھر اس حکم پر پشیمان ہو اور اسے رہا کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ وزیر کو اس حکم کے پہنچنے سے پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی اس لئے اس نے بعجلت اس شاعر کو قتل کرا دیا۔ عزیز کو اس واقعہ پر بڑا افسوس اور رنج ہوا۔

عزیز نے شام کی گورنری پر فشا (بن ابراہیم یهودی) کو اور مصر کی گورنری پر عیسیٰ بن نستورس ۳۵۵ء نامی ایک عیسائی کو مقرر کیا تھا۔ یہ دونوں اپنے اعتقاد کی بناء پر مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے۔ ایک عورت نے العزیز کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”اے مسلمانوں کے امیر اس ذات کی قسم جس نے یہودیوں کو فشا بن ابراہیم سے ”عیسائیوں کو عیسیٰ بن نستورس سے عزت بخشی اور مسلمانوں کو تجھ سے ذلت دی، تو میرے معاملہ پر غور کر“ عزیز اس رقعہ سے متاثر ہوا اور ان دونوں کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا۔ عیسائی (عیسیٰ بن نستورس) سے تین لاکھ مغربی دنیا ر بطور جرمانہ وصول کئے اور مظالم کا تذکرہ کیا اور کچھ عرصہ کے لئے مسلمانوں کے خراج کو یہود و نصاریٰ پر عائد کر دیا۔

حاکم کا دور

(عزیز کے) بعد اس کا بیٹا حاکم ابو علی منصور گیارہ سال کی عمر میں اس کا جانشین ہوا۔ اس کے باپ میں جس قدر ظلم تھا اس میں اسی قدر طیش و جنون تھا۔ اس نے اہل مصر پر بہت ظلم و ستم کیا۔ اس کا معمول تھا کہ جب دربار کرتا تو لوگوں کی درخواستیں اس کے سامنے پیش ہوتیں وہ ان کی سماعت کرتا اور ان میں جو باتیں (درج) ہوتیں ان سے انکار نہ کرتا تھا۔ جب یہ درخواستیں اس کو دی جاتیں تو ان میں سے زیادہ تر ایسی ہوتیں جن میں اسے اور اس کے باپ دادا کو گالیاں لکھی ہوتیں تھیں اور اس کے نسب کے فساد و خرابی کا بیان ہوتا تھا۔

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے ایک عورت کا کانڈی پتلا بنا اسے چادر اوڑھا اور زنانہ لباس میں ایک سر بند خط ہاتھ میں تھما کر حاکم کی گزرگاہ میں کھڑا کر دیا۔ جب (حاکم وہاں سے گزرا اور) وہ درخواست اس کے ہاتھ میں پہنچی تو اس میں اس کے اور اس کے اسلاف کے بارے میں گالیاں، اور رسوائیاں بڑی تفصیل سے درج تھیں۔ (خط پڑھ کر) اسے بہت غصہ آیا اس عورت کو سامنے لائے جانے کا حکم دیا۔ جب لوگ اس کے پاس گئے تو وہ صرف ایک پتلا تھا۔ اس نے غصہ میں اپنے غلاموں اور فوجیوں کو مصر (شر قديم) کو جلا دینے کا اور وہاں کے باشندوں کو جان سے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ مصری اپنی مدافعت اور اپنے ناموس کی رسوائی کے دفاع میں ڈٹ گئے اور مصر کے جن مقامات پر لوگ مدافعت سے عاجز رہے۔ وہاں حاکم کے آدمیوں نے آتش زنی، غارت گری اور کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔ حاکم روزانہ ان بربادیوں کے معائنہ کے لئے نکلتا تھا اور ایسا ظاہر کرتا تھا کہ سارے مظالم اس کی رضا و اجازت کے بغیر ہی لوگوں پر توڑے جا رہے ہیں۔ اس صورت حال کے تیسرے دن مصر کے مشائخ و معززین نے جامع مسجد میں پناہ لی اور لکڑیوں پر قرآن بلند کئے اور حاکم سے فریاد کی کہ اگر یہ مظالم تیرے حکم و اجازت کے بغیر ہو رہے ہیں تو ہمیں کہ تیری رعایا اور غلام ہیں، مفسدوں کی مدافعت کی اجازت دے۔ حاکم نے کہا کہ اس فساد کا حکم میں نے نہیں دیا ہے تم بھی ان کی مزاحمت کرو اور (دوسری جانب) اس نے فوجیوں سے کہا کہ تم اپنے کام میں لگے رہو۔ جب (شریوں اور سرکاری سپاہیوں میں) لڑائی ہوئی تو شریوں کی بھیڑنے سپاہیوں کو مار کر بھاگ دیا اور قاہرہ کے دروازے تک جو حاکم کی قیام گاہ تھا ان کا پیچھا کیا۔ حاکم اس سے ڈر گیا اور سپاہیوں کو (ظلم و تعدی سے) روک دیا۔ مختصر یہ کہ اس واقعہ میں مصر (شر قديم) فسطاط) کا ایک چوتھائی حصہ جل کر راکھ ہو گیا، ایک حصہ لوٹ کی بھیشت چڑھ گیا اہل مصر کے ناموس کے ساتھ حاکم کے غلاموں نے بڑے فضیحتے کئے یہاں تک کہ شر کے رد دار اور عزت دار لوگوں نے شرم سے خود کشی۔ ۳۶۱ کر لی۔

حاکم کی عادت تھی کہ وہ راتوں کو شر کے بازاروں میں گھومتا رہتا اور رعایا کے حالات کے بارے میں پوچھ سچھ کرتا تھا۔ اس نے بوڑھی عورتوں کو گھریلو خواتین کے حالات کی جستجو تلاش کے لئے مقرر کیا تھا۔ یہ (بوڑھیاں) لوگوں کے گھروں میں آتی جاتیں اور اہل ستر (پردہ داروں، رد داروں) اور عورتوں کے بارے میں جھوٹ بچ باتیں حاکم تک پہنچاتی رہتی تھیں۔ حاکم نے اس حیلہ سے بہت سی عورتوں کو قتل کروا دیا اور یہ منادی کرا دی کہ عورتیں اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں، گھروں کی چھتوں اور کونوں پر نہ چڑھیں اور موچی عورتوں کے جوتے نہ بنائیں۔ اس نے شراب پینے کی بھی ممانعت کر دی تھی مگر (جب اس نے دیکھا کہ) لوگ (شراب خوری سے) باز نہیں آتے تو حکم دے دیا کہ انکو کی بیلیوں کو جڑ سے اکھاڑ

پھینکیں۔ اس کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ اپنے ہاتھ سے رقعے لکھتا، ان میں سے بعض میں یہ لکھتا کہ اس رقعہ کے حامل کو ہزار دینار یا فلاں شریا اس قدر گراں بہا خلعت دے دیں اور بعض رقعوں میں یہ لکھتا تھا کہ جس کے پاس یہ رقعہ ہو اسے قتل کر دیا جائے یا اس سے اس قدر مال بطور جرمانہ وصول کیا جائے یا یہ کہ اس کا فلاں عضو کاٹ کر اسے عیب وارد عضو بریدہ کر دیا جائے۔ پھر وہ ان رقعوں کو موم، عنبر اور طین مختوم (مہر کی مٹی) سے سر بند کرتا اور دربار کے دن انہیں لٹاتا تھا ہر شخص اپنے بخت و نصیب کے مطابق حرص سے ان رقعوں میں سے ایک اٹھا لیتا اور متعلقہ کارپردازوں کے پاس لے کر جاتا جو کچھ اس رقعہ کا مضمون ہوتا اسی وقت اسے نافذ کر دیا جاتا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ گھوڑوں اور خچروں پر سوار ہو کر نہ نکلیں۔ اور لوہے کی رکاب نہ استعمال کریں ان میں سے ہر ایک کی گردن میں چند گھنٹیاں بندھی رہیں تاکہ ان میں اور مسلمانوں میں امتیاز کیا جاسکے اور فرق باقی رہے۔ تمام اہل مصر کیا مسلمان کیا ذمی اس کے برے افعال اور ناپسندیدہ احکام سے رنجیدہ و ملول تھے۔ خود اس کے اہل حرم و اہل خانہ و خواص اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ اس نے اپنی بہن بنت الملک پر ابن دواس بنہ ۴ نامی ایک امیر کے ساتھ جو اس کا مقدم جوش (سپہ سالار) تھا، (تاجاز جنسی تعلقات کی) تہمت لگائی اس کی بہن نے یہ بات ابن دواس کے پاس کھلا بھیجی۔ چنانچہ یہ دونوں حاکم کو قتل کر دینے اور اس کے بجائے اس کے بیٹے علی کو تخت نشین کرنے پر متفق ہو گئے اور آپس میں اس پر عہد و پیمان کر کے اسے جان سے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے ابن دواس کے دو غلاموں کو ایک ہزار دینار دیا تاکہ وہ قاہرہ کے نزدیک جبل مقطم پر گھات میں رہیں اور جب حاکم اپنے ہم رکاب لڑکے کے ساتھ حسب قرار وہاں پہنچے تو ان دونوں (حاکم اور اس کے ہرکاب لڑکے) کو قتل کر دیں۔ حاکم کو علم نجوم میں دخل تھا اور اس نے یہ حکم لگا دیا تھا کہ یہ رات اس کے لئے قطعی ہوگی (آن شب اور اقطعی خواہد بود) کہ اگر وہ اس سے صحیح سلامت گزر گیا تو اس کی عمر اسی سال سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس نے یہ بات اپنی ماں سے بھی کہی تھی۔ ماں نے اس کی بڑی منت سماجت کی کہ اگر تو آج رات گھر سے باہر نہ جائے تو تیرے لئے بہتر ہوگا۔ اس نے اپنی ماں کی بات مان لی۔ جب صبح کاذب کا وقت ہوا تو اس پر بے قراری کا غلبہ ہوا، سکون اور آرام کی طاقت نہ رہی اسے (کسی صورت) قرار نہیں آتا تھا۔ جتنا بھی اس کی ماں (اسے منع کرتی) روتی اور اس کا دامن پکڑ کر (اسے روکتی) اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس نے کہا کہ اگر میں اس گھڑی باہر نہ گیا تو میری روح میرے جسم سے پرواز کر جائے گی۔ چنانچہ وہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق رکاب کے لڑکے (ہرکاب رہنے والے خادم) کے ساتھ جبل مقطم کی جانب چل پڑا۔ جو غلام چپے ہوئے تھے اپنی کمین گاہ سے نکل کر انہوں نے حاکم اور اس

کے ہر کاب خادم کو مار ڈالا اور اس کی لاش کو چھپا کر اس کی بہن کے پاس لائے جس نے اسے اپنے محل میں دفن کرا دیا۔ اس راز سے ان لوگوں کے سوا کوئی اور واقف نہ ہوا۔ (بعد ازاں) ان لوگوں نے وزیر کو تاکید اور حلف (قسم) کے بعد اس راز سے آگاہ کیا۔ جب وزیر کو (حاکم کی ہلاکت کا) علم ہو گیا تو وہ (ابن دواس اور ست الملک) کے ساتھ تدبیر کار اور لوگوں کو مطمئن کرنے میں متفق ہو گیا اور حاکم کے غائب ہونے کے بارے میں یہ بہانہ کیا کہ وہ سات دن کے لئے غائب ہوا ہے (اس کے بعد واپس آجائے گا) یہ لوگ ہر روز کسی کو لاتے جو یہ کہتا کہ اس نے حاکم کو فلاں مقام پر دیکھا ہے (اس طور سے انہوں نے اس کی ہلاکت کو لوگوں سے مخفی رکھا۔)

ظاہر کی حکومت

آخر کار انہوں نے اعیان و اربان حکومت کو (حاکم کی موت کی) اطلاع دی ان لوگوں نے عہد ویمان اور عطیات و انعام دینے کے بعد اس کے بیٹے ابو الحسن علی کی بیعت کی اور اسے الظاہر باللہ کا لقب دیا اور اس کی تخت نشینی کے بعد حاکم کے انجام و ہلاکت کا اعلان و اظہار کیا گیا۔ (وزیر نے) ابن دواس کو خلعت فاخرہ عطاء کی اور اسے ملک کے معاملات میں باختیار بنایا اس کے بعد نسیم نامی خادم کو بلایا جو قصر شامی کا قہمان اور شامی غلاموں کا افسر اعلیٰ (مسٹر) تھا خلیفہ کی حفاظت کی غرض سے شمشیر بردار غلام ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے۔ (وزیر نے) اس (نسیم خادم) کے ساتھ ابن دواس کو قتل کر دینے کی سازش کی اور فریب سے ان سو غلاموں کو ابن دواس کی سواری کے ساتھ لگا دیا۔ ایک روز جب ابن دواس قصر شامی میں آیا تو نسیم خادم نے قہر کے دروازے بند کر دیئے وہ خود تو ان کی حفاظت کے لئے وہاں ٹھہر گیا مگر غلاموں سے کہا کہ ہمارے آقا ظاہر فرماتے ہیں کہ ابن دواس میرے باپ حاکم کا قاتل ہے، لہذا اسے قتل کر دو۔ ان غلاموں نے ابن دواس کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا اور اسے جان سے مار ڈالا۔ اسی دوران ست الملک نے ان تمام لوگوں کو جو اس کے ساتھ حاکم کے قتل میں شریک یا اس (راز) سے واقف تھے درمیان سے اٹھالیا (یعنی ان سب کو قتل را دیا) اور خود حکومت کے معاملات کے انصرام اور مملکت کے مصالح کے انتظام میں تنہا باختیار ہو گئی اس کی بیعت ارباب حل و عقد و اعیان دولت کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ حاکم کا قتل اور خلق خدا کی اس کے ظلم و ستم اور افعال لہم و اخلاق نعمہ سے نجات شال ۳۳۷ھ میں ہوئی وہ ملک الموت (فرشتہ موت) سے مالک (داروحدہ و نرنخ) کے پاس منتقل ہو گیا۔ ظاہر نے پندرہ سال تک خلافت کی اور اس نے (۳۶۷ھ شعبان) ۳۶۷ھ کو انتقال کیا۔

مہدی کے نسب پر محضر

مہدی مقدوح کے محضر کا تذکرہ ۳۰۹ھ میں (درست ۳۰۹ھ) معتدبہ ۳۸۸ھ الدولہ ابو منہج قرواش بن مقلد عقیلی سے جو عباسی خلفاء کی جانب سے خلیفہ القادر باللہ کے عہد میں موصل کا حاکم تھا، (فاطمی خلیفہ) الحاکم نے خط و کتابت کا آغاز کیا وہ اس کے پاس مصر سے برابر تھے اور عطیے بھیجتا اور اسے اپنی بیعت کی دعوت دیتا تھا۔ (چنانچہ) معتدبہ الدولہ نے اس کی دعوت قبول کر لی اور موصل کے باشندوں کو الحاکم کی اطاعت و القادر کی مخالفت پر آمادہ کرنا شروع کیا وہ الحاکم کے نام کا خطبہ پڑھنے لگا۔ (بعد ازاں معتدبہ الدولہ) وہاں سے کوفہ آیا اور وہاں بھی اس نے الحاکم کے نام کا خطبہ جاری کیا۔

اس زمانے میں بھاء الدولہ ۳۹۹ھ ابن عضد الدولہ فارس گیا ہوا تھا جب اسے اس بات کی اطلاع ہوئی تو اس نے معتدبہ الدولہ کے پاس آدی بھیجے اور اس پر سختی کی۔ معتدبہ الدولہ اپنے کئے پر پشیمان ہوا الحاکم کی اطاعت کا جو اپنی گردن سے اتار پھینکا اور اپنے علاقے میں القادر باللہ کے نام کا خطبہ پھر جاری کر دیا۔ (اس پر) وہ دار الخلافہ (بغداد) سے گران بہا خلعت کا سزا دار ٹھرا۔ اس واقعہ کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں درج ہے۔ یہاں اختصار کی روش اختیار کی گئی ہے اس بیان کا مقصد اس محضر کا ذکر ہے جو (نبی فاطمہ مصر) کے نسب کے بطلان پر تحریر کرایا گیا تھا۔ اس کا (ترجمہ) درج ذیل ہے :

محضر کا ترجمہ

(اس ترجمہ میں جو نبی کے ایک ایک لفظ کو باقی رکھا گیا ہے، چنانچہ بعض لعنت و بدوعاء کے الفاظ بھی برقرار رکھے گئے ہیں جن کی بصورت دیگر کوئی ضرورت نہ تھی)

”اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ یہ وہ (محضر) ہے جس کی شاہدوں (گو اہوں) نے شہادت دی ہے کہ معد بن اسماعیل جس نے مصر پر قبضہ کیا وہ معد بن اسماعیل بن عبد الرحمان بن سعید ہے۔ اور یہ لوگ اس ویصان بن سعید کی جانب منسوب ہیں، جس کی طرف (فرقہ) ویصانیہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ سعید مذکور المغرب (شمالی افریقہ) چلا گیا اور (اس نے وہاں) اپنا نام عبد اللہ اور لقب المہدی رکھ لیا۔ یہ شخص جو مصر میں (اس زمانے میں) ظاہر ہوا ہے اور جس کا نام منصور اور لقب الحاکم ہے، اللہ اسے ہلاک و نیست و نابود کر دے، یہ بیٹا ہے نزار کا اور وہ معد کا فرزند ہے جو اسماعیل کا بیٹا ہے (اور اسماعیل) بیٹا ہے عبد الرحمان کا جو سعید کا فرزند ہے۔ اس الحاکم کے ناپاک و نجس اسلاف، ان پر اللہ کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو۔ جھوٹے نسب یعنی مجہول النسب اور خوارج

ہیں جن کا کوئی نسب علی ابن ابی طالب کی اولاد میں نہیں ہے، اور یہ لوگ علی ابن طالب سے کسی سبب سے بھی وابستہ نہیں ہیں۔ اور یہ جو انہوں نے حضرت علی ابن طالب کی جانب اپنے نسب کا دعویٰ کیا ہے، وہ باطل اور جھوٹ ہے۔ آل ابی طالب کے گھرانے والوں میں سے کسی نے بھی ان مصری حکمرانوں کے متعلق یہ کہنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کی ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں اور آل علی کے نسب سے خارج ہیں۔ یہ لوگ جھوٹے نسب کے دعویٰ دار ہیں۔ ان لوگوں کے جھوٹے دعویٰ کا یہ انکار حرمین (مکہ و مدینہ) میں مشہور رہا ہے اور ان کے اقتدار حاصل کرنے کے آغاز میں المغرب (شمالی افریقہ) میں بھی بہت زیادہ اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ یہ شخص جو مصر میں ظاہر ہوا ہے یعنی الحاکم وہ خود اور اس کے آباؤ اجداد کافر، فاسق، زندق، معطلہ (شریعت کو معطل و موقوف سمجھنے والے) اور اسلام کے انکاری ہیں۔ یہ لوگ فتنہ و تجوسہ کے مذہب کے معتقد اور ماننے والے ہیں۔ انہوں نے حدود شرعیہ کو معطل کر دیا، شرم گاہوں کو مباح کر لیا، شراب حلال کر دی، بے گناہوں کا خون بہایا، انبیاء کو گالیاں دیں اور ربوبیت (خدائی) کا دعویٰ کیا ہے۔ (یہ محضر ربیع الاخر ۴۰۲ھ میں تحریر کیا گیا۔ اس پر علوی شرفاء میں سے المرتضیٰ موسوی۔ ۵۰ھ الرضی موسوی اور ان کی ایک جماعت نے شہادت دی۔ اور معتبر فقہاء میں سے شیخ ابو حامد الاسفرائینی۔ ۵۲ھ ابو الحسن القدوری۔ ۵۳ھ قاضی القضاۃ ابو محمد بن الاکفانی۔ ۵۴ھ ابو عبد اللہ البیضاوی۔ ۵۵ھ نے شہادت (گواہی) ثبت کی۔“

اس محضر کو بغداد اور دوسرے اسلامی شہروں کی مساجد کے منبروں پر (لوگوں کو پڑھ کر) سنایا گیا۔

ظاہر کے بیٹے المستنصر کی تخت نشینی کا بیان

جب ظاہر کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے ابو تمیم معد کی عمر (صرف) سات سال تھی۔ اسے تخت خلافت پر بٹھایا گیا اور اس کا لقب مستنصر رکھا گیا۔ یہ (بھی) دیوانگی کی کثرت اور عقل کی قلت کے لئے مشہور تھا۔ اپنے افعال میں نیکون اور اپنے اعمال میں تضاد کے باعث و نیز غیر ضروری مصارف میں فضول خرچی اور جائز اخراجات کے موقع پر بخل کے سبب مستنصر دیوانہ کے نام سے اس کی شہرت تھی۔

اس کی عجیب و غریب داستانیں، جو خلفاء و سلاطین کے طور طریقوں سے نہایت مختلف ہیں، کتابوں میں درج اور تاریخ میں مذکور ہیں۔ یہاں ایک دو باتیں جن سے مستنصر کے افعال کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے درج کی جاتی ہیں۔ اس کی فضول خرچی (اسراف) کی ایک مثال یہ ہے۔ اپنے خزانے سے نہایت بیش بہا موتی منگوا تا اور اسے پس

کر سرمہ کردتا اور پھر (اس سرمہ کو) پانی میں بہا دیتا تھا۔ اس کی کجی اس حد تک بڑھ ہوئی تھی کہ اہل لشکر کو مقررہ تنخواہوں اور معینہ رقوم کی ادائیگی سے انکار کر کے اس حد تک پریشان کردتا تھا کہ وہ شور و غل چلانے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ (ان بے تنخواہ سپاہیوں نے) اسے قصر شامی میں محصور کر دیا اور اپنی تنخواہوں کا مطالبہ کیا اس نے غیبل اور کجی کی عذر خواہی کے بطور اپنے دست خاص سے ایک رقبہ لکھ کر اہل لشکر کے پاس بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔ ”میں اپنے اللہ کے سوا جو میرے حال پر مہمان ہے کسی اور سے نہ تو کوئی امید رکھتا ہوں اور نہ ڈرتا ہوں۔ میرے نبی میرے جدا مہاجر ہیں اور میرے امام میرے باپ ہیں اور میرا قول توحید و عدل ہے۔ مال اللہ کا ہے، بندے اللہ کے غلام ہیں بخشش بخل سے بہتر ہے۔ اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ (القرآن، سورہ شعراء، آیت ۲۲)“ مستنصر کی باقی حرکتیں انہیں واقعات کے مطابق تھیں ان سے انہیں قیاس کیا جاسکتا ہے۔

کیونکہ یہ (جو دو بخل) اس کے دماغ کے وسوسے اور خلل ہیں۔ (کیونکہ) وہ نہ تو کرم کے باعث عطاء کرتا ہے اور نہ بخل کے سبب منع کرتا ہے۔ مستنصر نے اسی پنج پر زندگی گزار دی اور ساٹھ سال تک خلافت کے بعد ہادی المجہد ۳۸۷ھ کو فوت ہو گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم انہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں تاکہ ان کے گناہوں میں اضافہ ہو (القرآن، سورہ آل عمران، آیت ۷۷)۔

مستنصر کے بیٹے

مستنصر کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام ابو منصور نزار تھا پہلے اس نے اسی کو دلی عہد بنایا اور اسے المصطفیٰ لدین اللہ کا لقب عطا کیا۔ اس کے بعد وہ اس پر پشیمان ہوا اسے (دلی عہد دی سے) علاحدہ کر کے اپنے دوسرے بیٹے ابو القاسم احمد کو اپنا دلی عہد بنایا اور المستعلی باللہ ۵۶۷ھ کا لقب دیا۔ مستنصر (کی موت) کے بعد بدعت کے ائمہ اور ارکان داعیان و گروہ میں بنٹ گئے۔ ایک گروہ نزار کی امامت کا قائل ہو گیا کیونکہ اعتبار تو پہلی ہی نص کا ہوتا ہے عراق، شام، قوس و خراسان کے ملاحدہ کا تعلق اس گروہ سے ہے اور انہیں نزار یہ کہتے ہیں۔ دوسرے گروہ نے مستعلی کی امامت کو درست گردانا یہ لوگ مصر اور اس دیار کے اسماعیلی ہیں اس گروہ کو مستعلویان کہتے ہیں۔

حسن صباح

جس صباح نے مستنصر کے دور خلافت میں ولیم کے ملک میں اپنی دعوت کا اظہار کیا اس

کا ذکر اس بیان کے بعد کیا جائے گا۔

نزاریہ طہ ہیں

نزاریہ کے گروہ پر الحاد کا الزام اس لئے لگایا گیا کہ انہوں نے حسن صباح کی دعوت کے ضمن میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو محفل و باطل کر دیا اور محرمات (حرام) کو مباح (حلال) کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اور جو لوگ اللہ کی جانب سے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ فاسق و بدکار ہیں (القرآن سورہ مائدہ آیت ۷۷)۔

مستعلوی ظاہر شریعت کے پابند ہیں

مگر مستعلویان کے گروہ نے ظاہر شریعت سے سرکشی و رد گردانی نہیں کی اور اپنے آباء و اجداد کے طریقوں کی اتباع کی۔ مصر کے باشندوں اور فوجوں نے مستعلی کی پیروی کی اور اسے مسند خلافت پر متمکن کر دیا۔

نزار کا انجام

نزار اپنے دو بیٹوں کے ساتھ بھاگ کر اسکندریہ چلا گیا۔ وہاں کے باشندوں نے اس کی بیعت کر لی۔ مستعلی نے (نزار کے خلاف) فوج کشی کی مدت تک اسکندریہ میں نزار کا محاصرہ کئے رکھا آخر کار اسکندریہ پر (مستعلی کی فوجوں کا) قبضہ ہو گیا۔ نزار کو اس کے دو بیٹوں کے ساتھ مصر لایا گیا۔ یہ تینوں اپنی موت تک قاہرہ میں قید رہے۔

نزاریوں کا دعویٰ

فرقہ نزاریہ کا یہ دعویٰ ہے کہ نزار کے ایک بیٹے کا جو امام کا نام رکھتا تھا (یعنی اپنے باپ کے بعد امام تھا) ان کے باطل مذہب کے مطابق اسکندریہ میں ایک بیٹا رہ گیا جس پر نہ کسی نے قابو پایا اور نہ اسے کسی نے پہچانا الموت کے موجود ہر درار کی نسبت و نسل اسی شخص کی جانب ہے۔ اس بات کا ذکر ملاحظہ کی دعوت جدیدہ کے بیان میں آئے گا۔ مستعلی خلافت پر اپنی (۳۹۵ صفر ۴۰۵ھ) میں موت تک متمکن رہا۔

آمر کا دور

ابو علی منصور جو مستعلی کا بیٹا تھا اس کا جانشین ہوا (اس کا لقب الامیر احکام اللہ تھا) ۴۰۵ھ

رفو القعہ ۵۵۲۳ھ کو فرقہ نزاریہ کے غلاۃ (قتل شد اور کٹر افراد) کی ایک جماعت نے اسے دھوکہ سے اچانک حملہ کر کے ہلاک کر دیا۔

الحافظ کی حکومت

چونکہ (الامر کے) کوئی اولاد نرینہ (بیٹا) نہ تھا اس نے اپنے چچا زاد بھائی ابو المہمون عبد المجید بن محمد بن خلیفہ مستنصر کو اپنا ولی عہد ۵۸۰ بتایا تھا۔ وہ اس کے قائم مقام (کی حیثیت سے) اس کا (جانشین) ہوا۔ اسے الحافظ لدین اللہ کا لقب دیا گیا وہ بیس سال تک خلیفہ رہا (اور ۵ جمادی الآخر ۵۵۳۳ھ میں وفات پائی)

الظافر کا دور

اس کے بعد (الحافظ لدین اللہ کا بیٹا) ابو منصور اسماعیل اس کے بجائے تخت نشین ہوا اسے الظافر کا لقب دیا گیا عباس ۵۹۰ بن حمیم جو اس کا وزیر تھا اس نے اس کو (۵۵۳۹ھ کے محرم کی ۵۱ یا آخری تاریخ میں) قتل کر دیا۔

الغائر کا دور

الظافر کا بیٹا ابو القاسم عیسیٰ پانچ سال کی عمر میں اس کا جانشین ہوا۔ اس کا لقب الغائر باللہ (درست الغائر بنصر اللہ) تھا وہ چھ سال تک خلیفہ رہ کر (۵۵۵۵ھ میں) مر گیا۔

العاضد کا عہد

اس کے بعد اس کے چچا زاد بھائی ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن حافظ (لدین اللہ) کو تخت خلافت پر بٹھایا گیا اور اسے العاضد لدین اللہ کا لقب دیا گیا (اس نے محرم ۵۶۷ھ تک خلافت کی) جب کہ ابو یوب نے مصر اور اس کے ماتحت ملک پر قبضہ کر لیا۔

مصر پر نور الدین کے گورنروں کا قبضہ

۵۵۵۳ھ (درست ۵۶۳ھ) کے اوائل میں فرنگیوں کے ایک بہت بڑے لشکر نے مصر میں ٹھس کر قتل و غارت گری شروع کر دی۔ شاپور نے (درست شارد ۶۰) جو العاضد کا وزیر اور مملکت مصر کے سیاہ و سفید کا مالک تھا، فرنگیوں کے محاصرہ قاہرہ کے دوران جبکہ خلیفہ

وزیر اور مصر و قاہرہ کے تمام باشندے مایوس و ناامید ہو چکے تھے، دس لاکھ مصری دنار کی ادائیگی پر فرنگیوں کے سردار سے صلح کر لی (اس رقم میں سے) کچھ کی ادائیگی تاخیر سے ہوئی تھی اور کچھ کی نقد ہوتی تھی سو فرنگیوں نے قاہرہ کا محاصرہ اٹھالیا مگر طے شدہ مال کی بقیہ قسطوں کی وصولی کی امید میں وہ لوگ مصر میں انتظار کرنے کی غرض سے ٹہرے رہے۔ اس زمانے میں شام کا حکمران نور الدین محمود بن زنگی بن آق مستقر تھا۔ عاضد، وزیر (شادر) اور اہالی مصر نے اس سے فرنگیوں کے قبضہ پر اس حد تک استغاثہ کیا اور مدد و حمایت کی درخواست کی کہ (شامی خاندان کی) ۳۳) مستورات کے سروں کے بال تک اس کے پاس بھیجے۔ نور الدین نے حمص کے گورنر شیرکوہ کو ایک لشکر جزار کے ساتھ مصر کی حفاظت کی غرض سے روانہ کیا۔ صلاح الدین یوسف ۳۳ بن ایوب جو شیرکوہ کا بھتیجا تھا اس کے ہمراہ تھا۔ جب فرنگیوں نے شامی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو (فلسطين میں) اپنے مراکز و ممالک کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیرکوہ نے قاہرہ کا سفر جاری رکھا اور ۷ رجب الاخر ۵۶۳ھ کو قاہرہ پہنچ گیا۔ عاضد اور شاہور (شادر) نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ (مصر کے قیام کے دوران) شیرکوہ نے فوج کے اخراجات کے لئے رقوم کا مطالبہ کیا۔ عاضد اور شاہور (شادر) نے حیلے بہانے اور ٹال مٹول سے کام لیا۔ نتیجتاً ”فریقین میں دشمنی اور عداوت پیدا ہو گئی (چنانچہ) شاہور (شادر) نے یہ سازش کی کہ شیرکوہ کو ضیات کے بہانے بلا کر اپنے راستے سے ہٹا دے (قتل کر دے) چونکہ عاضد شاہور (شادر) کے ہاتھوں رنج اور عاجز تھا اس نے شیرکوہ کو اس کے فریب سے آگاہ کر دیا یہ امر شاہور (شادر) کے قتل کا سبب بن گیا۔ ایک دن دریافت حال اور دوستی کے اظہار کی غرض سے شاہور (شادر) شیرکوہ (کی قیام گاہ پر) آیا۔ اس کے نتیجے میں صلاح الدین یوسف نے حسب معمول مسلح افراد کی ایک جماعت کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اسے گرفتار کر کے عاضد کے حسب منشاء اس کا سرکٹ کر اس کی خدمت میں بھیج دیا۔ یہ واقعہ ۷ رجب الاخر ۵۶۳ھ کو پیش آیا۔

(شادر کے قتل کے بعد) عاضد نے وزارت کا منصب شیرکوہ کو تفویض کیا اور اسے ملک منصور کا لقب دیا۔ تین مہینے بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ شیرکوہ نے انتقال کیا۔ اس لئے عاضد نے وزارت کا عہدہ اس کے جانشین صلاح الدین یوسف کو دے دیا۔ صلاح الدین نے انتظامات سنبھال لئے اور عاضد و مملکت مصر پر غالب و مستولی ہو گیا۔ عاضد اس کے حکم کا پابند تھا۔

نور الدین کے حکم پر مصر کی اسماعیلی حکومت کا خاتمہ

دانی شام نور الدین محمود نے صلاح الدین یوسف کو لکھا کہ جب اس ملک (مصر) پر

ہماری حکومت قائم اور ہمارا حکم نافذ ہو گیا ہے تو باطل پر حق کی نصرت و مدد کو واجب جاننا چاہئے حق کو اپنے مقام پر نافذ کر دینا اور اسلام کی دعوت کے شعار کو عباسی خلفاء کے نام سے ظاہر کرنا چاہئے (یعنی مصر میں اسماعیلیوں کے مذہب کو ختم کر کے اہل سنت کے مسلک کو رائج کرنا اور وہاں مساجد میں عباسی خلفائے کے نام کا خطبہ پڑھنا چاہئے) صلاح الدین نے (اس حکم کو) قبول کیا۔ اور ۵۶۲ھ (درست ۵۶۷ھ) کے محرم کے پہلے جمعہ کو مصر میں (عباسی خلیفہ) الناصر لدین اللہ (درست المستغنی بامر اللہ پدر الناصر لدین اللہ کہ ۵۶۲ھ تا ۵۷۵ھ خلیفہ رہا) کے نام کا خطبہ پڑھا اور اس کے نام کا سکہ جاری کیا۔

عاضد نے (۵۶۷ھ کے) عاشورا (دسویں محرم ۵۶۷ھ) کے دن وفات پائی۔ صلاح الدین نے اس کی اولاد اور اس کے خاندان کے لوگوں کو قید کر دیا۔ بعد ازاں ان سب کو فٹا کا شربت چکھا دیا (قتل کرا دیا) ان کی قتل کو بالکل منقطع کرا دیا اور صلاح الدین یوسف (مصر پر) مستبد (قابض) اور وہاں کا مستقل حکمران ہو گیا۔ اس کی اچھی یادگاریں مشہور و باقی ہیں۔

-۶۳

فصل پنجم

”حسن صباح اور ملاحدہ کی دعوت کا ذکر

جسے وہ ”دعوت جدیدہ“ کہتے ہیں“

الموت کا کتب خانہ

جب بادشاہ زاوہ جہاں (ہولاکو) کی پیش قدمی کے باعث اسماعیلیوں کے قلعے اور آبادیاں برباد ہوئیں اور ان کا قلعہ ختم ہو گیا تو قلعہ الموت کی فتح کے موقع پر حکم صادر ہوا کہ اس کتاب (جہاں گھٹا) کا مولف (علاء الدین عطاء ملک جوینی) اس قلعہ کے خزانوں اور کتب خانوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچائے اور جو اشیاء لائق خاص (بادشاہ زاوہ) ہوں، انہیں علیحدہ کر لے۔ جب اس کتب خانے کو پر تالا گیا، جس کو ان لوگوں نے سالہا سال سے جمع کیا تھا، تو معلوم ہوا کہ اپنے گمراہ مذہب اور باطن عقیدے کی بہت سی کتابوں کے ساتھ انہوں نے قرآن مجید کے نسخوں اور دیگر نفیس کتابوں کو غلط طرز پر کر دیا ہے۔ اور اچھی اور بری کتابوں کو ایک ساتھ ٹانگ دیا ہے۔ اس لئے میں نے مصاحف قرآن اور نفیس کتابوں کو ان کتابوں میں سے اس طرح نکال لیا جیسے اللہ تعالیٰ زندوں کو مردوں میں سے نکال لے گا۔ انہیں میں مجھے ایک کتاب ملی جو حسن صباح کے حالات و واقعات پر مشتمل تھی۔ اور جسے ملاحدہ ”سرگزشت سیدنا“ کہتے تھے۔ سو جن باتوں کا ہماری اس تاریخ کے موضوع سے تعلق تھا اور جو مصدق و محقق تھیں، انہیں ہم نے اپنی اس تاریخ میں نقل کر دیا ہے۔

حسن صباح کے ابتدائی حالات

حسن صباح نے اپنے کو (عرب) قبیلہ ”حمیری کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس کا باپ یمن سے کوفہ وہاں سے قم اور قم سے ری آیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی حسن صباح یہیں پیدا ہوا۔ اس کا نام (مع ولدیت) یہ ہے، حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن محمد بن صباح حمیری، اس پر اللہ، ملائکہ اور تمام اولاد آدم کی لعنت ہو۔ ”سرگزشت سیدنا“ میں لکھا ہے کہ ایک بار حسن صباح کے پیروں میں سے کچھ لوگ اس کے آباؤ اجداد کے حالات لکھ کر اس کے پاس لائے۔ حسن تصنع اور تلبیس (کمر) کی وجہ سے اس پر راضی نہ ہوا اور ان اور اہل کو پانی میں دھو دیا۔ (غرق آب کر دیا۔)

اس حسن العین نے یوں بیان کیا ہے ”میرا آبائی مذہب شیعہ اثنا عشری تھاری میں امیرہ ضراب نامی ایک شخص رہتا تھا۔ اس کا مذہب مصر کے باطنیوں کا تھا ہمارا ایک دوسرے سے ہر وقت مناظرہ ہوتا رہتا تھا۔ وہ میرے مذہب کا رد کرتا تھا اور میں اسے تسلیم نہ کرتا تھا۔ مگر میرے دل پر اس کی بات اثر کرتی تھی اسی زمانے میں مجھے ایک خطرناک اور سخت بیماری لاحق ہو گئی۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ مذہب (باطنیوں کا مذہب) سچا ہے اور میں نے انتہائی تعصب کی بناء پر اس کی تصدیق نہ کی اگر خدا خواستہ موت آگئی تو میں حق تک پہنچے بغیر ہی مر جاؤں گا۔ جب مجھے اس بیماری سے شکار نصیب ہوئی۔ باطنیوں کے فرقہ کا ایک اور آدمی تھا جس کا نام ابو نجم سراج تھا۔ اس سے باطنیوں کے مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس نے نہایت ہی شرح و بسط کے ساتھ انہیں بیان کیا جس سے مجھے اس مذہب کے مشکل مسائل و غوامض کی واقفیت حاصل ہو گئی۔ ایک اور شخص تھا مومن نامی جس کو عبدالملک عطا شہ نے باطنی دعوت (تبلیغ) کی اجازت دی تھی، میں نے اس سے بیعت ہو جانا چاہا۔ اس نے جواب دیا کہ تو ”حسن“ ہے اور تیرا مرتبہ مجھ سے کہ ”مومن“ ہوں بلند ہے، میں تجھ سے امام کی بیعت کیسے لے سکتا ہوں خیر کافی اصرار کے بعد اس نے مجھ سے بیعت لے لی۔ جب ۳۴۳ھ میں عبدالملک کہ اس وقت عراق کا داعی تھا، ری آیا، تو وہ مجھ سے بہت خوش ہوا۔ اور مجھے دعوت باطنیہ کا نائب مقرر کیا۔ اس نے مجھے مصر جانے کا بھی مشورہ دیا۔ اس وقت مصر کا حکمران المستنصر تھا۔

۳۴۹ھ میں میں مصر کے قصد سے اصفہان گیا اور وہاں سے آذربائیجان کے راستے خطرات سے دو چار اور پریشائیاں اٹھاتا ہوا جن کا تاریخ (سرگزشت سیدنا) میں مفصل بیان ہے، شام پہنچا۔ وہاں سے میں ۳۵۱ھ میں مصر پہنچا میں وہاں دیرھ سال تک مقیم رہا۔ ہر چند کہ اس مدت قیام میں میں مستنصر کے قریب نہ پہنچا، مگر مستنصر میرے حال سے واقف تھا اور وہ اکثر میری تعریف کرتا تھا۔ امیر الجیوش (افضل شاہشاہ) مستنصر کا سپہ سالار اس پر مسلط اور ملک کا حاکم مطلق بنا ہوا تھا وہ سب سے چھوٹے بیٹے مستعلی کا خسر تھا جسے مستنصر نے نص دوم سے دلی عبد مقرر کیا تھا، مگر میں اپنے مذہب کے اصول کے مطابق نزاری کی دعوت (تبلیغ) کرتا تھا۔ اسی بناء پر امیر الجیوش نے مجھ سے ناراض تھا۔ (یامن بدو) وہ مجھے نقصان پہنچانے پر اس درجہ کمر بستہ تھا کہ مجھے فرنگیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مغرب کی جانب جانے والے جہاز پر زبردستی بیٹھا کر روانہ کر دیا۔ (قسمت کا کرنا ایسا ہوا کہ) سمندر میں طوفان آیا اور جہاز کو شام کے ساحل پر لا پھینکا۔ میں وہاں سے حلب آیا اور پھر بغداد و خوزستان کی راہ سے ۳۵۳ھ میں اصفہان پہنچا۔

پھر میں کمان ویزد کی سرحد تک گیا جہاں کچھ دنوں دعوت (تبلیغ) کا کام کیا۔ اس کے بعد

میں اصفہان واپس آیا۔ (بعد ازاں) میں دوبارہ خوزستان گیا اور وہاں سے بیابان کے راستے فریم (پریم) و شہر یار کوہ ۶۹ پنچا اور دامغان میں تین سال مقیم رہا وہاں سے داعیوں کی ایک جماعت کو اندرج رود اور ولایت الموت کے دیگر اضلاع کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ لوگ وہاں کے باشندوں کو دعوت (باطنیہ) کے دائرے میں لائیں۔ میں (دعوت کی اشاعت کے سلسلہ میں) جرجان، طرز، سرحد اور چٹاگلکست ۷۰ بھی گیا۔

چونکہ نظام الملک (طوسی ۷۱) نے بو مسلم رازی ۷۲ کو یہ حکم دیا تھا کہ حسن کو گرفتار کر لے سو وہ (میری) تلاش میں بڑا اہتمام کر رہا تھا اس لئے میں ری نہ آسکا اور چاہتا تھا کہ دیلمان چلا جاؤں کیونکہ میں وہاں داعیوں کو روانہ کر چکا تھا چنانچہ میں ساری آیا اور وہاں سے دناوند و خوارری کے راستہ قزدین پنچا میں ری جانے سے بچتا رہا۔ اس لئے میں نے قزدین سے دوسری بار ایک داعی کو الموت بھیجا۔

الموت پر قبضہ

مہدی نامی ایک علوی اس قلعہ کا ملک شاہ کی جانب سے حاکم تھا۔ الموت ۷۳ء "الہ آموت" ہے یعنی آشیانہ عقاب وہاں عقاب بکھرت پائے جاتے تھے۔ الموت میں ایک جماعت نے (ہماری) دعوت قبول کر لی۔ انہوں نے علوی کو بھی دعوت دی "اس نے بھی اس دعوت کو زبانی قبول کر لیا مگر اس کے بعد ہر اس شخص کو جس نے دعوت (باطنیہ) کو قبول کر لیا تھا اس نے حیلے بہانے سے قلعہ سے باہر نکال کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ قلعہ سلطان (ملک شاہ سلجوقی) کا ہے۔ ہر کیف اس (علوی حاکم) نے کافی گفت و شنید کے بعد اس گروہ کو قلعہ میں آنے کی اجازت دے دی۔ اب وہ لوگ (باطنی) اس کے کہنے پر قلعہ کے نیچے (باہر) نہ جاتے تھے۔ مختصر یہ کہ میں قزدین سے دیلمان اور وہاں سے ولایت (مخلع) اشکو اور وہاں سے اندرج رود گیا جو الموت سے متصل ہے (میں نے) یہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔"

چونکہ حسن حد درجہ زاہدانہ زندگی گزارتا تھا بہت سے لوگ اس کے شکار ہو گئے۔ اور انہوں نے اس کی دعوت قبول کر لی بدھ چھ رجب ۴۸۳ھ کی رات میں باطنیوں نے چوری سے حسن کو قلعہ میں پنچا دیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ الموت پر حسن کے قبضے کی تاریخ یعنی ۴۸۳ھ جمل کے حساب سے لفظ "الہ آموت" سے برآمد ہوتی ہے (یعنی ۴۸۳ھ)۔ حسن وہاں کچھ عرصہ تک چھپا بیٹھا رہا اور اپنے کو "وہ خدا" کے نام سے موسوم کیا۔ جب علوی (حاکم قلعہ الموت) کو اس بات کا علم ہوا (تو وقت گزر چکا تھا) اور اس کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہ رہا تھا۔ باطنیوں نے اسے قلعہ سے چلنے جانے کی اجازت دے دی اور قلعہ کی قیمت کے بطور تین ہزار دینار (اشرفیوں) کا شقہ (رقعہ) گرد کوہ اور دامغان کے حاکم (گورنر)

رئیس مظفر مستوفی کے نام جس نے حسن کی (باطنیوں کی) دعوت خفیہ طور پر قبول کر لی تھی، لکھ دیا حسن کا طریقہ یہ تھا کہ رقعے (ہفتے) حد درجہ مختصر تحریر کرتا تھا مثلاً زیر تذکرہ رقعہ کی عبارت یہ تھی۔ ”رئیس م! حفظہ اللہ سہ ہزار دینار بمائی الموت بعلوی مہدی رساند علی التبی المصطفیٰ و بکلمہ السلام و حسبنا اللہ و نعم الوکیل“ یعنی رئیس مظفر مستوفی مہدی علوی کہ مبلغ تین ہزار دینار قلعہ الموت کی قیمت کے بطور ادا کر دے۔ نبی مصطفیٰ اور ان کی آل پر سلام ہو اور ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا نگران ہے الغرض علوی مذکور نے اس رقعہ کو لے لیا اور دل میں یہ سوچا کہ رئیس مظفر ایک بڑا آدمی ہے اور امیر داد جہشی بن التونساق کا نائب ہے حسن کے رقعہ پر اتنی بڑی رقم کیونکر دینے لگا ایک مدت کے بعد کہ وہ دامغان میں تھا اور مالی اعتبار سے بد حال تھا اس رقعہ کو امتحان کی غرض سے رئیس مظفر کی خدمت میں لے کر گیا۔ اس نے رقعہ کو چوما آنکھوں سے لگایا اور رقم ادا کر دی۔

دعوت ملاحدہ کی اشاعت

حسن اسے اللہ رسوا کرے، جب قلعہ الموت پر پوری طرح مستولی اور قابض ہو گیا تو اس نے اطراف و جوانب میں اپنے داعی پیغمبر اور اپنا سارا وقت دعوت باطنیہ کے غلبہ اور کوتاہ نظریوں کو گمراہ کرنے پر صرف کرنا شروع کیا۔

دعوت جدیدہ

اس بدعت (مذہب باطنیہ) میں اس نے جو تغیر و تبدل کیا اور جسے اس کے بعد اس کے پیروں نے دعوت جدیدہ کا نام دیا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس گروہ کے حقدین نے تنزیل (قرآن) کی تاویل خصوصاً آیات متشابہہ (کی تاویل) اور اخبار و آثار سے عجیب و غریب معانی نکالنے (استخراج) پر اور ایسی ہی دو سری باتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی تھی۔ اور وہ اس بات کے قائل تھے کہ ہر تنزیل کی ایک تاویل ہے اور ہر ظاہر کا ایک باطن۔ (مگر اس کے برعکس) حسن صباح نے تعلیم و تعلم کے دروازے کو بالکل بند کر دیا اور کہا۔ خدا شناسی عقل و نظر سے ممکن نہیں ہے بلکہ امام کی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا کے بیشتر لوگ صاحبان عقل ہوتے ہیں۔ اور دین کے معاملے میں ہر شخص کی اپنی ایک رائے ہوتی ہے۔ اگر خدا شناسی کے لئے عقل کی نگاہ کافی ہوتی تو کسی مذہب کے ماننے والے کو دوسرے مذہب کے ماننے والے پر اعتراض کا حق نہ ہوتا اور سبھی مساوی ہوتے کیونکہ عقل کی رو سے سب مستدین اور صحیح مذہب کے پیرو ہیں چونکہ اعتراض و انکار کی راہ کھلی ہوئی ہے اور

کچھ لوگوں کی کچھ دوسرے لوگوں کو تہذیب کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے یہ بات از خود ثابت ہو جاتی ہے کہ عقل کافی نہیں ہے۔ اور ایک امام کی ضرورت ہے تاکہ ہر دور میں لوگ اس سے علم سیکھیں اور دین حاصل کریں۔

حسن صباح نے چند مختصر (موجز) کلمات کو اپنی خدایت (مکاری) کی بنیاد و دلیل بنایا اور اس کا نام "الزام" رکھا۔ جاہلوں اور عام لوگوں نے یہ سمجھا کہ اس مختصر لفظ میں بہت سے معانی و مطالب پوشیدہ ہیں ان الفاظ و معانی میں سے ایک جو دقیق ترین ہے یہ ہے کہ حسن اپنے مذہب پر اعتراض کرنے والوں سے پوچھتا ہے عقل کافی ہے یا کافی نہیں ہے؟ یعنی اگر خدا شناسی کے لئے عقل کافی ہے تو ہر وہ شخص جو با عقل اور عقل سے بہرہ مند ہے معترض کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور اگر معترض یہ کہے کہ (خدا شناسی کے لئے) عقل کافی نہیں ہے، تو یقیناً "ایک معلم کی ضرورت ہوگی۔ یہ (حسن بن صباح کا) مذہب ہے۔

دعوت جدیدہ کا رد

(اس کے بعد جوینی حسن صباح کے مذہب کا یوں ابطال کرتا ہے) یہ جو حسن صباح کہتا ہے کہ عقل (خدا شناسی کے لئے) کافی ہے یا کافی نہیں ہے اور یوں وہ اپنے مذہب کا اثبات چاہتا ہے تو اس کے بارے میں سوال یہ ہے کہ تعلیم عقل کے ساتھ ضروری ہے اور مخالف (یعنی حسن) کا مذہب یہ ہے کہ تعلیم عقل کے ساتھ ضروری نہیں ہے۔ اور جب یہ ضروری نہیں ہے تو چاہئے کہ تعلیم جائز ہو اور عقل کی معین و مددگار ہو یا چاہئے کہ عقل تنہا ہو ورنہ خدا شناسی حاصل نہ ہوگی۔ یہ دو قسمیں ہیں اور حسن صباح دو سری قسم کے ابطال میں مشغول ہے اور کہتا ہے کہ میں نے (مخالفوں کے) مذہب کو باطل کر دیا ہے مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ تمام دنیا والوں کا مذہب یہ ہے کہ خرد مجرود (مجرد عقل) کا وجود (خدا شناسی کے لئے) کافی نہیں ہے۔ عقل کا استعمال ایک مخصوص طریقے سے ضروری ہے اور تعلیم و ہدایت بعض عقل مندوں کی معین و مددگار ہوتی ہے اور بعض عقل مندوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر ہو بھی تو یہ اس کے لئے مانع اور رکاوٹ نہیں بنتی۔ پس معلوم ہوا کہ حسن بن صباح مذہب جمہور کا ابطال نہیں کر سکا۔ دینیز تعلیم کو ایک شخص مخصوص پر موقوف کر دینا، محتاج دلیل و ثبوت ہے حسن بن صباح کی دلیل خود اس کا قول ہے کہ چونکہ میں نے تعلیم کی ضرورت ثابت کی ہے اور اس بات کا میرے علاوہ کوئی اور قائل نہیں ہے اس لئے معلم کا تعین میرے قول سے ہوگا۔ لیکن یہ بات ایسی ہے جس کا فساد ظاہر ہے اور یہ کہنا ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے کہ امام فلاں شخص ہے اور اس کی دلیل ہے کہ یہ بات میں کہہ رہا ہوں۔ اگر (اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حسن بن صباح) یہ کہے کہ اجماع حق ہے۔ اور جو میری بات صحیح

نہیں تو چونکہ میں مخالفوں کی بات کو باطل کر چکا ہوں، اس بناء پر (بری بات مان کر) ساری امت باطل پر مجتمع ہو جائے گی (اور امت کا باطل پر اجماع نادرست ہے اس لئے میری بات اجماع کی حقانیت کے سبب درست و صحیح ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اجماع قرآن و حدیث کی رو سے حق ہے اور تمہارے مذہب میں ایسا نہیں ہے (یعنی تمہارے نزدیک اجماع حق نہیں ہے) اس لئے اجماع پر تمہارے مذہب کی بنیاد تمہارے مخالف کی بنیاد پر ہو گئی۔ اور یہ تمہارے لئے مفید نہ ہوگی۔ حسن بن صباح کے پاس امام کے تعین پر اس کے سوا کوئی اور حجت و دلیل نہیں ہے۔

اور حسن بن صباح نے جو یہ کہا ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں یعنی لا الہ الا اللہ کہنے کی تعلیم لے چاہئے اور یہ (ارشاد نبوی) تعلیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ارشاد نبوی اس پیرزن (بوڑھی عورت) کی حکایت سے معارض (متضاد) ہے کہ جب اس سے خدا کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور اس پر پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ”اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ مومنہ ہے“ آپؐ نے فرمایا ”تم پر لازم ہے کہ ان بڑھیوں کا دین اپناؤ (اختیار کرو) آنحضرتؐ نے بوڑھی عورت سے یہ نہ فرمایا کہ تو نے خدا شناسی کی تعلیم مجھ سے نہیں لی اس لئے تو مومنہ نہیں ہے۔ اور (ایک بار آنحضرتؐ سے) ایک بدو نے یہ پوچھا کیا زمانہ حق نہیں ہے؟ آپؐ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کہ یہ (دین کو) سمجھ گیا ہے (رسول اکرم علیہ السلام کے) ایسے بے شمار ارشادات ہیں۔ چونکہ میری (جوئی کی) یہ کتاب (تاریخ جہاں گھائی) مذہب باطل کے ابطلال اور مذہب حق کے اثبات سے متعلق نہیں ہے لہذا میں نے اس قدر (بیان) پر اکتفاء کو مناسب خیال کیا ہے۔

حسن بن صباح ایسی ہی خرافات بیان کرتا تھا جو بظاہر مکر کی جادوگری اور باطن شیطان کے فریب و گمراہی ہیں اور جن کا مقصد یہ ہے کہ عقل اور حصول علم سے لوگوں کو روکا جائے ”اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں پر پردے پڑ گئے ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔“ (القرآن سورۃ بقرہ آیت ۷)

حکومت کی توسیع

مختصر یہ کہ حسن بن صباح الموت کے متصل علاقوں اور اس کے قریب کے مواضع (مقامات) پر قبضہ کرنے میں بڑی کوشش کرتا تھا اور جس مقام (کی تفسیر دعوت (باطنیہ) کے مکر سے ممکن ہوتی) اس پر قبضہ جمالیات تھا۔ اور جو اس کے مکر اور فریب میں نہ آتا اس پر قتل، خون ریزی، لوٹ مار اور جنگ کے ذریعہ قابض ہو جاتا تھا۔ اس کا طریقہ تھا کہ پہلے سے

بنے ہوئے جو قلعے ہوتے ان پر قبضہ کر لیتا اور جہاں تعمیر کے لائق کوئی محفوظ پہاڑی مقام دکھائی دیتا وہاں قلعہ تعمیر کرتا تھا۔

ملک شاہ کے امراء میں سے ایک امیر کا نام یورن تاش تھا۔ الموت کے نواحی علاقے اس کی جاگیر میں تھے۔ وہ متواتر الموت پر یلغار کرتا رہتا تھا اور جہاں کے لوگ حسن صباح کی دعوت قبول کر کے اس کے مطیع ہو گئے تھے انہیں قتل کرتا تھا۔ چونکہ ابھی الموت میں دفاع (محافظت) کا ساز و سامان اکٹھا نہ ہوا تھا، ان حملوں سے وہاں کے رہنے والے پریشان و عاجز ہو گئے تھے اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ قلعہ (الموت کو کچھ (جزیرہ) آدمیوں کے سپرد کر کے خود کسی جانب چلے جائیں۔ اس کے بعد حسن صباح نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے امام یعنی مستصر سے اسے یہ پیغام ملا ہے کہ اس جگہ سے (قلعہ الموت سے) خطر نہ ہوں انہیں اس مقام سے اقبال (خوش قسمتی) کی توقع ہے اس سبب سے حسن صباح کے ساتھی تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے اور الموت میں شہرے رہے اس لفظ کی مناسبت سے جس کا ذکر ابھی کیا گیا اس قلعہ کا نام ان لوگوں نے بلدہ اقبال رکھا۔

دعوت ملاحدہ قہستان میں

۳۸۳ھ میں اپنے ایک داعی حسین قانی کو (حسن صباح نے) قہستان بھیجا کہ وہاں دعوت کا کام کرے۔ وہاں کی ایک جماعت نے اس کی دعوت کو قبول کیا اور قہستان کے ایک گوشے میں مقیم ہو گئی اور حسن صباح کی جانب سے ایک نائب ان کے حاکم کی حیثیت سے نامزد ہوا۔ جیسا کہ حسن صباح نے الموت میں طریقہ اختیار کیا تھا، ان لوگوں نے بھی قہستان میں اس کی دعوت کے اظہار اور اطراف و جوانب کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے سلسلہ میں وہی طریقہ اختیار کیا۔ اور وہ فریب سازی اور قلعوں پر قبضہ کرنے میں جہاں تک ان کے بس میں تھا، مشغول و مصروف ہو گئے۔

ملاحدہ کے خلاف ملک شاہ کا اقدام

جب (حسن صباح) کی بدعت کی داستان آشکارا ہوئی اور قرب و جوار کے مسلمانوں کو اس گروہ سے جو نقصانات پہنچتے تھے ان کی خبریں عام ہوئیں تو سلطان ملک شاہ نے ۳۸۵ھ کے اوائل میں ارسلان تاش نامی ایک امیر کو حسن صباح اور اس کے پیروں کے قلع و قمع اور استیصال پر مامور کیا۔ اس امیر نے جمادی الاولیٰ سال مذکور میں قلعہ الموت کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت الموت میں حسن صباح کے ساتھ ساٹھ ستر آدمی سے زیادہ نہ تھے۔ اور

کھانے پینے کا ذخیرہ بھی ان کے پاس بہت کم اور بقدرِ سدرِ سن تھا۔ یہ لوگ تھوڑی خوراک پر گزر بسر کرتے اور محاصرہ کرنے والوں سے جنگ میں مصروف رہتے تھے۔

دہ دار بوعلی

حسن صباح کا ایک داعی و ہدایہ (حاکم) بوعلی نامی کہ زوارہ وارہستان سے تعلق رکھتا تھا، قزدین میں مقیم تھا، اور قزدین کے کچھ لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تھا۔ اس طرح ولایت طالقان، کوہ برہ اور ولایت ری میں بہت سے لوگوں نے حسن صباح کی اتباع کر لی تھی۔ اور ان سب کا مرجع وہی داعی تھا جو قزدین میں اقامت گزین تھا۔ حسن صباح نے دہ دار بوعلی سے مدد مانگی اس نے کوہ برہ اور طالقان کے لوگوں کو اس کی مدد پر آمادہ کیا اور قزدین سے اسلحے اور سامان جنگ کے ساتھ تین سو آدمی حسن صباح کی مدد کو روانہ ہوئے یہ لوگ چالاک سے الموت کے قلعہ میں گھس گئے۔ انہوں نے الموت والوں اور رودبار کی ایک جماعت کی رو سے جو قلعہ کے باہر سے ان لوگوں کے ساتھ آئی تھی۔ اس سال کے شعبان کے اخیر میں ایک رات التوتناش ۳۷۳ کے لشکر پر شب خون مارا۔ التوتناش شکست کھا کر الموت سے محاصرہ اٹھا کر ملک شاہ کے پاس چلا گیا۔

ملک شاہ کی وفات اور اس کی افواج کی شکست

سلطان ملک شاہ کو اس سے تشویش ہوئی اور اس گروہ کے استیصال کی فکر میں لگ گیا۔ مگر چونکہ اس کا وقت آخر آپہنچا تھا۔ اس کی وفات سے ان بد بختوں کی پامالی میں تعویق و تاخیر ہو گئی جس سے ان کا قہقہہ اور قوی ہو گیا۔ ملک شاہ نے ۳۸۵ھ کے اوائل ہی میں اپنے خواص میں سے ایک دوسرے سردار کو جس کا نام غزل سارغ تھا قہستان کے ملاحدہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا اور خراسان کے لشکر کو اس کی متابعت و مدد کا حکم دیا تھا۔ غزل سارغ نے اس گروہ کو درہ نامی قلعہ میں جو سیمان سے متصل مومن آیاہ ۵۷۵ کے مضائقہ میں ہے، محصور کر لیا اور ان سے جنگ چھیڑ دی۔ مگر ان مقامات کی بازیابی سے پہلے اس کو ملک شاہ کی وفات کی خبر ملی، اس لئے اس نے وہاں سے محاصرہ اٹھا لیا اور اس کا لشکر تترہتر ہو گیا۔ اب ملاحدہ کی اس جماعت نے بھی الموت کے سرکشوں کی طرح ہر طرف جو رو ستم کا ہاتھ بڑھایا اور ظلم کے پاؤں پھیلانے۔ (یعنی لوگوں پر مظالم تورنے لگے)

نظام الملک کی شہادت

حسن صباح کی سرکشی کے آغاز میں نظام الملک حسن بن علی بن اسحاق طوسی رحمۃ اللہ علیہ ملک شاہ کا وزیر تھا۔ اس نے اپنی نظریات پر ایک بین سے حسن کے کثرت اور اس کے پیروں کے لچھن بھانپ لئے تھے اور اسلام میں ان کی فتنہ گری کا اندازہ لگایا تھا اس لئے ان کے استیصال کی کوشش شروع کر دی تھی اور ان کے خلاف لشکر کشی میں خاص اہتمام کرتا تھا لیکن حسن صباح نے اپنے مکرو فریب کا سلسلہ شروع کیا اور پہلے ہی حملہ میں نظام الملک جیسے شخص کو ہلاکت کے جال میں پھنسا کر بڑی شہرت پائی اس نے فدا یوں کے قواعد مرتب کر کے مکرو فریب سے اپنا رعب و داب قائم کر لیا۔ ابو طاہر نامی شخص کہ اران کا باشندہ تھا شب جمعہ ۲۴ رمضان ۳۸۵ھ کو نمود کے حدود میں معتمد ۷۶ کے مقام پر ایک صوفی کے ہمیں میں نظام الملک کی پاکی کے سامنے گیا۔ نظام الملک اظہار کرنے کے بعد بارگاہ سلطان سے معفہ (پاکی) میں اپنے حرم کے خیمے میں جا رہا تھا، ابو طاہر ارانی نے اسے چھری ماری اور نظام الملک اسی زخم سے شہید ہو گیا۔ سب سے پہلے جس شخص کو فدا یوں نے شہید کیا یہی نظام الملک تھا۔

حسن صباح اور رئیس ابو الفضل

حسن صباح جب مصر سے واپس آیا تھا تو اصفہان بھی گیا تھا یہاں باطنیوں کی جانب اس کے انتساب اور اس کی دعوت کی شہرت پہنچ چکی تھی سو وہ لوگ جنہیں مسلمانوں کی فکر اور ایمان داروں کا خیال دامن گیر تھا حسن کی تلاش میں تھے۔ وہ اس سبب سے روپوش ہو گیا تھا۔ اور اصفہان میں رئیس ابو الفضل کے گھر میں جس نے خفیہ طور پر حسن کی دعوت کو قبول کر لیا تھا، چھپا ہوا تھا۔ اس نے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ جب یہ رئیس حسن کے پاس جاتا تو دونوں اپنی اپنی داستان غم دل بیان کرتے۔ ایک دن زمانہ کی شکایت اور سلطان و ارکان دولت کے تعصب کے ذکر کے دوران حسن صباح نے ایک سرود آہ بھری اور کہا ”افسوس! اگر دو آدمی میرے ساتھ ہوتے تو میں اس ملک کو زیر و زبر کردیتا اور تیس ہنس کر کے رکھ دیتا۔“ رئیس ابو الفضل نے سوچا کہ تفکرات کی کثرت، خوف اور پرخطر سفر کے باعث حسن کو بالہ غویا ہو گیا ہے۔ ورنہ بادشاہی ملک جو مصر سے کاشغر تک اس کے خطبہ و رسد کے تحت پھیلا ہوا ہے اور ہزاروں سوار و پیادہ اس کے علم تلے ایک اشارہ پر دنیا کو الٹ کر رکھ دیں، محض دو آدمیوں کے یکدل ہو جانے سے کیسے زیر و زبر ہو سکتا ہے۔ رئیس ابو الفضل اس فکر میں بیچ و تاب کھاتا تھا اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ ۔۔۔ تجنی بگھارنے والا آدمی نہیں ہے اس لئے بلاشبہ اس کے دماغ میں کوئی مرض پیدا ہو گیا ہے۔ سو

اس نے حسن صباح پر ظاہر کئے بغیر اس کے ملاحولیا کا علاج کرنا شروع کیا اور معطر شربت مزاج کے لئے مقوی دوائیں اور دماغ میں رطوبت پیدا کرنے والی غذائیں جو ایسے مریضوں کے لئے ضروری ہوتی ہیں تیار کرائیں اور شربت و طعام کے تناول کرنے کے دوران انہیں پیش کیا۔ حسن صباح نے جب ان مشروبات و ماکولات کو دیکھا تو اسے رئیس ابو الفضل کے خیالات کا پتہ چل گیا اور اس نے فوراً وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ رئیس ابو الفضل نے جتنی بھی منت کی، حسن وہاں نہ ٹھہرا اور کمان چلا گیا۔

جب حسن واپس آیا تو الموت پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا، نظام الملک فدائیوں کے ہاتھوں شہید ہو چکا تھا اور سلطان ملک شاہ نظام الملک کی شہادت کے چالیسویں روز انتقال کر چکا تھا۔ ملک کے معاملات قتل و متزلزل ہو چکے تھے اور مملکت (سلجوق) میں انتشار پھیل گیا تھا۔ اس مہلت کے باعث حسن صباح کا کام مضبوط و قوی ہو گیا تھا اور جسے کوئی خوف ہوتا حسن سے مدد کی درخواست کرتا تھا (اس زمانے میں) رئیس ابو الفضل مذکور موقع نکال کر الموت گیا اور حسن کے مصاحبوں میں شامل ہو گیا۔ حسن صباح نے ایک دن اس سے کہا کہ ”کیوں تمہیں معلوم ہو گیا کہ المحولیا مجھے تھایا تمہیں؟ تم نے دیکھ لیا کہ جب مجھے دودھ دے دو گار دوست مل گئے تو میں نے اپنی بات پوری کر دکھائی اور اپنے دعویٰ کی دلیل فراہم کر دی۔“ یہ سن کر رئیس ابو الفضل حسن کے پاؤں پر گر گیا اور توبہ کی۔

فدائیوں کی خنجر زنی

نظام الملک کی شہادت کے ایک عرصہ بعد دو موقعوں پر اس کے دو بیٹوں کو فدائیوں نے چھری ماری۔ ان میں سے ایک (بیٹے) کا نام احمد تھا اور وہ بغداد میں مفلوج (پابج) ہو گیا۔ اور (نظام الملک کے دوسرے بیٹے) فخر الملک کو فدائیوں نے نیشاپور میں چھری ماری (جس سے وہ شہید ہو گیا۔ اس کے بعد امراء سپہ سالاروں و دانش وران کو فدائیوں کے ذریعہ متواتر اور پے درپے حسن صباح قتل کراتا رہا۔ اور جو بھی اس کے ساتھ تعصب کا اظہار کرتا اس طریقے سے اس کا خاتمہ کر دیتا تھا۔ ان مقتولین کے ناموں کو شمار کرنا فضول اور بے کار ہے اس سبب سے دور و نزدیک کے لوگ ان کی محبت یا نفرت میں مبتلا ہو گئے اور ہلاکت کے بھنور میں پھنسے۔ اس کے دوست تو اس لئے تباہ ہوئے کہ بادشاہان اسلام نے انہیں تباہ کیا اور اس کے دشمن اس لئے برباد ہوئے کہ حسن کے مکر و حیلہ سے بھاگ بھاگ کر احتیاط و حفاظت کی خاطر محفوظ مقامات کی طرف پناہ لیتے رہے اور ان میں سے بیشتر مارے جاتے۔ سلاجقہ میں اختلاف اور ملاحدہ کی طاقت میں اضافہ: جب ملک شاہ کے بیٹوں برکیارق ۷۷۷ اور محمد ۷۸۷ کے درمیان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا اور ملک میں اضطراب و آشوب کا غلبہ

ہو گیا تو امتحان کے حاکم رئیس مظفر نے امیر داد جشی کو جس کا وہ نائب تھا اس بات پر آمادہ کیا کہ قلعہ گرد کوہ کو سلطان برکیارق سے اس کے لئے مانگ لے۔ سلطان نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ جشی کی نیابت کے ناطے رئیس مظفر قلعہ گرد کوہ میں داخل ہو گیا۔ اس کی تعمیر و استحکام پر زر کثیر صرف کیا اور امیر جشی کا سارا خزانہ وہاں منتقل کر دیا۔ جب وہ ذخائر اور خزانوں سے قوی پشت ہو گیا تو اس نے صاحب بدعت (حسن صباح) کی دعوت کو قبول کر لینے کا ہمد کھول دیا اور اس کے کفر والحاد کے طریقہ کو لازم پکڑنے کا راز فاش کر دیا وہ حسن صباح کی جانب سے (قلعہ گرد کوہ) پر چالیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ رئیس مظفر نے گرد کوہ کی فصیل میں سنگ خارا میں ایک کنواں کھدوایا، اسے تین سو گز تک گہرا کرایا مگر جب پانی نہ نکلا تو اس منصوبہ کو ترک کر دیا۔ اس کی موت کے سالوں بعد زلزلہ آیا اور اس کنویں سے چشمہ پھوٹ پڑا۔ فی الجملہ رئیس مظفر کی پشت پناہی اور حمایت سے جو ایک مستحکم بند، مضبوط دیوار اور بہت بڑا شرف قلعہ تھا، حسن کے کام اور اس کی دعوت کو ترقی ہوئی۔

قلعہ المسور کی تسخیر www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد قلعہ المسور کی تسخیر کی غرض سے کہ اس کا شمار بھی ردو بار الموت میں ہوتا ہے، اور وہاں کے رہنے والوں نے حسن کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا، حسن نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کیا بزرگ کو ملاحظہ کی ایک جماعت کے ہمراہ بھیجا وہ چار شنبہ، بیس ذی القعدہ ۴۹۵ھ کی رات میں چوری سے قلعہ میں داخل ہو گیا اور وہاں کے تمام باشندوں کو جان سے مار ڈالا۔ بزرگ امید بیس سال تک اس قلعہ میں مقیم رہا اور جب تک حسن نے اسے وہاں سے نہ بلایا وہ قلعہ سے نیچے نہ اترتا۔

حسن صباح اور زید حسنی

حسن صباح کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام استاد حسین تھا۔ الموت کے قلعہ میں زید حسنی نامی ایک علوی رہتا تھا۔ وہ غنیہ طور پر اپنی امامت کی دعوت دیتا تھا اور قریب تھا کہ حسن کا کام اس کے ہاتھوں تمام ہو جائے۔ اس (زید حسنی) نے اپنے کام کی ابتداء یوں کی کہ قہستان کے داعی حسین قانی کو حسین (احمد؟) دہاوندی کے ہاتھ سے مروا دیا۔ چونکہ اس حسین قانی کے قتل کا الزام حسن صباح کے بیٹے استاد حسین پر لگایا گیا اس لئے حسن کے حکم سے اس کے بیٹے استاد حسین اور احمد (حسین؟) دہاوندی کو قتل کر دیا گیا۔ ایک سال بعد حقیقت حال کا علم ہوا تو حسن صباح نے علوی (زید حسنی) کو اس کے بیٹے کے ساتھ قتل کرا

دیا۔

حسن کا زہد و ورع

چونکہ حسن صباح نے اپنے کام اور عزت کی بنیاد زہد و ورع اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر رکھی تھی۔ الموت میں اس کے پینتیس سالہ قیام کے دوران اس کے ملک میں کسی شخص نے علانیہ شراب نہ پی یاں تک کہ ایک آدمی نے قلعہ میں بانسری بجائی تو اسے قلعہ سے نکال دیا اور دوبارہ اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ حسن صباح کے دوسرے بیٹے کا نام محمد تھا، اس پر شراب خوری کی تہمت لگائی گئی اور وہ حسن صباح کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ حسن صباح اپنے دونوں بیٹوں کے قتل یہ توجیہ کرتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد کسی کے دل میں یہ خیال نہ آئے گا کہ اس نے دعوت کا سلسلہ انہیں جانشین بنانے کی غرض سے شروع کیا تھا اور اس کا مقصد ان کی بھلائی تھا۔

اس سلسلہ میں اس نے دوسری بات یہ کی کہ قلعہ الموت کے (سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی کے آٹھ سالہ) محاصرہ کے دوران اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کو قلعہ گرد کوہ بھیج دیا۔ اور رئیس مظفر کو لکھا یہ عورتیں دعوت (اسلام) کے لئے سوت کا تھی ہیں، ان کی ضروریات کا انتظام اس کی اجرت سے کیا جائے۔ اس وقت سے (یہ قاعدہ قرار پایا کہ) باطنیوں (ملاحدہ) کے سردار (مختشم) اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد اپنی بیویوں کو اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔

سلطان محمد سلجوقی کا ملاحدہ پر حملہ اور وفات

جب حسن صباح کی حکومت کا غلبہ مضبوط ہو گیا اور اسے بڑا اقتدار حاصل ہو گیا تو اس کے استیصال کی غرض سے سلطان محمد بن ملک شاہ نے فوجیں اکٹھا کیں اور خواجہ نظام الملک (طوسی) کے بیٹے نظام الملک احمد کو اس لشکر کا سردار بنا کر ان کے خلاف روانہ کیا (یہ واقعہ ۵۵۳ھ کا)۔ یہ لوگ الموت اور استاذند میں جو الموت کے قریب اندر رود کے کنارے پر ہے، مرکز بنا کر ایک عرصہ تک ملاحدہ سے جنگ کرتے اور ان کے غلہ جات کو تلف کرتے رہے حسن صباح جب اس مصیبت سے عاجز آیا تو لشکر (قلعہ) رودبار سے باہر نکل آیا۔ ملاحدہ کے قلعوں میں بڑا کال پڑ گیا تھا اور لوگ گھاس پات کھا کر پیٹ بھر رہے تھے۔ اس وجہ سے وہ لوگ اپنے بال بچوں کو مختلف مقامات پر بھیج رہے تھے۔ حسن صباح نے بھی اپنی بیوی اور بیٹیوں کو گرد کوہ بھیج دیا تھا۔ مسلسل آٹھ سال تک سلجوقی لشکر گرد کوہ آتا اور غلہ جات کو برباد کر دیتا تھا اور جانبین چوکنہ اور ایک دوسرے کی عمرانی کرتے رہتے تھے جب سلاجقہ کو

معلوم ہو گیا کہ ملاحدہ کے پاس نہ تو سلمان خوراک باقی رہ گیا ہے اور نہ لڑنے کی قوت تو ۵۱ھ میں ایک نوشت گین ۷۹ شیر گیر کو امیر لشکر بنا کر حکم دیا کہ ملاحدہ کے قلعوں کا محاصرہ کریں انہوں نے یکم ماہ مفر کو لیسر کا اور ۱۱ ربیع الاول کو الموت کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقیں نصب کر کے سخت جنگ شروع کر دی مگر اس سال کے ماہ ذی الحجہ میں جب کہ قریب تھا کہ ملاحدہ کے قلعوں پر قبضہ کر کے لوگوں کو ان کے قتلے سے نجات دلا دی جائے خبر آئی کہ سلطان محمد بن ملک شاہ نے اصفہان میں وفات پائی اس خبر سے لشکر منتشر ہو گیا اور یہ ملاحدہ زندہ بچ گئے ذخائر، سامان جنگ اور ہتھیار جو اس لشکر نے اکٹھا کیا تھا وہ سب ملاحدہ اپنے قلعوں میں اٹھا لے گئے۔

سنجری کا نامی

چونکہ ہر کام کا ایک مقررہ وقت ہوتا ہے اور ہر حکومت کے خاتمہ کا ایک خاص زمانہ ہوتا ہے اس لئے سلطان سنجر سلجوقی ۸۰۰ اپنے پیچھے سے اختلاف کے باعث ملاحدہ کا یہ وقت تدارک نہ کر سکا۔ جس سے انہوں نے بار دیگر زور پکڑ لیا۔ جب سلطان سنجر کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے ملاحدہ کے سد باب کی غرض سے قہستان پر فوج کشی کی اور سالہا سال لڑائیوں کے سلسلے جاری رہے۔ حسن صباح نے صلح کی نیت سے قاصد بھیجے مگر سلطان نے قبول نہ کیا آخر حسن صباح نے طرح طرح کی فریب کاریوں سے سلطان کے خواص کی ایک جماعت کو اپنا ہم نوا بنالیا جو سلطان کی باتیں ملاحدہ تک پہنچا دیتے تھے۔ پھر سلطان کے خادموں میں سے ایک کو بھاری رقم دے کر اس کی خواب گاہ میں تخت کے قریب زمین میں خنجر گڑوا دیا۔ جب سلطان بیدار ہوا تو خنجر دیکھ کر ڈر گیا مگر چونکہ کسی پر ہمت نہیں رکھی جاسکتی تھی اس لئے اس بات کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حسن صباح نے قاصد بھیج کر پیغام دیا کہ اگر مجھے سلطان سے حسن ظن نہ ہوتا تو یہ خنجر جسے رات کے وقت سخت زمین میں گاڑا گیا سلطان کے نرم سینے میں بھی اتارا جاسکتا تھا سلطان اس بات سے ڈر گیا اور ملاحدہ سے صلح کر لینے پر آمادہ ہو گیا۔ الغرض اس مکر کے باعث سلطان سنجر نے ان کے دفعیہ سے احتراز کیا اور ان کا کام روز بترقی ہو گیا (کافی ترقی کر گیا)۔

ملاحدہ کو خراج کی ادائیگی

سلطان نے قوس کے خراج سے تین ہزار دینار ان ملاحدہ کے نام جاری کر دیئے اور اس بات کی اجازت دے دی کہ گرد کوہ کے دامن سے گزرنے والے مسافروں سے وہ بدرقہ

(رہنمائی) اور خراج کے بطور ایک رقم وصول کریں اب تک اس رسم کے آثار باقی ہیں۔ سلطان خنجر کے منشورات (احکامات) میں سے جو چند ملاحظہ کے کتب خانے میں باقی رہ گئے ہیں ان سے ان کی تعریف و دل جوئی کا پتہ چلتا ہے اور سلطان کی سلامت طبعی و امن پسندی کا حال معلوم ہوتا ہے۔

حسن کی ہلاکت

القصد یہ لوگ خنجر کے دور میں آسودہ ہر وہ الحال رہے۔ حسن خنجر کے دور حکومت میں ماہ ربیع الاخر ۵۱۸ھ میں بیمار ہوا۔ (مسو ل م م س ر) سے بزرگ امید کو بلا کر اپنا جانشین کیا۔ دہدار ابو علی اردستانی کو اس کے دست راست پر مقرر کر کے ”دعوت دیوان“ بتخصیص اس کے حوالہ کی اور حسن آدم قهرانی کو دست چپ پر اور کیا جعفر کو کہ صاحب حبش (پہ سالار) تھا بطور مقدمہ (پیشی) میں مقرر کیا اور وصیت کی کہ جب تک امام اپنے ملک میں نہ آئے چاروں اشخاص اتفاق و مشورہ باہمی سے کام کرتے رہیں۔ حسن نے شب چار شنبہ ۶ ربیع الاخر ۵۱۸ھ کو اللہ کی آگ یعنی نار جنم اور دوزخ کی جانب جلدی کی۔

حسن کی خلوت گزینی

حسن صبح جس دن سے قلعہ الموت میں آیا وہاں اپنے پینتیس سال قیام کے دوران اس قلعہ سے نیچے نہ اترا اور جس مکان میں اس کا قیام تھا وہاں سے دوبار سے زیادہ باہر نہ نکلا وہ دوبار گمر کی چھت (بالا خانہ) پر گیا اور باقی اوقات میں اس مکان میں معتکف (خانہ نشین) کتابوں کے مطالعہ، اپنی بدعت کی بات کی توضیح اور اپنی مملکت کی تدبیر میں مشغول رہا۔

بزرگ امید و باری مجھ اور اس کے بیٹے کی
حکمرانی کا بیان کہ اللہ ان دونوں پر لعنت کرے

جب بزرگ امید اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مسند حکومت پر متمکن ہوا تو بیس سال تک اس نے اس صبا جی قاعدے کو منظم اور اس کی بنیاد کو مستحکم کیا (یعنی وہ بیس سال تک حکمران رہا یہ مدت درست نہیں ہے کیونکہ وہ ۶ ربیع الاخر ۵۱۸ھ کو شیخ العجل ہوا اور ۶ جمادی الاولیٰ ۵۲۲ھ کو ہلاک ہو گیا۔ یہ مدت چودہ سال ایک ماہ اور بیس دن ہے۔)

چونکہ یہ سلطان خجری حکومت کا زمانہ تھا کسی نے ان کے قلعوں کو مسمار کرنے اور ان کے گھروں کو منہدم کرنے کی کوشش نہ کی۔

خلیفہ مسترشد اور سلطان مسعود میں اختلافات

اس زمانہ میں امیر المومنین المسترشد علیہ السلام اور سلطان مسعود سلجوقی ۸۶۰ کے درمیان کہ اپنے چچا سلطان خجری کے نائب کی حیثیت سے عراق، ایران و آذربائیجان کا حاکم تھا، اختلاف پیدا ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ دستور تھا کہ جو سلطان غالب و قوی ہوتا اس کا ذکر بغداد میں خطبہ میں خلیفہ کے بعد کیا جاتا تھا جیسا کہ آل بویہ کے زمانے میں ہوتا تھا۔ چونکہ بغداد کی مساجد کے منبروں پر سلطان مسعود کا نام نہیں لیا جاتا تھا اس نے بغداد پر فوج کشی کا فیصلہ کر لیا۔ خلیفہ المسترشد علیہ السلام (کو اس کی اطلاع ہوئی) تو اس نے پیش قدمی کر کے سلطانی افواج پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور بغداد سے چل پڑا جب وہ لشکر کے ساتھ ہوان کے نزدیک پہنچا تو سلطان مسعود دوسری جانب سے فوج لے کر مقابل ہوا۔ بغداد کے اہل لشکر میں سے ایک گروہ نے غداری کی اور سلطان کے لشکر سے آٹھا اس وجہ سے خلیفہ کا لشکر کمزور ہو گیا اور لشکر سلطان پہلے سے دو گنا ہو گیا۔ جنگ میں شکست کھا کر المسترشد علیہ السلام اپنے وزیر اور تمام ارکان دولت کے ساتھ سلطان کے ہاتھوں اسیر ہو گیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ خلیفہ کے لشکر میں سے کسی شخص کو کوئی گزند نہ پہنچے اور فوج صرف لوٹ مار پر قناعت کرے۔ اس حماقت میں جانبین کے پانچ نفوس سے زیادہ کام نہ آئے۔ سلطان مسعود نے خلیفہ کے ارکان دولت کو قلعہ میں مقید کر دیا مگر سلطان نے خلیفہ کا احترام کیا اس کے ساتھ مراغہ تک گیا اور اس واقعہ کی اطلاع اپنے چچا سلطان خجری کو دی مگر اتفاق ایسا ہوا کہ انہیں دونوں زلزلے اور بجلی گرنے کے واقعات متواتر پیش آئے اور سخت آندھنیوں نے سارے خطہ کو تہس نہس کر دیا۔ عوام نے اس بلائے ناگہانی کو اس واقعہ (یعنی خلیفہ کی اسیری) کا نتیجہ خیال کیا۔ سلطان خجری نے مسعود کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے کہ ”امیر المومنین کی خدمت میں فوراً جا کر معافی مانگئے اپنی غلطیوں سے توبہ کرے اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ بھلیوں کا بار بار گناوارا ایسی تند و تیز آندھنیوں کا جسے کسی نے اب تک نہیں دیکھا میں روز تک لگا تار چلتے رہتا اسی سبب سے ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اس تشویش سے فوجیں اور مخلوق خدا مضطرب و بے قرار ہوں گی“ اس غلطی کی تلافی کو واجب اور ضروری جانے۔ اس واقعہ سے سلطان خجری کی خدا ترسی و خوش اعتقادی پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

برکف سلطان مسعود اس حکم کی بجا آوری کے لئے امیر المومنین کی خدمت میں گیا اور عذر و استغفار و اقرار گناہ کے بعد معافی مانگی۔ سلطان مسعود نے برکت (قہقہہ) کی خاطر

امیر المومنین کا غاشیہ (زین) اٹھایا اور اس کی سواری کے ساتھ پایادہ اس کے سراپردہ تک جو اس نے نصب کیا تھا خود گیا۔ جب امیر المومنین تخت پر متمکن ہوئے تو سلطان مسعود حامیوں اور نانہیوں کی جگہ پر کھڑا رہا۔

سلطان سبخر نے دوبارہ قاصد بھیجا کہ امیر المومنین کو بغداد جانے کا خیال ہو گا اس لئے اس بارے میں شایان شان انتظام کیا جائے۔ اس کی اطلاع کی غرض سے سلطان سبخر نے اپنے ایک معتمد اور (اعتبار کے آدمی) کو جو اس کے اہم مقرروں میں تھا، سلطان مسعود کے پاس روانہ کیا۔ سلطان مسعود اس قاصد کے استقبال کے لئے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ ملعون ملاحظہ کی ایک جماعت جو اس تاک میں تھی درگاہ خلافت کو لشکر و سپاہ سے خالی پا کر اچانک بارگاہ میں کھس گئی اور امیر المومنین کو سبخر مار دیا یہ واقعہ ۵۲۹ھ کو پیش آیا۔ سلطان مسعود نے بڑا رنج کیا اور شایان شان مجلس تعزیت برپا کی۔ اور خلیفہ کو مراغہ کے اندرونی حصے میں دفن کر دیا۔ سلطنت سبخری کے بدخواہوں اور تنگ نظروں کا ایک گروہ اس حادثہ کو سلاجقہ کی جانب منسوب کرتا ہے۔ (یعنی خلیفہ کو سلطان کے حکم سے مار ڈالا گیا) مگر سلطان سبخر نے دین حنیف کی تقویت و اتباع میں جس حسن نیت کا اظہار کیا ہے اس کی بناء پر اس پر اس قسم کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔

بزرگ امید کی موت

بہر کیف بزرگ امید جو جمالت کے صحراء میں ضلالت کے سرے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ۵۳۱ھ ہجری الاولیٰ ۵۳۲ھ میں پانصاں ہلاکت ہو گیا اور اس کے جشہ (جسم) کے ایدہ من سے دونوں کرم ہوا۔

محمد بن بزرگ امید

بزرگ امید کا بیٹا محمد جسے اس نے اپنی موت سے تین دن پہلے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا اس کے طریقہ کا قیام ہوا۔ اس کے باپ کا گھناؤنا انجام خلیفہ المستورشد کے قتل پر ہوا اور اس کے کام کا مذہبوم آغاز المستورشد کے بیٹے خلیفہ الراشد ۸۳ھ کے قتل سے ہوا۔

الراشد کا قتل

اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب الراشد مسند خلافت پر متمکن ہوا، کچھ لوگوں نے اسے خلافت سے ہٹانے کا ارادہ کیا مگر لوگوں کی بڑی تعداد اس کی بیعت پر قائم رہی وہ سلطان

مسعود کے ساتھ کئی بار جنگ کرنے کے بعد ملاحہ پر حملہ کے پختہ ارادہ اور اپنے باپ کے خون کے انتقام کے عزم کے ساتھ بغداد سے روانہ ہوا۔ راستے میں بیمار پڑ گیا مگر اس کمزوری کی حالت میں بھی اس نے سفر جاری رکھا اور اصفہان پہنچ گیا۔ ندائیوں نے دفعہ ”اس کی بارگاہ میں گھس کر اسے خنجر سے ہلاک کر دیا۔ وہیں اس کی تدفین عمل میں آئی۔ اس وقت سے عباسی خلفاء عوام سے حجاب میں رہنے لگے۔

محمد بن بزرگ امید کی ہلاکت

محمد بن بزرگ امید حسن صباح اور اپنے باپ کے مذہب کی اتباع میں اس کے قواعد (ارکان) کے استحکام میں لگا رہتا تھا۔ وہ اسلام کے رسوم کے قیام اور شرع کے التزام (پابندی) میں بھی ملاحہ کے ظاہر کردہ طریقہ پر کار بند تھا وہ سمر ربیع الاول ۵۵۵ھ میں فوت ہو گیا۔

محمد بن بزرگ امید کے بیٹے حسن کی ولادت کا بیان

حسن ۵۵۲ھ میں پیدا ہوا جب حسن بلوغ کے قریب پہنچا تو اسے حسن صباح کے مذہب کے عقائد پر بحث اور ان کی تحصیل کی ہوس ہوئی اور اپنے اسلاف کے عقائد کی بحث و تعلیم میں منہمک ہو گیا، حسن نے دعوت اسماعیلیہ اور طریقہ صباحی کے لوازمات کی پوری اتباع کی۔ اور اس کے بیان میں بڑی مہارت پیدا کر لی۔ چونکہ اس نے ان کلمات میں صوفیوں کے مواعظ و نکات کی آمیزش کر دی تھی۔ اور اپنی تحریجات (ایجادات) سے رطب و یابس کو اس قالب میں ڈھال لیا تھا، اس لئے اس کے خطاطی اقوال اور ان جیسی دوسری باتوں سے عوام اور ناقص افراد سخت متعجب ہوتے تھے۔ حسن نے اپنے باپ عمر کے زمانہ میں ان باتوں سے اور دعوت اسماعیلیہ کی غویوں کو بیان کر کے اپنی سخن آرائی سے لوگوں کو بہت زیادہ اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ چونکہ اس کا باپ (محمد) اس طریقہ سے نابلد و ناواقف تھا، اس لئے اس کا بیٹا (حسن) اپنی ان فریب کاریوں اور لمع سازیوں کے باعث اس سے کہیں زیادہ برتر دکھائی دینے لگا۔ اس وجہ سے اس کی گمراہی اور بڑھ گئی اور عوام میں اس کی اتباع کی خواہش پیدا ہو گئی چونکہ ان لوگوں نے اس کے باپ سے اس قسم کے مقالات نہ سنے تھے وہ اس شک میں پڑ گئے کہ جس امام کا حسن صباح نے دعوہ کیا تھا وہ یہی ہے۔ سو اس گروہ کی عقیدت اس سے اور زیادہ ہو گئی اور وہ اس کی پیروی میں بڑی عجلت سے کام لینے لگے۔

محمد کا حسن کی حرکات سے اظہارِ بیزاری

اس کے باپ محمد نے جب یہ حال سنا اور لوگوں کے خیالات سے اسے آگاہی ہوئی تو چونکہ وہ اپنے باپ (کیا بزرگ) اور حسن صباح کے مقررہ قاعدوں کی پابندی میں جو کہ امام کی دعوت کے امور اور شعارِ اسلام کے اظہار سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑا سخت تھا اور اپنے بیٹے حسن کے طریقہ کو دعوت کے اصول سے دور و مختلف سمجھتا تھا اور اپنے بیٹے کی اس روش کا سخت انکار ہی تھا، اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا ”یہ حسن میرا بیٹا ہے اور میں امام نہیں ہوں بلکہ امام کے داعیوں میں سے ایک داعی ہوں۔ جو شخص اس بات کو کہ حسن امام ہے سن کر اس کی تصدیق کرے گا وہ کافر اور بے دین ہو جائے گا۔“ اس بناء پر محمد بن کیا بزرگ نے ایک جماعت کو جس نے اس کے بیٹے حسن کی امامت قبول کر لی تھی، طرح طرح کے عذاب سے مثلاً کرا دیا (ٹکڑے ٹکڑے کر دیا) اس نے اس (جرم) میں ایک ہی دفعہ میں دو سو پچاس آدمیوں کو الموت میں مروا ڈالا۔ اور دوسرے دو سو پچاس افراد کو جن پر یہی جرم عائد کیا گیا تھا، گرفتار کر کے قلعہ سے باہر نکلا دیا (حسن کے پیرو) اس سبب سے خوف زدہ اور محتاط ہو گئے۔ حسن بھی اپنے دعویٰ امامت پر اصرار سے خائف ہو گیا اور اپنے باپ سے ڈر کر اس سے تبراء (برائت) اور اس سے علیحدگی کے بارے میں مضامین لکھے اور جو لوگ اس کی امامت کا عقیدہ رکھتے تھے ان پر اس نے لعن طعن کیا حسن نے اپنی امامت کے عقیدہ کے ابطال اور اپنے باپ کے مذہب کے اثبات و استحکام میں بڑا مبالغہ کیا اور اس پر رسالے لکھے جو اب تک اس جماعت میں مشہور ہیں حسن پوشیدہ طور پر شراب پینے میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے باپ کو اس کی بہت بڑی تو اس نے اس کا کھوج لگانے کی بڑی کوشش کی حسن نے اس تہمت سے اپنے کو بظانف الحیل (طرح طرح کے جیلوں سے) بچایا اور یہ خیال اس کی باپ کے دل سے نکل گیا۔

ملاحدہ کے باطل عقائد

مکران کے بے دین گمراہ پیروکار جو شریعتِ اسلامیہ کے خاتمہ کے درپے تھے، حرام کے ارتکاب اور شراب پینے کو امام موعود کے ظہور کی علامت جانتے تھے۔ جب حسن خود اپنے باپ کا جانشین ہوا تو اس کے حامی و پیرو اس اعتقاد کے بموجب جو وہ اس کے بارے میں رکھتے تھے اور اسے امام سمجھتے تھے، اس کی تعظیم میں بڑا مبالغہ کرنے لگے۔ وہ جب حکومت پر بے شرکت غیرے قابض ہو گیا تو لوگوں کو اس ہریان پر کسی قسم کی سرزنش نہ کی اور نہ کوئی سزا دی بلکہ اپنی تخت نشینی کے آغاز میں ہی وہ ان رسوم شرعی اور اسلامی قاعدوں کو جن کی

پابندی حسن صباح کے وقت سے وہ لوگ کرتے تھے مسخ و فسخ ہونے کو درست و صحیح قرار دیا اور ان قدم رسوم شرعیہ میں تغیر و تبدل کرنے لگا۔

شریعت کے ابطال کا اعلان

۵۵۹ھ کے رمضان میں حسن نے حکم دیا کہ قلعہ الموت کے دامن میں (باہر کے میدان میں) منبر بنائیں جس کا رخ اہل اسلام کے قاعدے کے برخلاف قبلہ کی جانب تھا۔ جب ۷۷ رمضان کا دن آیا تو اس نے اپنے ملک کے باشندوں کو جنہیں اس نے اس دن الموت میں جمع کیا تھا حکم دیا کہ اس میدان میں جمع ہوں۔ چار بڑے علم جن کے رنگ سپید، سرخ، سبز اور زرد تھے اور جنہیں اس دن کے لئے تیار کرایا گیا تھا، منبر کے چاروں ارکان میں نصب کئے گئے۔ حسن منبر پر بیٹھا اور ان بد بختوں پر جو اس کے برکات اور گمراہ کرنے کی وجہ سے شقاوت و نقصان کی سمت متوجہ ہوئے تھے ایسا ظاہر کیا کہ قابلِ مذمت پیشوا یعنی امام مہوم کی جانب سے، جو مقتود و غیر موجود تھا، خفیہ طور سے اس کے پاس آوی پھنچا ہے اور ان کی اصطلاح و تعبیر کے مطابق ان کے فاسد عقائد کے اصول کی تمہید و تنظیم سے متعلق خطبہ دستاویز لایا ہے۔ صحیح سمت سے بٹے ہوئے منبر پر بیٹھ کر حسن نے اپنے گمراہ و باطل مذہب کے معاملہ پر اس مضمون کا ایک خطبہ دیا کہ ”ان کے امام نے مسلمانوں اور ان پر رحمت و سکون کے دروازے کھول دیئے ہیں، ان کے لئے ترم و مہربانی (کا پیغام) بھیجا ہے، انہیں اپنا خاص منتخب غلام کہا ہے، شریعت کے فرائض، ذمہ داریوں اور رسوم کو ان سے اٹھالیا ہے اور انہیں قیامت میں پہنچادیا ہے۔“

حسن کا خطبہ

بعد ازاں حسن نے عربی زبان میں ایک خطبہ، جس کے تمام مطالب و معانی جھوٹ، فریب اور خرافات تھے اور اکثر الفاظ غلط پست اور خطائے فاحش تھے اور جس کی عبارتیں الجھی ہوئی اور ٹولیدہ تھیں، یہ کہہ کر پڑھا کہ ان کے معدوم امام کی یہ نامعلوم باتیں ہیں۔ اس نے اپنے جاہل و گمراہ متبعین میں سے ایک شخص کو جو عربی زبان سے واقف تھا۔ ان مردود مطالب و ناپسندیدہ الفاظ کو فارسی زبان میں حاضرین سے بیان کرنے کے لئے کھڑا کیا۔ خطبہ کا مضمون یہ تھا۔ ”حسن بن محمد بن بزرگ امید ہمارا خلیفہ (جانشین و نائب) حجت اور داعی ہے۔ ہمارے شیعہ دینی و دنیاوی امور میں اس کے مطیع و تابع رہیں۔ اس کے حکم کو ہمارا حکم جانیں، اس کے قول کو ہمارا قول سمجھیں اور جان لیں کہ ہمارے مولا (امام) نے (ان کے

منہ میں خاک) اسماعیلیوں پر رحم کیا اور انہیں اپنی رحمت کی جانب بلایا اور خدا تک پہنچایا اور اس سے جا ملایا ہے۔

حسن نے اس طرح کے دھوکے، مکر، لہجہ حسن اور لادینی کی بیچ باتیں جو شرع میں نامعلوم اور عینک میں ناپسندیدہ ہیں پڑھ کر سنائیں اس گھٹیا خطہ کے پڑھنے اور ناروا بات کے بیان کرنے کے بعد وہ خبر سے اترا اور رکعت نماز عید ادا کی، دسترخون بچھوایا، لوگوں کو سامنے بلایا کہ اظہار کریں، سو لوگوں نے اظہار کیا۔ یہ سارے افعال عید کی رسومات کے بطور ہو د۔ لہجہ و نہیات شرعیہ کے ارتکاب اور اظہار طرب و نشاط کے ساتھ انجام پائے۔

عید قیام

حسن نے اس دن کو عید کا دن قرار دیا چنانچہ اس وقت سے ملاحدہ ۷۷ رمضان کو عید قیام کہتے ہیں ان میں سے اکثر اس روز شراب نوشی میں اسہاک اور کھیل کود کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ اس بے شرمی و پردہ دری سے اپنے درمیان مقیم مسلمانوں سے اپنی عداوت و دشمنی کا اظہار کرتے ہیں۔

حسن نے اپنی بد سیرتی کو جو بصیرت کے لئے گمراہ کن تھی اس فصل (تقریر) اور خطبہ کے دوران ایسا ظاہر کیا ہے کہ وہ امام کی جانب سے حجت اور داعی ہے یعنی اس کا قائم مقام و نائب ہے حالانکہ وہ خود محمد بن بزرگ امید کا بیٹا تھا کیونکہ ان کے قلموں کے دروازوں دیواروں کے کتبوں اور تحریروں کے عنوانوں پر غرض ہر جگہ یہی لکھا ہے کہ وہ حسن بن محمد بن بزرگ امید ہے۔ مگر اس کے بعد ان جاہلوں اور گمراہوں کے دوسرے اقوال کی طرح جو کہ سب کے سب کمرہ فریب ہیں اور اس ضرب المثل کے مصداق ہیں کہ ان کے دل میں کچھ ہے اور زبان پر کچھ (وہ کتنا کچھ چاہتے ہیں اور ظاہر کچھ اور کرتے ہیں۔) انھوں نے اسے انکار کیا۔

حسن کا دعویٰ امامت

حسن اپنے تحریر کردہ بے اصول فصول و مقالات میں جنہیں وہ لکھتا تھا اور اپنے غیر مذہب مذہب کی توجیح کے دوران بار بار اشارہ "اور کبھی کبھی بہ تصریح ایسا ظاہر کرتا تھا کہ ہر چند کہ وہ بظاہر محمد بن بزرگ امید کا بیٹا جانا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ امام ہے امام کا بیٹا ہے اور نزار بن المستنصر کی اولاد سے ہے۔

قہستان میں حسن کی امامت کا اعلان

چنانچہ جس وقت اس نے اپنی دعوت قیام (قیامت کا پیغام) نشانات (یعنی چار علموں) کے ساتھ قہستان بھیجا کہ وہاں بھی اس کی تفسیر کی جائے تو اس نے اس بات کا (کہ وہ نزار کی نسل سے ہے) مراحت سے ذکر کیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ رئیس مظفر جو قہستان کا حاکم اور اس کا نائب تھا اس کے پاس حسن نے محمد خاقان نامی شخص کے ہاتھ اس خطبہ دستاویز اور مقالہ (کی ایک نقل) جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے، لوگوں کے سامنے پڑھنے اور اعلان کی غرض سے روانہ کی۔ رئیس مظفر نے ۲۸ ذوالقعدہ ۵۵۹ھ کو اپنے قلعہ میں کہ ان کے الحاد و کفر کا نشانہ (گڑھ) تھا اور جسے مومن آباد کہتے تھے، ایک منبر اس انداز میں صحیح سمت سے کچ نصب کروا جیسا کہ اس کے رسوائے زمانہ امام نے الموت میں نصب کروا تھا۔ اس منبر پر بیٹھ کر رئیس مظفر نے اس خطبہ، دستاویز اور مقالہ کو پڑھا اور محمد خاقان نے منبر کے دوسرے پایہ پر کھڑے ہو کر حسن کی زبان سے پیغام سنایا کہ ”مستنصر نے اس سے پہلے الموت میں پیغام بھیجا تھا کہ لوگوں کے درمیان خدا کا خلیفہ (نائب) ہمیشہ رہنا چاہئے اور اس خلیفہ کا بھی ایک خلیفہ ہونا چاہئے۔ آج خدا کا خلیفہ میں ہوں اور میرا خلیفہ حسن صباح ہے۔ اگر لوگ اس کا حکم بجالائیں گے۔ اور اس کی اتباع کریں گے تو وہ میرا کہ مستنصر ہوں، فرمان بجالائیں گے۔ آج میں کہ حسن ہوں یہ کہتا ہوں کہ روئے زمین پر خدا کا خلیفہ (نائب) میں ہوں۔ اور میرا خلیفہ یہ رئیس مظفر ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ اس کا حکم بجالائیں۔ اور وہ جو کچھ کہے اسے اپنا دین سمجھیں۔“ جس دن مومن آباد کے دارالحاد میں اس بے شرمی کا انشاء اور اس برائی کا اعلان ہوا، اس منبر کے نیچے اس مجمع میں جنگ و رباب بجائے گئے اور یرطا شراب پی گئی۔

حسن کے نسب سے متعلق پہلی روایت

ان مجہول نادانوں اور مخدول (بے شرم) باطل پرستوں کے ہاں حسن کی بے بود و ولادت اور اس کے نزار کی نسل کے ایک فرضی مدعی کی جانب مطعون انتساب سے متعلق دو روایتیں ہیں۔ یہ دونوں روایتیں بلکہ گمراہی کی یہ دونوں باتیں اس قول کے مصداق کہ محال پر جو بات منی ہوتی ہے وہ بھی محال ہی ہوتی ہے محال و بعید از حقیقت ہیں۔ اس میں سب سے مشہور توجیہ جس پر اکثر ملاحدہ کا اعتقاد ہے، یہ ہے کہ مصر سے ایک شخص قاضی ابوالحسن صعیدی جو مستنصر کے مقربوں اور بااعتماد لوگوں میں تھا مستنصر کی وفات سے ایک سال بعد ۵۸۸ھ میں حسن صباح کے پاس الموت آیا۔ اس نے یہاں چھ ماہ قیام کیا اور اس سال رجب کے مہینے میں مصر واپس چلا گیا۔ حسن صباح اس شخص کی تعظیم و توقیر میں بڑا مبالغہ کرتا

تھا۔ یہ شخص نزار کی نسل کے ایک لڑکے کو چھپا کر الموت لایا اور اس راز کا حسن صباح کے سوا کسی سے ذکر نہ کیا۔ اس لڑکے کو الموت کے زیرِ قلعہ میں واقع ایک گاؤں میں ٹھہرایا گیا۔ اس میں یہ حکمت ازلی تھی کہ امامت کا مرکز مصر سے دیلم کے علاقے میں منتقل ہونا تھا اور دعوتِ قیامت کا اعلان و اظہار بھی الموت میں ہونا تھا۔ (المختصر) وہ لڑکا جو مصر سے الموت آیا تھا اس کا بیٹا جو الموت کے علاقے میں پیدا ہوا تھا اور لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہ تھا، محمد بن بزرگ امید کی بیوی سے اس نے زنا کی جس سے اس عورت کے حمل ٹھہ گیا۔ چونکہ یہ نامبارک ولادت محمد بن بزرگ امید کے گھر میں ہوئی تھی محمد نے بھی اور اس کے پیروؤں نے بھی یہی سمجھا کہ یہ نومولود (حسن) اسی (محمد) کا بیٹا ہے۔ حالانکہ حسن خود امام اور امام زادہ تھا۔ اسماعیلیوں کے نزدیک درست تر و مناسب تر روایت یہی ہے اور ان کے جمہور کا اسی پر ایمان ہے۔ یہ بات طرح طرح کی رسوائی و ذلت پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ جس بیٹے (حسن) کی امامت کے قائل ہیں وہ حرامزادہ اور ولد الزنا تھا۔ دوم یہ کہ حسن کے اس فرضی نسب کا اثبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے صریحاً خلاف ہے کہ الولد للفرأش و للماہر الحجر ۸۵ (یعنی بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہے)۔ سوم یہ کہ اسماعیلیوں نے اس سقیم و نادورست امر کی تصحیح و درستی کی خاطر انبیاء و رسل کے حالات سے اسے تشبیہ دی اور پاک پیغمبروں کے بارے میں اس قسم کی شرم ناک بات گزرمی۔ یہ بہت بڑی معیبت اور آخرت میں محرومی و بد بختی کا سبب ہے۔ ان اسماعیلیوں کا کہنا ہے کہ حسن کا محمد بن بزرگ امید کی جانب یہ انتساب بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کا انتساب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی جانب تھا کیونکہ اسماعیل دراصل ملک السلام کے بیٹے تھے (نہ کہ ابراہیم کے) اس ملک السلام کا ذکر توریت میں ”ملحد و اقلخ شولیم“ کے نام سے آیا ہے (اس کا عربی میں ترجمہ ملک الصدق یا ملک السلام ہے) یہ شخص اس گمراہ گروہ کے زعم میں اس کے اماموں میں سے تھا اسماعیل اس کے بیٹے تھے مگر لوگ انہیں حضرت ابراہیم کا بیٹا سمجھتے تھے۔ اس دعویٰ کی بنیاد پر اسماعیلیوں کے نزدیک حضرت اسماعیل امام ہوئے حضرت ابراہیم نہیں۔

نسب کی دوسری توجیہ

(حسن کے انتساب کی) دوسری توجیہ جس پر بزرگ امید کی اولاد و اقارب یعنی الموت کے نواح کے خواص کا ایمان تھا یہ ہے کہ محمد بن بزرگ امید کے ہاں الموت کے قلعہ میں ایک بیٹا پیدا ہوا اسی روز اس امام مجہول کے ہاں جس کا کوئی وجود نہ تھا الموت کے زیرِ قلعہ ایک گاؤں میں یہ حسن بطن مادر سے تولد ہوا۔ اس کے تین دن بعد ایک عورت الموت کے

قلعہ میں آئی اور محمد بن بزرگ امید کے گھر میں داخل ہو گئی۔ کئی اشخاص نے دیکھا کہ اس عورت کے پاس چادر میں کوئی چیز تھی وہ اس جگہ جہاں محمد بن بزرگ امید کا بیٹا سو رہا تھا بیٹھ گئی۔ اس وقت حکمت خداوندی سے کوئی اور شخص وہاں موجود نہ تھا۔ اس عورت نے حسن کو جو امام کا بیٹا تھا اس جگہ رکھ دیا اور محمد بن بزرگ امید کے بیٹے کو چادر میں چھپا کر وہاں سے چلی گئی۔ یہ دوسری توجیہ پہلی توجیہ سے بھی زیادہ رسوا کن اور لغو ہے کہ ایک اجنبی عورت بادشاہ کی حرام سرا میں داخل ہو جائے اور بادشاہ کے بچے کے قریب کوئی نہ ہو کہ وہ غیر کے بچے کو اس کی جگہ رکھ کر بادشاہ کے بچے کو اٹھا کر یوں چلتی بنے کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ اور اس کے بعد باپ، ماں، دایہ، ملازمین اور خدمت گاروں میں سے کسی کو غیر کے بچے اور اپنے بچے کی صورت میں فرق و تفاوت کا پتہ نہ چلے اور کوئی اسے پہچان نہ سکے۔ یہ توجیہ بے شبہ عقل و حس اور عرف و عادت کے خلاف ہے اسماہلی اس دوسری توجیہ کی تصدیق میں حسن کے بیٹے محمد بن حسن سے یہ روایت کرتے ہیں کہ حسن، محمد بن بزرگ امید کا اسی طرح بیٹا تھا جس طرح اسماعیل حضرت ابراہیم کے بیٹے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت ابراہیم کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت اسماعیل ان کے بیٹے نہیں، بلکہ امام کے بیٹے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ صلوات اللہ علیہ و آلہ کے بچوں کی یہ تبدیلی حضرت ابراہیم کے علم و رضا سے عمل میں آئی تھی اور یہ راز ان سے مخفی نہ تھا مگر محمد بن بزرگ امید اس راز سے ناواقف تھا سو وہ حسن کو جو امام تھا اپنا بیٹا سمجھ بیٹھا۔

محمد بن بزرگ امید پر قتل امام کا الزام

وہ اسماعیلی جو پہلی روایت پر اعتقاد رکھتے ہیں ان کا بیان ہے کہ محمد بن بزرگ امید کو بیٹے (حسن) کی ولادت کے بعد یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے اور اس شخص نے جسے یہ گمراہ کردہ اپنا امام مانتا تھا اس کی بیوی کے ساتھ زنا کی ہے سو اس نے خفیہ طور سے اسے مروا ڈالا۔ اس بدگمانی کی وجہ سے کہ محمد بن بزرگ امید نے امام کو قتل کرا دیا تھا اور نیز اس لئے کہ وہ حسن بن صباح کے مذہب کے اصول پر جو عین رسوائی تھا نہایت سختی سے کار بند تھا اسماعیلی اس کے خلاف ہیں اور اکثر اس پر لعنت بھیجتے ہیں وہ اس کی قبر کی زیارت کو جو حسن بن صباح، بزرگ امید اور دہدار بوعلی اردستانی کے پہلو میں ہے، رد نہیں رکھتے اور اس کا احترام جائز نہیں سمجھتے۔

حسن کے نسب کا بیان مزید

اکثر ملاحظہ اس حسن اور اس کے درمیان آباء کی تعداد میں دو گروہوں میں بٹ گئے

ہیں اور مختلف العیال ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ حسن و زرار کے درمیان تین آباء (نام) ہیں اور چونکہ ان تینوں کے نام معلوم نہیں ہیں، اس لئے محض ان کے القاب سے انہیں موسوم کرتے ہیں۔ اس طرح حسن بیٹا ہے القاہر بقوۃ اللہ کا اور وہ بیٹا ہے المہتدی کا اور یہ بیٹا ہے الہادی کا جو المصطفیٰ زرار بن خلیفہ المستنصر باللہ کا بیٹا ہے (یعنی حسن بن القاہر بقوۃ اللہ بن المہتدی بن الہادی بن مصطفیٰ زرار بن المستنصر) دو سرے گروہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حسن اور زرار کے مابین دو آباء سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور القاہر بقوۃ اللہ خود حسن کا لقب ہے۔ یہ لوگ اس نسب کو یوں بیان کرتے ہیں کہ حسن بیٹا ہے المہتدی کا اور وہ بیٹا ہے ہادی کا جو زرار کا فرزند ہے (یعنی حسن بن المہتدی بن ہادی بن مصطفیٰ زرار بن المستنصر باللہ)۔

حسن علی ذکرہ السلام

ملاحذہ کے اس گروہ میں اس حسن کی شہرت ”علی ذکرہ السلام“ کے لقب سے ہے۔ اس شخص کے لئے یہ لقب ابتداء میں بطور دعاء ہو گا جسے اس کے حین حیات وہ لوگ آپس میں کہتے ہوں گے۔ اس کے بعد اس لقب کی اتنی شہرت ہوئی کہ اسے اس کے سوا کسی اور نام سے وہ لوگ پکارتے ہی نہیں۔

ملاحذہ کے عقائد

فی الجملہ اس بے فائدہ مذہب کا ماحصل اور اس سراسر شرد و عوت کا راز یہ تھا کہ فلاسفہ کی طرح عالم کو قدیم کہتے تھے، زمانہ کو لامتناہی اور معاد (بعث بعد الموت) کو روحانی سمجھتے تھے۔ بہشت و دوزخ اور جو کچھ ان میں ہے ان کی یہ تاویل کرتے تھے کہ وہ سب روحانی ہیں۔ وہ اس بناء پر یہ کہتے تھے کہ قیامت بھی اس وقت برپا ہوگی جب مخلوق خدا تک پہنچ جائے اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے کائنات کے بواطن (پوشیدہ چیزیں) و حقائق (اصلیت، حقیقت) ظاہر ہو جائیں اور اعمال طاعت (عبادت) مرتفع ہو جائیں (اٹھائے جائیں) (کیونکہ عالم دنیا سراسر عمل ہے اور آخرت سب کی سب حساب و جزاء ہے۔ اور یہ حساب روحانی ہے۔ وہ قیامت جس کا تمام مل و مذاہب میں وعدہ کیا گیا ہے اور جس کا انتظار ہے وہی ہے جس کا حسن نے اعلان و اظہار کیا اور یوں شریعت کی پابندی (تکالیف شرعی) لوگوں سے اٹھا لی گئی ہے کیونکہ اس دور قیامت میں سب کو تمام وجوہ سے اللہ کی جانب متوجہ ہونا چاہئے اور شریعت کی رسوم و عبادت موقت (وقت کی پابندی کے ساتھ عبادات گزاری) کو ترک کر دینا

چاہئے اسماعیلیوں کی شریعت کے مطابق رات دن میں پانچ بار خدا کی عبادت کرنے اور خدا کا ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ تکلیف ظاہری تھی۔ مگر دور قیامت میں ہمیشہ خدا کے وجود کا اقرار اور اپنے نفس کو برابر خدا کی جانب متوجہ رکھنا نماز حقیقی ہے۔ اسی طرح انہوں نے شریعت کے تمام ارکان اور اسلام کی رسوم کی تاویل کی انہوں نے ان کے تظاہر (ظاہر) عبادات و رسوم کی بجائے (وری) کو مرتفع سمجھا اور اکثر حرام و حلال (کے فرق) کو اٹھا دیا۔ حسن نے متعدد مقامات پر کبھی صراحت کے ساتھ اور کبھی کنایہ کے بطور بیان کیا ہے کہ جس طرح دور شریعت میں اگر کوئی طاعت و عبادت بجا نہ لائے اور دور قیامت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے طاعت و عبادت کو روحانی سمجھے تو اسے سزا دیں اور سنگ سار کر دینا چاہئے اسی طرح اگر کوئی دور قیامت میں دور شریعت کے حکم پر چلتے ہوئے عبادت اور جسمانی رسوم کی ادائیگی کی پابندی کرے، تو اسے سزا دینا، مار ڈالنا، سنگ سار کر دینا اور عذاب دینا نہایت ضروری ہے۔ اس خرافات کے طریقے کی وجہ سے یہ اسماعیلی اس حد تک گمراہ ہوئے کہ اباحت کے چکر میں پھنس گئے۔ ان کے غلام (غالی، متعصب، متشدد) یا تو نادانی سے یا دانستہ اباحت کے قائل ہو گئے اور ان میں سے ایک گمراہ جماعت نے اپنے گمراہ ائمہ کے بارے میں الوہیت (خدا کی) کا دعویٰ کیا جبکہ یہ (ائمہ) چوپایوں و درندوں اور حشرات الارض (کیڑے کوڑوں) سے بھی زیادہ گھنیا تھے۔

ملاحدہ کے ملک سے مسلمانوں کی نقل مکانی

جب ملاحدہ نے ان بدعات و الحاد کو جائز قرار دیا تو ان علاقوں میں آباد ایسے لوگ جو عقل مند تھے اور نور بصیرت کا سایہ ابھی ان کے دلوں پر پڑتا تھا، ان گمراہوں کے درمیان رہائش ترک کر کے خفیہ و علانیہ مسلمانوں کے علاقوں میں اٹھ آئے خصوصاً "قہستان" کا علاقہ جہاں سے لوگوں کی بڑی تعداد ہجرت کر کے خراسان چلی گئی۔ ایسے لوگ جن میں ہجرت کی طاقت نہ تھی یا جو اپنے گھربار کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اپنی بد بختی کے باعث بدنامی اور الحاد سے موسوم کئے جانے پر راضی ہو گئے۔ یہ لوگ دل سے مسلمان تھے اور جب ممکن ہوتا خفیہ طور سے شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کرتے تھے یوں قرآن مجید کے مطابق ان میں کچھ ہدایت یافتہ تھے لیکن ان کی اکثریت فاسق و بدکار تھی۔

حسن کا قتل

اس بے ہودہ عقد (اعلان قیامت) کی وجہ سے اسماعیلی حسن بن محمد بن بزرگ امید کو

کہ ان کے بقول علی ذکرہ السلام تھا، ”قام قیامت“ اور اس کی دعوت کو ”قیامت“ کہتے تھے۔ ان لوگوں میں جن کے ضمیر کے مشام میں خدا ترسی و ایمان داری کی خوشبو پہنچی تھی حسن کی پیروی کا ایک بھائی بھی تھا جس کا نام حسن بن نام آور تھا یہ شخص دیار و یلم کے بوہڑوں کی نسل سے تھا۔ وہ ان بے شرمی کی باتوں (فضائح) اور گمراہیوں (ضالیل) کے افشاء و اظہار پر صبر نہ کر سکا، اللہ اس پر رحم کرے اور اس کی حسن نیت کا اسے نیک اجر دے، اس نے یک شبہ، ۲۴ ربیع الاول ۵۵ھ کو گمراہ کن و گمراہ حسن کو قلعہ لمسو میں چھری مار کر ہلاک کر دیا اور وہ دنیا سے دونخ کی جلتی ہوئی آگ کی طرف چلا گیا۔

محمد بن حسن

حسن کا بیٹا محمد، جس پر گزرے ہوئے بد بخت ”شقی ماضی“ نے گمراہی کا حکم (حکم ضلالت) اور بزعم ملاحظہ ”نقص امامت“ کر رکھی تھی، ۸۸ سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا۔ اس نے حسن بن نام آور کو اس کے تمام قرابت و اردوں مردوں، عورتوں اور بچوں سمیت کہ اس دیار میں قبیلہ بوہڑ کے باقیات سے تھے، بڑے عذاب سے کھڑے کھڑے کر کے مروا ڈالا۔

یہ نام کا محمد (ستودہ صفات) اور اپنے اعمال میں مذم (قابل مذمت و مذموم) اس بدعت کے اظہار و اعلان میں جسے اسماعیلیہ دعوت قیامت کہتے تھے اور جس کا لازمی نتیجہ اباحت تھی اپنے باپ سے زیادہ عالی (مشہد) تھا اور اسی طرح امامت کے اظہار میں بھی اس سے بڑھ کر واضح و صریح تھا، ہر چند کہ وہ علم فلسفہ اور تمام علوم سے بے سرو و ناواقف تھا حکمت و فلسفہ کے جاننے کا دعویٰ کرتا تھا اس نے جو چند بے سلیقہ، فصلیں اور بے ترتیب اصول تحریر کئے ہیں، بقول خود اس نے ان میں فلاسفہ کی اصطلاحات درج کی ہیں اس نے حکماء کے انداز میں نکات بیان کر کے اپنے بازار کو رونق دی۔ اور تفوق و برتری حاصل کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص جو ایسی چیز سے اپنے کو آراستہ کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ اس کے مانند ہے جس نے مکر کے لباس پہن رکھے ہیں۔ اس (محمد) کے عربی زبان و ادب، حکمت و فلسفہ، تفسیر و اخبار و امثال و اشعار کے الفاظ و معانی میں سے اکثر جن کی ایجاد و تخلیق کا اس نے دعویٰ کیا ہے۔ تحریف، خرافات، غلط اور دوسروں سے اڑائے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق کہ اللہ سرکش میں کفار کی رسی ڈھیل دیتا ہے۔ اس عمر نے اپنی مملکت پر چھپالیس سال تک بادشاہی کی۔ اس کے عہد میں ملاحظہ نے بہت زیادہ ناحق خون بہایا، بڑے فتنے اٹھائے، کثرت سے فساد کئے، بہت سارا مال لوٹا، ڈاکے ڈالے اپنے الحاد پر حد درجہ مصر رہے اور کفر کے قائدہ پر ثابت قدم اور پختہ رہے۔

جلال الدین حسن کا حسن اعتقاد

اس کے کئی بیٹے تھے۔ ان میں سب سے بڑا حسن تھا جسے جلال الدین کے لقب سے پکارتے تھے۔ یہ ۵۵۳ھ میں پیدا ہوا۔ بچپن میں ہی اس کے باپ نے اس پر قائم مقامی کی نص کی تھی اور اسے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ جب وہ بڑا ہوا اور عقل کے آثار اس میں ظاہر ہوئے تو اس نے باپ کے طریقہ کا انکار کیا اور الحاد و باحت کی رسوم کو پلید و ناپاک سمجھ کر ان سے کراہت کی۔ اس کے باپ نے اس بات کو بھانپ لیا جس سے ان کے درمیان ایک طرح کا عداوت پیدا ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے سے خائف و محترض و محتاط رہنے لگے۔ دربار و عام اجتماعات کے موقعوں پر جب جلال الدین حسن شرکت کرتا تو باپ (محمد) اس کے خوف سے اپنے کپڑوں کے نیچے زہر پھنتا تھا اور اپنے قابل اعتماد ملاحظہ کو جو عقائد میں حد درجہ غالی و متشدد تھے اپنی جان کی حفاظت کی غرض سے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

جلال الدین جس نے یا تو حسن اعتقاد کے باعث یا باپ سے عداوت کے سبب اپنے باپ سے چھپا کر خلیفہ بغداد اور دوسرے ممالک کے سلاطین و لوگوں کی خدمت میں اپنے اچھی بیچے اور اس بات کا اظہار کیا کہ وہ اپنے باپ کے برخلاف عقیدہ میں مسلمان ہے اور باپ کے بعد وہ حکمران ہو گا تو الحاد کو ختم کر کے اسلام کے طریقے کو منظم و مرتب کرے گا۔ اس نے (بادشاہان اسلام سے) اسی طرح کے اتحاد و یگانگی کے روابط استوار کر لئے۔

محمد کی موت

نعمود (ناپسندیدہ) محمد اور مطرود (رانده) مقتدی و پیشوا دس ربیع الاول ۶۳۰ھ کو مر گیا۔ بعض (مورخین) کا خیال ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا۔

جلال الدین حسن کا دور حکومت اور اظہار اسلام

محمد کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین حسن کہ ولی عہد تھا اس کا جانشین ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے اسلام کا اظہار کیا اور اپنی قوم و متبعین کو زبردستی (ڈانٹ پھٹکار) کر کے الحاد سے منع کیا "انہیں اسلام کو لازم پکڑنے اور شریعت کی پیروی پر مجبور کیا اس نے (اپنے اسلام کے سلسلہ میں) خلیفہ بغداد (ناصر لدین اللہ ۸۴۷ھ) سلطان مدخوارزم شاہ ۸۸۸ھ و نیز عراق اور دوسرے اطراف کے لوگوں و امراء کے پاس اپنی روانہ کئے۔ چونکہ اس نے اپنے باپ کے دور حکومت میں امرائے اسلام کے ساتھ اتحاد کی تمہید کی تھی اور اطراف و جوانب میں اپنے اسلام کی اطلاع دی تھی اس لئے لوگوں (امراء و سلاطین) نے اس کی بات کی تصدیق کی خصوصاً دار الخلافہ (بغداد) کی جانب سے اس کے اسلام کی

تصدیق کی گئی اس پر عنایتیں کی گئیں۔ اس کے ساتھ خط و کتابت کا راستہ کھولا گیا۔ اور اس کو عزت و احترام کے القاب سے نوازا گیا۔ اس قابل تعریف عمل کی وجہ سے تمام بلاد اسلامیہ کے ائمہ نے اس کے اور اس کی قوم کے اسلام (مسلمان ہونے) کا فتویٰ دیا۔ اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے، اتحاد کرنے اور شادی بیاہ کرنے کی اجازت دی۔ وہ جلال الدین نو مسلمان کے نام سے مشہور ہوا اور لوگ اس کے زمانے میں اس کے پیروں کو نو مسلمان کہتے تھے۔

شعائر اسلام کا احیاء

جلال الدین حسن نے اپنے زیر نگیں علاقوں میں مساجد تعمیر کرائیں۔ خراسان و عراق سے فقہاء کو اپنے ہاں بلایا اور ان کی عزت افزائی کی یہ لوگ اس کے ملک میں قضاء، خطابت اور ان جیسی دوسری دینی خدمات انجام دینے لگے۔

اہل قزوین سے تعلقات

(مکر) قزوین کے باشندے کچھ تو اس لئے کہ وہ اسلام کے نجاتی کے ساتھ پابند اور بڑے متدین مسلمان تھے اور کچھ اس لئے کہ (ملاحظہ) کے پڑوس اور قربت کی بناء پر ان کے مکرو فریب سے (دوسروں کی بہ نسبت) زیادہ واقف تھے، ان کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھاتے اور نقصانات برداشت کرتے رہتے تھے، فریقین کے درمیان (بارہا) لڑائیاں ہو چکی تھیں اور دلوں میں دشمنی بیٹھ گئی تھی، شروع شروع اس کے اور اس کی قوم کے اسلام کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے ان کے اسلام پر یقین کرنے سے انکار کر دیا ان کے قاضیوں اور اماموں نے (ملاحظہ) کے بارے میں جانچ پڑتال اور غور و فکر کیا اور ان کے دعویٰ اسلام پر دلائل و بیانات مانگی۔ جب (اہل قزوین نے) دار الخلافہ اور دیگر اسلامی شہروں کے ائمہ کے فتاویٰ کی بناء پر (جلال الدین حسن اور اس کے متبعین کے) اسلام کا اعتبار کیا تو جلال الدین نے انہیں راضی کرنے میں بڑے مبالغہ سے کام لیا اور ان کے سرداروں کو شرف قربت بخشا چنانچہ اس کی درخواست پر اہل قزوین نے اپنے کچھ معززین کو الموت بھیجا انہوں نے حسن صباح اور جلال الدین کے آیا و اجداد کے کتب خانوں کو دیکھا۔ جلال الدین کے باپ دادا اور حسن صباح اور اسماعیلیوں کی دوسری کتابوں کے ان فصول و مضامین کو جن کا تعلق ان کے مذہب الحاد و زندقہ کے اثبات اور مسلمانوں کے عقائد کی مخالفت سے تھا، ان سب کو ان لوگوں نے علیحدہ کیا اور جلال الدین کے حکم سے ان کتابوں، مضامین و فصول کو اہل قزوین

کے روبرو جلا دیا گیا۔ ان قزوقیوں کی ایماء پر جلال الدین نے اپنے اسلاف اور دعوت اسماعیلیہ کے بانیوں پر لعن طعن کی۔

میں (جوینی، صاحب جہاں گشائی) نے قزوقیوں کے معززین اور قضاۃ کے پاس ایک دستاویز دیکھی جسے جلال الدین کی جانب سے تحریر کیا گیا تھا اس میں اس کے اسلام کی اتباع شریعت کو قبول کرنے کا بیان اور اپنے آباؤ اسلاف کے مذہب سے تمرا (بیزاری) کا ذکر تھا۔ جلال الدین نے خود اپنے قلم سے اس دستاویز کے آغاز میں چند سطریں تحریر کی تھیں اور اس مذہب (اسماعیلیہ) سے بیزاری کے ذکر میں جب وہ اپنے باپ دادا کے ناموں تک پہنچا تو ان پر بدعاء لکھی تھی جو تھی ملاء اللہ قبورہم نلوا (اللہ ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے)۔

جلال الدین اور اس کے پیرووں کے اسلام کی تصدیق اور اس کے اثرات قصہ مختصریوں جلال الدین اور اس کے پیرووں کا اسلام ظاہر ہو گیا، مسلمان ان سے کسی قدر مانوس ہو گئے۔ اور خلیفہ وقت و سلاطین عصر نے لوگوں کو ان کے قتل سے روک دیا۔

جلال الدین کی والدہ کا سفر حج

جلال الدین کی ماں جو ایک مسلمان خاتون تھی ۶۰۹ھ میں حج کی نیت سے اپنے ملک سے چل کر حجاز آئی جلال الدین نے اس کے ہمراہ سبیل ۸۹۰ روانہ کی تھی۔ بغداد میں اس کی ماں کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور حج کے راستہ میں اس کی سبیل کو اطراف و جوانب کے بادشاہوں کی سبیل کے آگے رکھا گیا۔

مسلمان امراء سے تعلقات

جلال الدین نے ایران و آذربائیجان کے بادشاہ اتابک مظفر الدین اوزبک سے دوستی بڑھائی اور دوسرے بادشاہوں کے ساتھ بھی وہ دوستی کا مظاہرہ کرتا تھا مگر اتابک مظفر الدین اوزبک ۹۰۰ھ سے اس کی گاڑھی چھٹی تھی۔ ناصر الدین منگلی ۹۰۰ھ جس نے عراق پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اتابک سے عداوت رکھتا تھا اور اس کے لشکر نے جلال الدین کے بعض علاقوں پر تاخت بھی کی تھی چنانچہ اتابک مظفر الدین اوزبک اور جلال الدین نے آپس میں عہد و پیمان کر کے (ناصر الدین منگلی کے خلاف) معاہدہ کر لیا۔ اور ۶۱۰ھ میں جلال الدین اتابک کی مدد اور منگلی سے جنگ کے قصد سے آذربائیجان گیا۔ ڈیڑھ سال تک جلال الدین اتابک کے ملک میں مقیم رہا۔ اتابک نے اس مدت میں اس کی خاطر ملحوظ رکھی، ان میں بھائی

چارہ رہا۔ (جلال الدین) کے پاس وافر مقدار میں سامان اور بڑی فراوانی سے مال بھیجتا رہا یہ خاطر مدارت اس حد تک بڑھی کہ جلال الدین اور اس کی فوج کے ہر طرح کے اخراجات اور ضروری سامان آتا کہ مہیا کرتا رہا۔ یہ سب ان تشریفات اور خلعتوں کے علاوہ تھا جو آتا کہ جلال الدین اور اس کے سرداروں اور عام لشکریوں کو دیتا تھا۔ وہ ہر روز ضروریات کے نام سے ایک ہزار دینار سرخ جلال الدین کے خزانے میں بھیجتا تھا۔ قصہ مختصر جلال الدین آتا کہ اوزبک کے ساتھ ایک عرصہ تک پہلغان میں مقیم رہا۔ ان دونوں نے دار الخلافہ، شام اور اس دیار کے حکمرانوں سے منکلی کے خلاف مدد طلب کی اور قاصد روانہ کئے۔ چنانچہ دار الخلافہ سے مظفر الدین وجہ السبع ۹۲ کو ایک بھاری فوج کے ساتھ مدد کی غرض سے بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ مظفر الدین کو کبوری بن زین الدین علی کو چک ارتیل سے اپنی فوج کے ساتھ ان سے آکر مل جائے اور جنگ کے موقع پر سب امراء اس کی رائے اور تدبیر پر کاربند ہوں اور اس کے حکم اور تعبیر کے مطیع رہیں۔ شام سے بھی ایک لشکر ان لوگوں کی مدد کو بھیجا گیا چنانچہ (ان سب نے) ۹۳ھ میں ناصر الدین منکلی کی ہمت سے بے کر (اس کا خاتمہ کر دیا) یہ واقعہ مشہور ہے یہاں اس کا تذکرہ اس تاریخ کے سیاق سے مناسبت نہیں رکھتا۔ (جنگ کے بعد) سیف الدین ایغلمش ۹۳ کو عراق میں منکلی کے بجائے تخت حکومت پر متمکن کیا گیا۔ اور ابہر و زنجان جلال الدین کو حق سبی کے بطور دیئے گئے۔ چند سال تک یہ دونوں شر اور اس کے مصافات جلال الدین کے گماشتوں کے تصرف میں رہے جلال ڈیڑھ سال تک عراق، اران اور آذربائیجان میں قیام کے بعد الموت واپس آیا۔ اس سفر میں اور ان ممالک میں اس کے قیام کے دوران اس کے اسلام کا دعویٰ زیادہ موکد و صدق ہو گیا۔ اور مسلمان اس سے زیادہ میل جول بڑھانے لگے۔

جلال الدین نے گیلان کے امراء کے ہاں شادی کا پیغام دیا۔ مگر ان لوگوں نے اسے قبول نہ کیا۔ اور دار الخلافہ کے اذن کے بغیر اس پر رضامندی ظاہر نہ کی۔ جلال الدین نے بغداد قاصد بھیجے۔ امیر المومنین ناصر الدین اللہ نے اس کی درخواست قبول کی اور اجازت دی کہ امراء گیلان اسلام کے حکم کے مطابق جلال الدین کے ساتھ قرابت داری قائم کریں۔ اس حکم کے مطابق جلال الدین نے گیلان کے امراء کی لڑکیوں میں سے چار کے ساتھ مختلف اوقات میں نکاح کئے۔ ان میں سے پہلی لڑکی کیا دوس کی ہم شیر تھی یہ کیا دوس تا حال (در عہد جوینی) زندہ اور ولایت کو تم کا حکمراں ہے۔ جلال الدین کا بیٹا علاء الدین محمد اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوا۔

چنگیز خاں سے نامہ و پیام

اسامہیلوں کا بیان ہے کہ جب چنگیز خاں نے ترکستان سے (بلاد اسلامیہ) پر یورش کی تو اسلامی علاقوں میں اس کے پہنچنے سے پہلے ہی جلال الدین نے اس کی خدمت میں خفیہ طور سے قاصد بھیجے، خطوط لکھے اور خود کو اس کی اطاعت و ماتحتی کے لئے پیش کیا۔ یہ روایت لمحدوں (اسامہیلوں) کی ہے۔ صحیح صورت حال کا پتہ ہمیں مگر یہ ایک بات واضح ہے کہ جب بادشاہ جہاں گشائی چنگیز خاں کا لشکر بلاد اسلام میں داخل ہوا تو دریائے جیخوں کے اس پار سے (مغربی کنارے سے) سب سے پہلے جس بادشاہ نے قاصد بھیجے اور اس کی اطاعت قبول کی وہ جلال الدین ہی تھا۔ اس نے صحیح طریقہ اختیار کیا اور صلاح و دوستی کی بنیاد رکھی۔

بعد کے ملاحدہ کی بد عقلی

مگر اس کے بعد اس کے نادان بیٹے اور اس کے سر پھرے پیروؤں نے اپنی بد بختی اور جمالت کی وجہ سے اس بنیاد کے استحکام اور اس کی تکمیل پر کوئی توجہ نہ کی اور اپنی تدبیر فاسد سے بلکہ اپنی بد بختی سے اس عہد کو توڑ دیا۔ نتیجہ وہ ہوا جو انہوں نے دیکھا۔ (یعنی وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے)۔ اور فریب و مکر اپنے کرنے والے کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ ۹۵۰

امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے اپنے ایک خطبہ میں ایک سرکش قوم کا ذکر کیا ہے جو اپنی فاسد تدبیر کی بدولت انجام بد سے دوچار ہوئی اس خطبہ کے دو تین کلمے یہاں اس گروہ ملاحدہ کے حسب حال ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ **زوعوا الفجور و مقووا الغرور**، **فحصلوا التبور** (یعنی ان بد بختوں نے فسق و فجور بویا، اسے غرور (دھوکے) کے پانی سے سینچا پس انہوں نے ہلاکت (کی کھیتی) کاٹی)۔

علاء الدین محمد اور اس کی اسلام دشمنی

علاء الدین محمد نو سال کی عمر میں اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ جلال الدین نے نصف رمضان ۶۱۸ء میں وفات پائی۔ اس کے صرف ایک ہی بیٹا علاء الدین باقی تھا۔ جلال الدین نے اس سال (دست) کے مرض سے انتقال کیا۔ (مگر) یہ تمہت بھی لگائی گئی ہے کہ اس کی بیویوں نے اس کی بہن اور اس کے قرابت داروں کے اتفاق سے اس کو زہر دے دیا تھا۔ وہ وزیر جو اس کی وصیت کے مطابق ملک کا وزیر و منظم بنا اور اس کے بیٹے علاء الدین کا ولی و سرپرست قرار پایا اس نے جلال الدین کے بہت سے رشتہ داروں، بہن، بیویوں، خواص اور اس کے اہل بٹانہ (مخصوصین) کو اس تمہت میں قتل کرا دیا اور کچھ کو جلا دیا۔ چونکہ علاء الدین (بوقت تخت نشینی) بچہ تھا، اس کی (صحیح) تربیت بھی نہ ہوئی تھی اور اسامہیلوں کے

باطل مذہب اور خرافاتی طریقہ میں یہ مقرر ہے کہ ان کا امام بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں یکساں صاحب فضیلت و عاقل ہے۔ وہ جو کچھ کہتا اور کرتا ہے جس حال میں بھی ہو حق ہے اس کے حکم کو ماننا ان بے دینوں کا دین ہے۔ وہ جو شیوہ اختیار کرے کسی شخص کو اس سے انکار کا یا رانہیں۔ وہ لوگ امام کی تادیب، نصیحت و ہدایت (یعنی امام کو ادب نصیحت کرنے اور اسے ہدایت دینے) کو اپنے مذموم، ناپسندیدہ اعتقاد میں جائز نہیں سمجھتے۔ نتیجتاً وہ لوگ دین و دنیا کی تدبیر اور مسلمانوں کی اسلام پر استقامت ہے جس کے وہ پابند تھے اور ملک کے معاملات کے انتظام سے غافل روگرداں ہو گئے۔ انہوں نے جس نادان بچے کو اپنے دینی و دنیوی معاملات کا ذمہ دار بنایا تھا اور جسے وہ اپنی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا جانتے تھے

بقول شاعر۔

(اگر کو کسی قوم کا رہنما ہو جائے تو اس قوم کی خواب گاہ آتش پرستوں کی گورستان ہوگی) (یعنی وہ قوم برباد و تباہ ہو جائے گی) چنانچہ علاء الدین بچوں کے ساتھ کھیل تماشا، اونٹ رکھنے اور بھیڑ پالنے میں مشغول ہو گیا اور تمام امور حکومت عورتوں کی رائے سے انجام پانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے باپ نے جو بنیاد استوار کی تھیں، وہ ست بڑ گئی اور جو تدبیریں کہ درستی کی روش پر تھیں باطل ہو گئیں۔ سب سے پہلے وہ لوگ جو اس کے باپ کے ڈر سے شریعت کے پابند اور اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے تھے اور اپنے گندے دل اور سیاہ ضمیر سے اب بھی اس کے دادا کے فاسد مذہب کے معتقد تھے اور ان کے دلوں میں گو سالہ کی محبت جاگزیں ہو گئی تھی، ان لوگوں نے جب منکرات کے ارتکاب پر کوئی ٹوکنے والا نہ دیکھا اور فرائض و سنن کی اتباع و درستی و راستی کے نشانات کی پیروی پر کوئی اکسانے والا نہ پایا تو وہ دوبارہ الحاد و بے دینی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ اور تھوڑی سی مدت میں انہوں نے پھر قوت و غلبہ حاصل کر لیا۔ دوسرے لوگ جنہوں نے اسلام کو اپنی بصیرت سے قبول کیا تھا اور اس مذہب پر ہمیشہ کار بند رہنے کے خواہاں تھے، ان لمحوں کے ظلم و ستم سے ڈر گئے۔ اور جان کے خوف سے انہوں نے اپنے اسلام کو بار دیگر پوشیدہ کر لیا۔ یوں اس بد بخت قوم اور ناپسندیدہ گروہ میں الحاد دوبارہ جاری و رائج ہو گیا۔ اس سبب سے ملت کے قواعد، حکومت کے ضوابط اور دین و دنیا کے معاملات ہلکے ہو گئے اور بیکار ہو گئے اور مٹنے لگے۔

علاء الدین، پر مالہ غولیا کا حملہ

جب اس بچے کی حکومت کے پانچ چھ سال گزر گئے تو کسی بیماری یا سبب کے بغیر اور اس طبیب کے مشورے کے برخلاف جوان کے ہاں تھا، انہوں نے اس کی فصد کھول، ۱۰۰

بھاری مقدار میں بہ گیا جس سے اس کے دماغ میں خلل واقع ہو گیا۔ اور تھوڑی ہی مدت میں اسے الم بخولیا کی بیماری ہو گئی۔ کسی کی یہ ہمت نہ تھی کہ کہتا کہ اس بیماری کا علاج کرنا چاہئے، جو اطباء وہاں تھے اور جو لوگ کہ عقل مند و واقف کار تھے وہ یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ اسے الم بخولیا ہے یا اس قسم کی کوئی بیماری ہے۔ کیونکہ اس گروہ (ملاحظہ) کے عوام بے شبہ انہیں قتل کر دینے کی کوشش کرتے۔ یعنی وہ بیماری جس کی وجہ سے عقل کم ہو جائے یا عقل زائل ہو جائے امام کو لاحق نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس صورت میں امام کے بعض احکام و افعال کو عقل کے خلل اور مزاج و دماغ کے فساد پر محمول کرنا پڑے گا (جو امام کے حق میں ناجائز ہے) نتیجتاً ”دن دن وہ بیماری بڑھنے لگی یہاں تک کہ اس کا اس پر مکمل غلبہ ہو گیا۔ آخری زمانے میں عقل غریبی کی کمی اور بچپن میں تربیت و تادیب نہ ہونے کے باعث اس بیماری (الم بخولیا) کے اثر سے علاء الدین بے تدبیر پائل ہو گیا اور قید و زنجیر کا مستوجب شہر۔ چونکہ اس کی یہ حالت (ہمارے) اسی زمانے میں تھی اور لوگ اس کی بد تدبیری، بری عادتوں، خراب خیالات، بے پروائی، خلل دماغی، انتہائے جنون اور نامبارک رسوم سے واقف ہیں اس لئے ان کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کی تفصیل میں طوالت ہے اور ان کے بیان کا عشر عشر (سواں حصہ) بھی دقاتر میں آسانی سے سمیٹا نہیں جاسکتا۔ اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو اس کے اختتام سے اس کے آغاز پر اس کے انجام سے اس کی ابتداء پر اور اس کے نتیجہ سے اس کے مقدمہ پر استدلال کرنا چاہئے۔

علاء الدین کے تکبر و غرور

(علاء الدین کے کاروبار سلطنت کے پر اگندہ و خراب ہونے کا ایک سبب تو اس کی خلل دماغی تھی جو بچپن میں فصد کھلوانے اور زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے ہوئی اور اس کی حکومت کی تباہی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ) اس کے دماغ میں بادشاہی کا تکبر و غرور تھا کیونکہ اس کے متبعین بد بخت اور غبی تھے۔ انہوں نے اپنے مضموم خیالات اور بے فائدہ جنون سے بچپن سے آخر عمر تک اس کے دماغ میں یہ خیال رائج کر دیا تھا اور اس کے سیاہ ضمیر اور شک و شبہ سے پر طبیعت میں یہ بات بٹھادی تھی کہ وہ جو کچھ سوچتا ہے اس نے لوح محفوظ کے نقوش کی تحریروں سے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ جو بھی کہتا ہے اللہ کی جانب سے الہام سے کہتا ہے، اس کی سوچ میں غلطی اور محمول چوک جائز نہیں ہے۔ ان باتوں سے علاء الدین اپنی ذات کے بارے میں بھی فریب میں آگیا اور اس نے جسوئے ماضی کے حالات کہ عجیب مظلوم ہوتے تھے، دہرائے، نہ آئی ہوئی خبروں کے متعلق غیب دانی کی۔ یہ ساری باتیں شب

کو مذاق کی طرح بھٹکنے، اندھی بات (نادیدہ قول) صریح جھوٹ اور کھلی ذلت تھیں۔ علاء الدین نے ان ہڈیاں گوئی میں یہ بھی نہ سوچا کہ صاحبان عقل اس کی تکذیب کریں گے (انہیں جھٹلائیں گے)۔ چونکہ اس کی تربیت نہیں ہوئی تھی اور اسے مشق بھی نہ کرائی گئی تھی اس لئے بے تربیتی و نا تجربہ کاری کے باعث اس کی طبیعت میں تنگ مزاجی و تند خوئی پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے کوئی شخص اس کی بات کی تردید نہیں کر سکتا تھا۔ ملکی مصالح سے متعلق ایک بات بھی جس سے اس کے مزاج میں ذرا بھی تغیر پیدا ہو جائے اس کے سامنے نہیں کھجی جاسکتی تھی کیونکہ ایسی بات کرنے والے کا انجام عبرت ناک قتل اور فوری سزا ہوتا یعنی اس کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہاتھ پاؤں کاٹ کر (مثلاً کر کے) اسے عبرت ناک سزا دی جاتی اور قتل کر دیا جاتا، بناء بریں لوگ ملک کی داخلی و خارجی خبریں اور دوست و دشمن کے حالات اس سے پوشیدہ رکھتے تھے (یہ اخفائے حال) اس حد تک تھا کہ وہ جو قاصد بادشاہوں کے ہاں بھیجتا، جب وہ واپس آتے تو وہ حکم جس کے جواب اور درخواست کے بارے میں ان سلاطین نے فرمایا ہوتا اگر وہ علاء الدین کی طبیعت کے موافق نہ ہوتے تو اس سے کہی نہ کہتے تھے اور اگر وہ (خود) بھی سچ بات جان لیتا تو اسے چھپا لیتا اور کوئی مامع اس کے سامنے دم نہ مار سکتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ جو کچھ (محاصر) بادشاہوں سے کتاب سب کا سب جھوٹ کا پوٹ ہوتا۔ اور وہ یہ سمجھتا کہ یہ فریب۔ جسکی اس کی قوم کے جاہل اپنی جمالت یا ڈر کی وجہ سے متافقانہ تصدیق کرتے تھے، بادشاہوں کے حضور پسندیدہ و مقبول ہو گیا یا عقل مندوں پر (اس کی صداقت) مشتبہ ہو جائے گی۔ (نتیجتاً) اس کے ملک میں اس کے حکم سے یا اس کے حکم کے بغیر ہر روز چوری، رہنمی اور لوگوں کو ایذا و رسانی کی وارداتیں ہوتیں اور وہ سمجھتا کہ اس کا تدارک جھوٹی باتوں اور مال خرچ کر کے کیا جاسکتا ہے۔ جب (ملک کی یا خود اس کی) یہ حالت حد سے گزر گئی تو اس کی اپنی جان، بیوی، بچے، گھر، ملک و مال اس خطہ و جنوں کے ہاتھوں برباد ہو گئے۔ یہ بات ایسی ہے جس کی تشریح و بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ (کہ انتہائی واضح اور بے حد مشہور ہونے کے باعث اس کی تشریح و بیان کی ضرورت نہیں ہے۔)

باپ بیٹے میں بدگمانیاں

رکن الدین خورشاه علاء الدین کا بڑا بیٹا تھا۔ اس کے بچپن کے زمانے میں علاء الدین ہنوز عالم شباب میں تھا کیونکہ ان کی عمروں میں اٹھارہ سال سے زیادہ کا فرق نہیں تھا۔ رکن ہنوز بچہ ہی تھا کہ علاء الدین بے سوچے سمجھے یہ کہتا تھا کہ امام اور میرادلی عہدہ کی ہوگا۔ جب

رکن الدین بڑا ہوا تو اس کے رسوا و ذلیل پیروؤں نے اس کے اور اس کے باپ کے درمیان تعظیم و مرتبہ میں کوئی فرق ملحوظ نہ رکھا اور اس کے احکام بھی اس کے باپ کے احکام کی طرح نافذ ہونے لگے۔ (بناء بریں) اس کی جانب سے علاء الدین کے دل میں میل آگیا اور وہ یہ کہنے لگا کہ میرا ولی عہد میرا کوئی اور بیٹا ہوگا۔ مگر اس کی قوم نے جیسا کہ ان کا مذہب ہے اس بات کو پسند نہ کیا اور کہا کہ (ولایت عہد میں) نص اول ہی معتبر ہے (بعد کی نص کا کوئی اہمیتار نہیں)۔ علاء الدین رکن الدین کو برابر ستاتا رہتا، اپنے جنوں اور سودائی مزاج کے سبب بلا کسی وجہ کے اسے ہمیشہ عذاب و عتاب میں رکھتا اور اس کا مواخذہ کرتا رہتا تھا۔ وہ اسے اپنے کمرے (مکان) کے برابر کے کمرے (مکان) میں عورتوں کے درمیان رکھتا تھا۔ رکن الدین دن کو اس گھر سے باہر نکلنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ (ہاں) جب اس کا باپ (شراب سے) بدست ہوتا یا اپنی عادت کے مطابق بیٹھڑوں کے گلے میں ہوتا یا کسی اور کام میں مشغول و غافل رہتا تو رکن الدین رات کے وقت اس مکان سے شراب نوشی کے لئے نکلتا یا جہاں جانا چاہتا جاتا۔

علاء الدین کا جنوں اور امراء کا انحراف

مختصر یہ کہ ۶۵۳ھ میں علاء الدین پر جنوں کے مرض اور سودا کا غلبہ مستحکم و قوی ہو گیا اور اسباب و اتفاقات فکلی کے باعث جس کا ذکر طوالت کا سبب ہو گا اور اس کی تشریح مناسب نہیں ہے رکن الدین پر اس کا غصہ اور زیادہ ہو گیا اور اس پر مسلسل عتاب و عذاب ہونے لگا۔ اور اس کی مخالفت پہلے سے بھی بڑھ کر ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بیٹے کو اپنی جان خطرہ میں نظر آنے لگی۔ اور وہ کہنے لگا کہ کسی وقت بھی باپ سے میری زندگی محفوظ نہیں ہے۔ اس بناء پر رکن الدین نے یہ سوچ بچار شروع کیا کہ باپ کے پاس سے بھاگ کر شام کے کسی قلعہ میں جا کر اس پر قابض ہو جائے یا پھر الموت، میمون دوز اور ردوبار کے بعض قلعوں کو جو خزانوں و ذخائر سے بھرے ہوئے اور معمور تھے اپنے تعارف میں لائے اور باپ سے منحرف ہو کر باغی ہو جائے۔ اس سال (یعنی ۶۵۳ھ میں) خود علاء الدین کے اکثر ارکان حکومت و سرداران مملکت اس سے خائف رہتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی اپنے سر پر اعتماد نہ رکھتا تھا (کہ کب اس کا سر علاء الدین کے حکم سے کاٹ دیا جائے) اس نے ان میں سے کچھ پر رکن الدین کی حمایت کی تمہت لگائی تھی اور ان کے خلاف ہو گیا تھا اور کچھ دوسروں پر اپنی کج خیالی اور خلل دہانی سے دوسری تمہتیں لگائی تھیں وہ ان لوگوں کو برابر ستاتا اور عذاب دیتا رہتا تھا۔ اگرچہ (یہ امراء) ایک دوسرے کے خوف سے زبان سے کچھ نہ

کہتے تھے اور بظاہر اس کے برعکس خفاق کے بطور حالات پر نظر رکھتے تھے۔ خواص و عوام اس سے عاجز آگئے تھے اور یہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ اس کی سوتے تدبیر اور ان بد بختیوں کے باعث جو اس کے حالات سے عیاں تھیں ملک باقی نہیں رہ سکتا۔

علاء الدین کا قتل

رکن الدین نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ باپ کی بری عادتوں اور حرکتوں کے باعث منگولوں کا لشکر اس کے ملک پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور باپ کسی بات کی فکر نہیں کرتا (مناسب ہے) کہ وہ اس سے الگ ہو جائے اور بادشاہ روئے زمین اور اس کے بندگان درگاہ (یعنی منگولان بادشاہ منگولان) کی خدمت میں قاصدوں کو بھیج کر اس کی ماتحتی قبول کر لے اور اس بات کا موقع نہ دے، جس سے چلی پھیلے اور ملک و مال باقی نہ رہے۔ ان اسباب کی بناء پر بیشتر امراء، ارکان حکومت و اہل لشکر نے اس کی بیعت کر لی اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ جہاں بھی جائے گا وہ اس کے ساتھ ہوں گے۔ اس کے باپ کے پیروؤں اور فوج سے اس کی حفاظت کریں گے اور اس سلسلہ میں جان سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

الایہ کہ اگر باپ اس پر حملہ آور ہو تو وہ لوگ باپ پر ہاتھ نہ ڈالیں گے۔

جب اس بات کو ایک مہینہ گزر گیا، رکن الدین بیمار ہو کر صاحب فراش ہو گیا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ ایک روز اس کے باپ نے شراب پی اور جہاں شراب پی تھی بھینٹوں کے پاؤں کے متعل پھونس کے ایک جھوپڑے میں نشے میں دھت ہو گیا۔ کچھ غلام، گڈریئے، اونٹ کے رکھوالے اور ان جیسے اراذل اور کینے اس کے ارد گرد سو گئے۔ ان لوگوں نے آدھی رات کو اسے مرا ہوا پایا۔ کسی نے اس کی گردن پر ایک تھمارا تھا اور اس ایک زخم سے اس کا کام تمام ہو گیا تھا۔ ایک ہندو اور ایک ترکمان جو علاء الدین کے برابر میں سوئے ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک کو زخم لگایا تھا اس کے بعد وہ ترکمان تو مر گیا لیکن ہندو بچ گیا۔ یہ واقعہ شوال ۶۵۳ھ کی آخری تاریخ کو اس شیر کوہ کے مقام پر جہاں علاء الدین زیادہ تر رہتا تھا پیش آیا۔

فرضی قاتلوں کا خاتمہ

علاء الدین کے بیٹوں اور اس کی قوم نے چند آدمیوں پر قتل کا الزام لگایا اس خیال سے کہ علاء الدین کے چند مقربین و خدام نے جو رات کے وقت پاسبانی کے نام سے اس کے قتل کے مقام کے آس پاس تھے ان لوگوں کو دیکھا تھا، ان ملزمین کو مار ڈالا گیا۔ ان لوگوں نے

تہمت و تخیل کی راہ دور دراز مقام تک کھول لی چنانچہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ دو تین اجنبی اشخاص قزوین سے آئے اور علاء الدین کے سرداروں کی سازش و رہنمائی سے اس کے سرہانے پہنچے اسے قتل کیا اور پھر انہیں لوگوں کے خواص کی حمایت و اتفاق سے قزوین واپس چلے گئے۔ (ملاحظہ) وہم و گمان کے سبب سے ہر شخص پر اس سازش و رہنمائی کی تہمت لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ کے بعد خیالات، علامات و دلائل سے حالات کا قطعی علم ہوا۔

حسن ماژند رانی کا قتل

معلوم ہوا کہ حسن ماژند رانی نے کہ علاء الدین کا خاص الخاص تھا، رات دن اس کے ساتھ رہتا تھا اور اس کا محرم راز تھا، اسے قتل کیا ہے۔ (ملاحظہ) یہ بھی کہا کہ حسن (ماژند رانی) کی بیوی نے جو علاء الدین کی مشوقہ تھی اور حسن نے اس قتل کی واردات کو اس سے چھپایا تھا، اس راز کو رکن الدین سے فاش کر دیا۔ بہر کیف ایک ہفتہ کے بعد حسن کو مار ڈالا گیا اور اس کی لاش کو جلا دیا گیا۔ حسن کے دو تین بچوں یعنی دو لڑکیوں اور ایک لڑکے کو بھی جلا کر خاک کر دیا گیا اور رکن الدین باپ کا جانشین ہو گیا۔

حسن ماژند رانی کے حالات

حسن ماژند رانی کو بچپن میں منگولوں کے لشکر نے ماژند ران سے پکڑا تھا۔ وہ عراق میں منگولوں کے لشکر سے بھاگ کر علاء الدین کے ملک میں چلا گیا۔ وہ ایک خوش شکل سادہ رو نوجوان تھا۔ (امروے طبع بودہ است)۔ علاء الدین نے جب اسے دیکھا تو پسند کیا، اپنے سے نزدیک کیا اور وہ علاء الدین کے ہاں بڑے بھروسے کا آدمی بن گیا (علاء الدین) اسے نہایت عزیز رکھتا تھا اور (حسن) اس کے ساتھ گستاخانہ و بے باکانہ پیش آتا تھا۔ مگر اس کے باوجود علاء الدین اپنی دیوانگی و بد خوئی کی وجہ سے برابر ظن و گمان اور ہمانوں سے حسن کو ستاتا اور ضرب شدید پہنچاتا تھا، اس کے زیادہ تر دانت ٹوٹ گئے تھے حتیٰ کہ علاء الدین نے اس کے آلہ تامل کا ایک حصہ بھی کاٹ دیا تھا۔ جب حسن ماژند رانی داڑھی موچھوں والا ہو گیا (اس کی مسیحی بھیگ گئیں) اور آخر آخر اس کے بالوں میں تھوڑی تھوڑی سپیدی بھی آگئی تو بھی وہ علاء الدین کا محبوب و منظور نظر رہا۔ اور وہ اسے امرووں (سادہ رویوں) اور مشوقوں کے بجائے رکھتا تھا وہ اس کا امرو اور مشوق تھا علاء الدین نے اپنی باندیوں میں سے ایک کی جو اس کی منظور نظر (محبوبہ) تھی حسن سے شادی کر دی تھی۔ ہر چند کہ حسن کے اس عورت

سے دو تین بچے پیدا ہو چکے تھے، اس کی ہمت نہ تھی کہ علاء الدین کی اجازت کے بغیر اپنے گھر میں داخل ہو سکے اور اس عورت کے ساتھ ہمبستری کر سکے۔ علاء الدین، حسن کی بیوی کے ساتھ مقاربت (زردکی) اور مباشرت (ہمبستری) کرنے میں حسن سے ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا تھا۔ اپنی ضروریات کی تکمیل، خبروں کے پہنچانے اور دوسرے اہم معاملات بلکہ حکومت کے مصالح میں وزراء، اکابر حکومت اور تمام باشندگان مملکت حسن کے تقرب و سفارش کے طالب رہتے تھے۔ کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور شخص علاء الدین کے ساتھ اطمینان و سہولت سے بات نہ کر سکتا تھا اور اس کی بات کے مقابلہ میں دوسروں کی بات سے معاملات کا انصرام و انجام ممکن نہ تھا۔ زیادہ تر ایسا ہوتا کہ حسن خود جو چاہتا علاء الدین کو اطلاع دینے بغیر اس کا حکم دے دیتا تھا اور یہ احکام نافذ ہو جاتے تھے حسن کے پاس (رشوت اور ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ) بہت سارا مال جمع ہو گیا تھا مگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا اور اسے علاء الدین سے پوشیدہ رکھتا تھا۔ اس کا لباس پال اور خراب ٹاٹ کا ہوتا تھا (لباس اوجامہ صوف و کرباس بدبودی) اور یہ بھی زیادہ تر پرانا اور پٹھا ہوا اس کے مذموم اور برے خدوم کے کپڑے بھی ایسے ہی ہوتے تھے کیونکہ حسن کو لباس، طعام اور تمام حالات میں علاء الدین کی طرح زندگی گزارنا لازمی تھا حسن ہمیشہ اس کے ساتھ بھیڑیوں کے باڑے میں پیدل جاتا تھا ہاں اگر کبھی شٹ کرنا چاہتا تو گدھے پر سواری کر لیتا تھا۔ اگر وہ اچھا لباس پہنتا یا علاء الدین کو یہ شبہ ہو جاتا کہ اس کے پاس مال و دولت ہے تو اس کو سخت مار، شدید مکالے اور رسوا کن و ذلت وہ قطع اعضاء کی تکلیف دیتا ان اسباب کی بناء پر علاء الدین کی طرف سے حسن کے دل میں کینہ بیٹھ گیا اور اس کی عداوت جاں گزیر ہو گئی تھی۔ یہ حسن مسلمان تھا اور ہر چند کہ سالہا سال سے علاء الدین کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا مگر اس کے ضمیر و عقیدہ میں اسلام کی محبت اور الحاد کی عداوت جھمکن تھی۔ ان بعض مسلمانوں کو جو علاء الدین کی ملازمت میں تھے اور مجبوراً ضرورت کی وجہ سے اس کے ملک میں پھنس گئے تھے، حسن کی غریب الوطنی اور اسلام کے اعتقاد کے باعث، اس سے یک گونہ لگاؤ اور دوستی تھی جب بھی ان لوگوں سے بات کرنے کا موقع پاتا تو یہ بات چیت اس کی دشمنی کی وضاحت، اپنی تنگی معاش کی تکلیف اور علاء الدین کی برائیوں اور بیویوں کے تذکرہ تک موقوف ہوتی تھی۔ ان وجوہ سے توفیق (نیک) اس کی رفت (اور ساتھی) تھی تا آنکہ کہ اس نے علاء الدین کے قتل کا جہاد کیا اور اس جہاد میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ اللہ اسے اس کی نیت کا اچھا بدلہ دے۔

باپ کے قتل میں خورشاہ کی شرکت

وہ جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ رکن الدین خورشاہ نے اپنے باپ کو قتل کیا تو یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ اس رات رکن الدین کو بخار تھا وہ صاحب فراش تھا اور کئی دنوں سے ہلنے چلنے کی بھی سکت اس میں نہ تھی۔ لیکن ان وجوہ سے جن کا ذکر کیا گیا اور نیز قراین سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور جانی جاسکتی ہے کہ باپ کا قتل اسے برا نہ لگا اور حسن ماؤنڈرانی نے یہ اقدام اس کی رائے اور رضامندی سے کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس بارے میں آغاز میں حسن رکن الدین کے ساتھ شریک سازش رہا ہو اور اس نے یہ حرکت اس کے مشورہ اور اتفاق سے کی ہو۔ کیونکہ جب یہ راز فاش ہو گیا کہ حسن نے علاء الدین کو قتل کیا ہے تو رکن الدین نے اسے گرفتار نہیں کیا اور اصل امر سے مطلع ہونا نہ چاہا کہ اس کام میں کون کون سے لوگ حسن کے شریک ہیں اور کہاں سے اسے اکسایا گیا ہے (یعنی اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اس قتل میں کون لوگ اس کے شریک کار تھے اور کہاں سے اسے بڑھاد ملا تھا)۔ بلکہ اس نے ہانے سے حسن کو خاص (شاہی) بھیڑیوں کے باڑے کی عمرانی کے کام پر مقرر کر دیا، جو علاء الدین (کے قتل کے سبب محفل ہو کر) رہ گیا تھا تاکہ وہ بھیڑیوں کی عمرانی دیکھ بھال اور انتظام کرے۔ رکن الدین نے اپنے اعتماد کے ایک آدمی کو حسن کے پیچھے لگا دیا چنانچہ بھیڑیوں کے باڑے کے کنارے حسن کو غافل پا کر اس نے اس کی گردن پر تیر کا ایک بھر پور وار کیا اور اسے غفلت میں جان سے مار ڈالا وہ کوئی بات بھی نہ کر سکا۔ ان وجوہ سے لوگوں نے کہا کہ اپنے باپ کے قتل میں رکن الدین کی سازش شامل تھی۔ اسے یہ ڈر ہوا کہ اگر اس نے حسن سے پوچھ گچھ کی اور مطالبہ کیا تو حسن رکن الدین کے حکم، آگئی، اشارہ یا خواہش کے بارے میں لوگوں کو بتا دے گا۔

رکن الدین کی ماں اور بھائی اس یک سالہ مدت میں کہ وہ اپنے باپ کے بعد حکمران رہا، اس سے برابر ناراض رہے، باپ کے قتل کا الزام اس پر لگاتے رہے، اور اس بات کو اس کے معائب میں شمار کرتے رہتے تھے۔ ایک گروہ کو جسے وہ لوگ (یعنی برادران و مادر رکن الدین) علاء الدین کی زندگی میں رکن الدین کے منظور نظر، عنایت یافتہ و دوست سمجھتے تھے اور جنہیں رکن الدین نے باپ کا جانشین ہونے کے بعد عزت دی اور اپنا خاص و مقرب بنایا تھا ان لوگوں کو بھی اس کام (علاء الدین کو قتل) میں رکن سے ساز باز کرنے کے الزام میں متہم کرتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ رکن الدین نے جو اپنے باپ کے قتل کی اجازت دی یا اس پر راضی ہوا تو یہ بات انہیں لوگوں کے سکھلانے اور اکسانے کی وجہ سے تھی (سریف) اللہ ہی چھپی ہوئی باتوں اور پوشیدہ راز سے واقف ہے۔

فصل ششم

رکن الدین کی تخت نشینی اور ملاحدہ کی بربادی

رکن الدین خورشاہ کے حالات

رکن الدین نے تعزیت کی رسوم سے فارغ ہونے اور تخت نشینی کے تین دن بعد اس لشکر کو جسے اس کے باپ نے خلخال کے ناحیہ میں شال رود کی تسخیر کی غرض سے نامزد کیا تھا، روانہ کیا اس لشکر نے قلعہ پر قبضہ کر کے قتل و غارت گری کی۔

پڑوسی ممالک سے محاذ آرائی کا خاتمہ

اس کے بعد رکن الدین نے اپنے باپ کے حالات (وقات) کے تذکرہ کی غرض سے گیلان اور دوسرے پڑوس کے ممالک میں آدمی بھیجے اور اس گروہ سے اپنے باپ کی روش کے برخلاف محاذ آرائی کا خاتمہ کر دیا۔ اس نے اپنے تمام علاقوں میں آدمی دوڑائے کہ راہ راست پر چلیں۔ صلح و سلامتی سے کام لیں اور راستوں کو خطروں سے پاک کریں۔

منگولوں کو دوستی کا پیغام

اس نے ہمدان میں یسور نوین کی خدمت میں قاصد بھیجے کہ اب جب کہ حکومت کی نوبت مجھ تک پہنچی ہے میں اطاعت کی راہ اختیار کروں گا اور مخالفت کی گرد کو خلوص کے چوہ سے دھو دوں گا۔ یسور نوین نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ بادشاہ زادہ ہولا کو کی سواری جلد ہی آنے والی ہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ رکن الدین خورشاہ بغض نفیس باہر نکلے اور اس کے حضور پہنچنے میں نہایت عجلت سے کام لے۔

منگولی دربار میں قاصد کی روانگی

(ہر کیف) قاصدوں کی آمد و شد کے بعد اس نے یہ پیغام بھیجا اور یہ طے کیا کہ اپنے بھائی شہنشاہ کو آگے روانہ کرے تاکہ وہ یسور نوین کے ہمراہ (ہولا کو کی خدمت میں) روانہ ہو جائے۔ رکن الدین نے جمادی الاولیٰ (۶۵۳ھ) کی پہلی تاریخ کو شہنشاہ کو معززین کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا، یہ لوگ قزاقین کے قریب یسور نوین سے ملے۔ یسور نے اپنے بیٹے موراقا کو شہنشاہ کی ہمراہی میں بادشاہ (ہولا کو) کی خدمت میں بھیج دیا۔

رودبار الموت پر منگولوں کی فوج کشی

خود یسور اسی مہینہ کی دسویں کو منگول اور تازیک سپاہ کے ہمراہ رودبار الموت آیا۔ رکن الدین کے سپاہیوں اور فداؤنیوں نے بھی سیالان کوہ کی چوٹی پر قلعہ الموت میں آدمی اکٹھا کئے اور منگولوں کے لشکر نے بھی خشیب سے اوپر آنے کا فیصلہ کیا بڑی گھسان کی لڑائی ہوئی۔ چونکہ پہاڑ کی چوٹی پر تنصیبات مستحکم تھیں اور لوگوں کا بڑا جمگھٹا تھا اس لئے منگولوں کا لشکر وہاں سے لوٹ گیا (اور نیچے آکر) ملاحظہ کے تمام غلوں (کے انبار) کو تلف اور سارے علاقے کو برباد کرنے میں مشغول ہو گیا۔

منگولی سفیروں کی آمد

اس (جھڑپ کے دوران وہ ایلچی جنہیں بادشاہ جہاں (ہولا کو) نے استو کے مقام سے شہنشاہ کی اظہار بندگی و اطاعت کی غرض سے آمد کے بعد روانہ کیا تھا، جمادی الاخرہ کے مہینے میں رکن الدین کی خدمت میں آئے) (اسی اثناء میں وہ قاصد و سقراء جنہیں بادشاہ جہاں (ہولا کو) نے شہنشاہ کی مطیعانہ حاضری کے بعد استو کے مقام سے روانہ کیا تھا، جمادی الاخرہ کے آخری دنوں میں رکن الدین کے پاس پہنچے) انہوں نے بادشاہ کی مروانی و اطاعت کا فرمان پہنچایا کہ جب رکن الدین نے اپنے بھائی کو بھیجا، اظہار بندگی کیا اور کر رہا ہے، تو ان گناہوں کو جو اس کے باپ اور اس کے آدمیوں نے اس کے باپ کے زمانے میں کیا تھا، میں نے معاف کیا اور خود رکن الدین سے اپنے باپ کے جانشین ہونے کے بعد کوئی قصور سرزد نہیں ہوا ہے، اسے چاہئے کہ اپنے قلعوں کو مسمار کر دے اور ہماری بندگی و اطاعت کرے ہماری فوجیں اس کے ملک میں لوٹ مار اور تخریب کاری نہ کریں گی۔“

رکن الدین کا اظہار اطاعت

رکن الدین نے اطاعت کا اظہار کیا اور اپنے چند قلعوں کو توڑوا دیا۔ الموت، میون دز، اور لمسو کے پھاٹکوں کو اکھڑا دیا اور کچھ دیواروں کے سروں اور کنگروں کو گرودیا۔ چنانچہ بادشاہ (ہولا کو) کے حسب الحکم یسور نوین اور منگولی فوجیں اس کے ملک سے واپس چلی آئیں بادشاہ (ہولا کو) کے ایک درباری اور اس کی ہمراہی میں صدر الدین بادشاہ ہولا کو کی خدمت میں ان حالات کی اطلاع دینے، محافظ و شہنہ کی تقرری کی درخواست کرنے اور قبول اطاعت کے لئے ایک سال کی مہلت مانگنے کی غرض سے روانہ ہوئے (ہولا کو کے) کچھ ایلچی

وہیں (رکن الدین کے ملک میں) باقی قلعوں کو برباد اور سمار کرنے کی غرض سے رک گئے۔

منگولی دربار میں اہلچیموں کی حاضری اور واپسی

اوائل شعبان (۶۵۳ھ) میں بادشاہ ہولا کو کے ایچی اور صدر الدین (خوشن اور ہسٹام کے مابین) اس کے دربار میں پہنچے (یہاں سے وہ لوگ) اس کے لشکر گاہ سے واپس لوٹے اور (رکن الدین خورشاہ کی خدمت میں) واپس پہنچے۔ اور اسے ترغیب آمیز و ترہیب انگیز فرمان پہنچایا۔ ان اہلچیموں کے ہمراہ تو لاگ بہادر بھی آیا تھا کہ اگر رکن الدین حکم مان کر ہولا کو کی خدمت میں روانہ ہو تو تو لاگ باستانی یعنی شخہ کے بطور اس کی عدم موجودگی میں اس کے ممالک کی حفاظت اور دیکھ بھال کرے۔

رکن الدین کا منگولی دربار میں حاضری سے گریز

چونکہ رکن الدین اپنی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ہولا کو کے دربار میں جانے سے رکتا ڈرتا، سستی دکھاتا اور بہانہ کرتا تھا اس لئے اس نے اپنے وزیر شمس الدین کھلکی اور اپنے باپ کے برادر عم زاد (اپنے باپ کے چچا کے بیٹے) سیف الدین سلطان ملک بن کیا ابو منصور کو اہلچیموں کے ساتھ ہولا کو کی خدمت میں ۷ شعبان کو روانہ کیا۔ اور خود آنے سے معذوری کا اظہار کیا اور مہلت طلبی کا اعادہ کیا۔ اس نے دو احکام بھی بھیجے کہ اس کے نائب، گرد کوہ اور قہستان سے بادشاہ (ہولا کو) کی اطاعت کی غرض سے حاضر ہوں۔ یہ دو افرادی کے حدود میں دربار شاہی میں پہنچے۔

خورشاہ اور گرد کوہ و قہستان کے حکام کی طلبی

جب بادشاہ کا لشکر لار اور دماوند کے علاقہ میں پہنچا تو وہاں سے شمس الدین کھلکی کو گرد کوہ روانہ کیا گیا تاکہ وہاں کے حاکم کو اس کے حضور میں لائے۔ اور وزیر (شمس الدین کھلکی) کے ایک ساتھی کو قہستان کے حاکم کی طلبی کی غرض سے روانہ کیا سیف الدین ملک کو قاصدوں کی ایک جماعت کے ہمراہ رکن کے ہاں بھیجا کہ بادشاہ جہاں دماوند میں مقیم ہے رکن الدین کو اس کی بندگی میں وہاں آنا چاہئے اگر اپنی مصروفیات کے باعث اسے کچھ توقف ہے اور دیر کا احتمال ہے تو پہلے اپنے بیٹے کو بھیجنا چاہئے۔ یہ (ایچی) یکم رمضان کو قلعہ میون دز پہنچے۔

خورشاہ کا اضطراب اور بیٹے کی روانگی

ان اطراف میں ہولا کو کی فوجوں کی آمد کی خبر سے اور بادشاہی احکام کے باعث رکن الدین اور اس کی قوم سخت اضطراب میں تھی اور ان پر رعب و خوف چھا گیا تھا۔ (سو) رکن الدین نے کہا کہ میں اپنے بیٹے کو بھیجتا ہوں۔ اپنے ماسحوں اور مشیروں کے مشورے سے اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہے مگر خفیہ طور سے عورتوں کے مشوروں اور تنگ نظروں کی باتوں پر عمل کر کے اس نے مکرو فریب کیا چنانچہ ایک بچے کو جو اس کے بیٹے کا ہم عمر تھا اپنا بیٹا ظاہر کر کے قاصدوں کے ہمراہ ۷۷ رمضان کو (ہولا کو کی خدمت میں) روانہ کیا۔ یہ (سات اٹھ سال کا) بچہ ایک کردی عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو رکن الدین کے باپ کے گھر میں خادمہ تھی۔ جب اس عورت کے حمل ظاہر ہوا تو علاء الدین نے (اپنا جرم چھپانے کی غرض سے) اس کو اس کے باپ کے گھر بھیج دیا اور ولادت کے بعد کسی کی ہمت نہ تھی جو یہ کہہ سکے کہ یہ بچہ علاء الدین کا ہے۔ علاء الدین اس کی جانب بالکل توجہ نہ دیتا تھا۔

بیٹے کی واپسی اور بھائی کی طلبی

اس اثناء میں بادشاہ کا لشکر رکن الدین کے ملک کی سرحدوں کے قریب پہنچ چکا تھا، سو اس سے یہ بات کیسے چھپی رہ سکتی تھی۔ اس لئے پتہ چل گیا کہ رکن الدین نے فرضی بیٹے کو بادشاہ ہولا کو کی خدمت میں بھیجا ہے۔ مگر علم ہو جانے کے باوجود بادشاہ نے اس کو کراہت چاک نہیں کیا اور اس سے چشم پوشی کی۔ چنانچہ دو روز کے بعد اس فرضی بیٹے کو یہ کہہ کر کہ ابھی بچہ ہے واپس کر دیا اور کہا کہ اگر رکن الدین ہماری بندگی کے لئے دیر میں آتا ہے تو اپنے دوسرے بھائی کو جلد ہماری خدمت میں بھیج دے تاکہ (رکن الدین کے ایک بھائی) شہنشاہ کو جو ایک عرصہ سے ہمارے لشکر میں مقیم ہے رکن الدین کی درخواست کے مطابق اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ یہ فرضی بیٹا ۲۲ رمضان کو رکن الدین کے ہاں پہنچ گیا تھا۔ اس دوران چونکہ دوبار الموت اور ہولا کو کے لشکر گاہ (اردو) کے مابین فاصلہ کم تھا اس لئے مسلسل قاصد آ جا رہے تھے اور بادشاہ (ہولا کو) کی جانب سے وعدہ، وعید، مدارات اور ڈرانے دھمکانے کی باتیں کرتے رہتے تھے۔

القصر رکن الدین نے ۷۸ شوال (۷۸۳ھ) کو اپنے دوسرے بھائی شیران شاہ کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا۔ شیران شاہ تیسرے دن کہ شوال کی ساتویں تاریخ تھی بنگلہ کے نایبہ (اطراف) میں کہ ری کے مضافات میں ہے بادشاہ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت وزیر

کھلکی گرد کوہ سے واپس آچکا تھا اور گرد کوہ کے حاکم قاضی تاج الدین مروان شاہ کو دربار میں پیش کیا تھا۔ اس مقام سے ۸ شوال کو رکن الدین کے بھائی شہنشاہ کو اس پیغام کے ساتھ واپس کیا گیا کہ اگر رکن الدین قلعہ میمون دز کو سمار کر دے اور خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جائے تو جیسی کہ اس جناب کی عادت ہے اس پر نوازشات و عنایات کی جائیں گی اور جو انجام کار پر غور کرنے سے قاصر رہا تو (اس کے انجام کو) خدا ہی جانتا ہے۔

ہولا کو کی فوجی حکمت عملی

ان باتوں اور قاصدوں کی ایک ماہ کے قریب رخصتے دوران بوقت پورے کواٹھکائی بھاری فوج کے ساتھ اسپیدار کی سمت سے چل کر دریا کی جانب سے، جو رکن الدین کی مملکت، ”خصوصاً“ اس کے معظم قلعہ و قیام گاہ میمون دز کی پشت پر تھا، قلعوں اور تمام علاقے کو گھیرے میں لے چکے تھے۔ بادشاہ جہاں (ہولا کو) نے نصف شوال کو ہسکویا فکسر سے براہ طالقان رکن الدین کی مملکت کا رخ کیا۔ اور ۷ ماہ (شوال) کو قلعہ میمون دز کے زیریں میدان میں پڑاؤ کیا۔ دوسری (منگولی) افواج بھی مختلف سمتوں سے آکر مل گئیں اور اس قلعہ کو نرغے میں لے لیا۔

ملاحظہ سے منگولوں کی جھڑپیں

چونکہ رکن الدین سعادت کی اتباع اور اپنی مصلحت کی راہ کی تلاش میں سستی اور توقف کرتا تھا اور قلعہ سے نکل کر بادشاہ کی خدمت میں آنے سے انکار کرتا تھا (رکتا تھا) اس لئے بادشاہ (ہولا کو) کی کچھ فوجوں کی طرف سے جو قلعہ کے گرد متعین تھیں اس پہاڑ (قلعہ) کے مینوں کے ساتھ چھیڑ چھار اور لڑائی ہوئی جس سے پہاڑ کے ان بایسیوں اور رکن الدین کے سپاہیوں نے نقصان اٹھایا اور انہوں نے بادشاہی قدرت و سطوت و مہابت کا مزہ چکھا۔

گھسان کارن

آخر ۵۴ شوال (۶۵۳ھ) کو بادشاہی لشکر نے جنگ کی (جنگ سلطانی بود) بڑے گھسان کا رن پڑا جس سے زیادہ خوفناک جنگ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

خورشاہ کی ہولا کو کے ہاں باریابی

(ب) رکن الدین نے حالات کو بھانپ لیا اور یہ جان گیا کہ وہ (ہولا کو سے مقابلہ کی) طاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے دوسرے دن اپنے اکلوتے بیٹے اور اپنے ایک بھائی ایران شاہ نامی کو معززین، کفایت اور مقدموں کی ایک جماعت کے ہمراہ قلعہ سے باہر بھیجا اور خود روز یکشنبہ ۲۹ شوال ۶۵۳ھ کو بادشاہ جہاں کی خدمت میں مطیعانہ حاضر ہوا اور بادشاہ کے حضور حاضری کی سعادت حاصل کی۔ وہ اپنی تمام قوم اور متوسلین کو میمون دز سے باہر لایا۔ اور جو خزانے اس کے پاس تھے انہیں حضور میں پیش کیا۔

ہرچند کہ اس خزانے کا جتنا شہرہ تھا اس کے مقابلے میں اس کی کچھ شان و شوکت نہ رہ گئی تھی اس نے اس کو بادشاہ کی نذر کیا۔ ہر کیف جو مال و دولت قلعہ سے لائی گئی (ہولا کو نے) اسے فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ اور وہ قلعہ فتح ہو گیا۔ اسی طرح رکن الدین کے دوسرے قلعے (بھی مسخر ہو گئے) جیسا کہ اس کے بعد کے بیان سے قلعوں کی عمرانی اور ان تمام علاقوں کی فتح (کے حالات) روشن و واضح ہو جائیں گے۔

خورشاہ کی مدت حکومت

رکن الدین خورشاہ کے باپ علاء الدین کا قتل شوال ۶۵۳ھ کے آخر میں ہوا تھا اور اپنے بیروں اور ماتحتوں پر رکن الدین کی حکومت کا آغاز اسی شوال ۶۵۳ھ کے آخری دن سے ہوا تھا۔ یہ شوال ۶۵۳ھ کی آخری تاریخ تھی کہ وہ میمون دز سے باہر آیا اور بادشاہ (ہولا کو) کی خدمت میں کھڑا ہوا (یوں) باپ کی جگہ اس کی حکومت کی مدت پورے ایک سال تھی۔

رکن الدین کے قلعوں کا بیان

چونکہ ابھی رکن الدین کا نصیب جاگ رہا تھا، قلعہ میمون دز سے باہر آیا اور ہولا کو کے امراء میں سے ایک (منگول) امیر تغائی حفاظت کی غرض سے اس کے ہمراہ تھا اس زمانہ میں رکن الدین نے اپنے معتمدوں کو قاصدوں کے ساتھ ان ممالک کے قلعوں کے مسامد و خراب کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ انہوں نے چالیس سے زیادہ قلعوں کی پڑتال کی اور ان کے باشندے جو طہ تھے (خورشاہ کے) حکم کے مطابق قلعہ سے نکل آئے مگر الموت اور لیسر کے محافلوں نے ہمانے کئے اور یہ درخواست کی کہ جب بادشاہ (ہولا کو) کی سواری الموت کے قریب پہنچے گی تو وہ قلعہ سے نیچے آئیں گے۔

ہولا کو کی واپسی اور شرک میں قیام

بادشاہ نے دو تین دن بعد وہاں سے کوچ کیا۔ لشکر شاہی شرک ردوبار سے پھر گزرا اور وہاں خیمہ زن ہوا۔ یہ شرک (چھوٹا شرک) اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں اور اسلامی دور میں الحاد (اسماہیلوں) سے پہلے ویلیم کے بادشاہوں کا مرکز رہا تھا۔ علاء الدین کے دور حکومت میں یہاں ایک باغ لگایا گیا ایک اور عمارت (کوشک) تعمیر کی گئی تھی اور یہ اسماہیلوں کی تماشا گاہ (تفریح گاہ) تھی۔ (شرک ردوبار کے مقام پر منگولوں نے) نو دن تک فتح و کامیابی کا جشن منایا۔

الموت اور لمسر کی تسخیر

یہاں سے (لشکر شاہی) الموت کے پایہ (نیچے کے میدانی علاقہ) میں گیا اور ایک دن وہاں شہر۔ رکن الدین کو قلعہ کے نیچے بھیجا گیا اس نے ان لوگوں سے بات کی اور انہیں بلایا۔ اس قلعہ کے مقدم نے جس کا نام مقدم الدین تھا سرکشی اختیار کی اور قلعہ سے نیچے آنے سے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ زادہ (ہولا کو) بنے (امیر) بلخای کو ایک لشکر جرار سے ساتھ (الموت کے) محاصرہ کے لئے چھوڑا اور خود لمسر کی جانب روانہ ہوا۔ (محاصرہ کی شدت کے باعث) الموت کے لوگ مصلحت کے دروازے سے داخل ہوئے اور مخالفت کے راستے کو مسدود کر دیا اور لمسر میں رکن الدین کے پاس مسلسل آدمی بھیجتا شروع کیا کہ بادشاہ (ہولا کو) کے حضور میں ان کی لغزشوں کی سفارش کر کے امان کا فرمان حاصل کرے۔ (رکن الدین) وہاں گیا مقدم (الموت) قلعہ سے نیچے آیا اور منگولوں کی ایک جماعت اوپر (قلعہ میں) گئی رکن الدین کو بھی قلعہ میں جانے کی اجازت دی گئی۔ ان (منگولوں نے) وہاں کے قلعہ شکن آلات (منجنیقوں) کو توڑ ڈالا دروازے اکھاڑ دیئے۔ قلعہ کے کینوں نے تین دن کی مہلت مانگی اور اپنے مال و اسباب کے منتقل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ چوتھے دن تمام لشکری اور غیر منظم شاگرد پیشہ (لشکریان و حشریان) قلعہ میں گھس گئے ورجو کچھ بچ رہا تھا اسے لوٹ لیا۔

الموت ایک پہاڑ ہے جسے ایسے اونٹ کے مشابہ کہا گیا ہے جو زانو مارے اور زمین پر گردن رکھے ہوئے بیٹھا ہو۔

الموت کا کتب خانہ

میں (جوینی) جس زمانے میں (قلعہ) لمسر کے وامن میں (بادشاہ ہولا کو کے ساتھ) تھا،

مجھے (الموت کے) اس کتب خانے کو دیکھنے کا اشتیاق ہوا جس کی شہرت دور دور کے ممالک و اطراف میں پھیلی ہوئی تھی۔ الموت کی فتح کے بعد میں نے (ہولا کو سے) عرض کی کہ الموت کی نقیص کتابوں کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ بادشاہ نے اس بات کو پسند کیا اور حکم دیا سو میں اس کے مطالعہ کی غرض سے (الموت) گیا اور میں نے جو قرآن مجید کے نسخے اور نقیص کتابیں پائیں انہیں یوں نکال لیا جیسے اللہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے (تخریج الحی من المیت ۹۶) اور رمد کے آلات از قسم کراسی 'ذات العلق' اسطرلاباے تام 'نصف' شعاع وغیرہ جو وہاں موجود تھے وہ بھی میں نے لے لئے باقی (کتابیں) جن کا تعلق (ملاحظہ کی) گمراہی و سرکشی سے تھا جو نہ تو عقولات میں مستند تھیں اور عقولات میں معتد (قابل اعتبار) میں نے انہیں جلوا دیا ہر چند کہ وہاں خزانے بھرے ہوئے تھے اور سونے چاندی کی اشیاء ان گنت تھیں میں نے ان پر "اے زرد (سونا) زرد ہو جا اور اے سفید (چاندی) سفید ہو جا" پڑھا اور کرم کی آستین جھاڑی (یعنی غنائے نفس کے سبب ان سے بے رغبتی برتی)

الموت کی تاریخ

مجھے مطالعہ کے دوران (وہاں) تاریخ جیل و دیلم نامی ایک کتاب ملی جسے فخرالدولہ ۷۰۹ ہجری کے نام پر تصنیف کیا گیا تھا (اس کتاب میں) الموت کے ذکر میں یہ تحریر ہے کہ دیلم کے بادشاہوں میں سے، جنہیں ارجستان کہتے ہیں، ایک بادشاہ نے ۴۳۶ھ میں اس پہاڑ پر ایک عمارت کی تعمیر شروع کی تھی شاہان و دیلم کو اس پر غرر رہا ہے اور اسماعیلی داعیوں کو اس سے غلبہ و اقتدار حاصل ہوا ہے۔ سلامی ۷۰۹ھ کی تاریخ میں مذکور ہے کہ عراق پر دیالمہ کے قبضے کے زمانے میں اس جگہ کے کو قوال کو سیاہ چشم کہتے تھے اس نے مصر کے اسماعیلیوں کی دعوت قبول کر لی تھی اس قلعہ میں اس کے خنجر ہونے کا ذکر حسن مباح کے تذکر میں آچکا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ (الموت) ایسا قلعہ ہے جس میں اندر جانے، باہر آنے اور اوپر چڑھنے کے راستوں کو سچ کی دیواروں اور سیسہ پلائی ہوئی بنیادوں سے اس قدر محکم کیا گیا تھا کہ اس کی تخریب کے وقت لوہا گویا پتھر پر پڑتا تھا اور (حیرت سے) اپنے ہاتھ کو دانت سے کاٹتا تھا (یعنی الموت کے راستوں کو لوہے کے بنے ہوئے آلات بھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے) ان پتھروں کے سوراخوں میں چند طول، عریض و بلند زمین و زمستف راہ داریاں ۹۹۰ء بنائی تھیں اور گہرے حوض تعمیر کئے تھے جو گچ اور پتھر کے استعمال سے مستحقی تھے گویا آیت قرآنی و تختوں من الجبال یوتا ۱۰۰ (اور تم لوگ پہاڑ کاٹ کر گہر تعمیر کرتے ہو) انہیں (راہ داریوں اور حوضوں) کے وصف میں نازل ہوئی تھی۔ (ان پہاڑوں میں) شراب، سرکہ، شد اور مختلف اقسام کے باغ (رقیق) اشیاء اور جامد (ٹھوس) اجناس کے لئے ذخیرے اور

حوض تراشے گئے تھے انسانی قوت و طاقت سے بڑھ کر عمارات کی تعمیر کے ضمن میں جنات و شیاطین کے بارے میں قصوں اور کتب تقاسیر میں جو کچھ مذکور رہے، اس کی نظیر ان انسانی تعمیرات میں دیکھنے میں آئیں۔ یہاں کے ذخیروں کو تا راج کرنے اور انہیں باہر نکالنے کے وقت ایک آدمی نے شد کے حوض میں غوطہ لگایا اسے اس کی گہرائی کا پتہ نہ تھا، وہ اس حوض میں (حضرت) یونس کی طرح غسل کرتا تھا اور جو اللہ کی نعمت اسے میسر نہ آتی تو وہ غرق ہو جاتا اور مذموم و ناپسندیدہ ٹہرتا۔ شاہرودے ایک نہر کاٹ کر قلعہ کے نیچے تک لائی گئی ہے اور وہاں سے قلعہ کے نصف مدار پر ایک نہر پھر میں کاٹ کر بنائی گئی ہے جس کے نشیب میں دریا جیسے (بڑے بڑے) آگئی حوض بنائے گئے ہیں کہ پانی خود سے ذخیرہ کرنے کی غرض سے وہاں جاتا اور وہاں سے برابر بہتا رہتا ہے۔ یہاں کے اکثر مائع (رقیق) اور جامد (ٹھوس) ذخیرے جنہیں (اسماعیلوں نے) حسن صباح کے زمانے سے یہاں رکھا تھا اب تک کہ ایک سو ستر سال سے اوپر ہو چکے ہیں (۶ رجب ۸۳۳ھ سے ذی القعدہ یا ذی الحجہ ۶۵۴ھ تک ایک سو اکتھہر سال چار یا پانچ ماہ کی مدت) ان میں ذرا بھی (مزہ رنگ اور بو میں) تغیر اور خرابی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اسماعیلی اس بات کو حسن صباح کی برکت سمجھتے تھے۔ (اس قلعہ کے) جنگلی آلات، اور ذخائر کی تفصیل اس سے زیادہ ہے کہ کسی تکلیف کے بغیر کتاب میں درج کی جاسکے (یعنی ان ذخیروں کا بیان ملال آمیز طوالت کے بغیر کتاب میں نہیں ساسکتا)۔ (بادشاہ ہولا کو نے) ایک امیر کو خواص و عوام امراء و غیر منظم سپاہیوں کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ اس قلعہ کی تحریب پر مقرر کیا جب کہ الال ہے انہیں برباد کرنا ممکن نہ ہوا تو (یہ لوگ) ان عمارتوں کے اوپر آگ لگا کر انہیں توڑتے تھے اس کام میں مدت و راز تک یہ لوگ مصروف رہے۔

ہولا کو کا لمسو میں قیام

بادشاہ (ہولا کو) نے لمسو میں جو اس خطہ کا موسم سراگزار نے کا مقام (سرمائی مقام) تھا، قیام فرمایا اور یہاں کے شیاطین (بدحاشوں) اسماعیلوں کو چند روز کی سہلت دی تاکہ وہ لوگ گہرائی ترک کر دیں، اور اس قوم کے سانپ اپنے بلبوں سے باہر آجائیں مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ (نتیجہ کے طور پر بادشاہ نے) طائر بوکا کو منکولوں اور تاجیکوں کی ایک فوج کے ساتھ اس کے محاصرہ کے غرض سے وہاں چھوڑ کر ذی الحجہ ۶۵۴ھ کو کامیابی و کامرانی کے ساتھ مراجعت فرمائی۔

خورشاہ کا قزوین میں قیام

رکن الدین کے اہل و عیال کو ملازمین اور سوار یوں کے ساتھ قزوین میں سکونت (اختیار کرنے) کا حکم دیا۔ اور اس کی فوج کو منتشر کر کے امراء میں بانٹ دیا۔ خود رکن الدین بادشاہ کی خدمت میں اس کے لشکر گاہ (اردو) میں جو ہمدان کی حدود میں تھا آکر شامل ہو گیا۔ اس نے اپنے دو تین قابل اعتماد آدمیوں کو بادشاہ کے قاصدوں کے ہمراہ شام کے (اسماعیلی) قلعوں کی جانب وہاں کے کوتوالوں (قلعہ داروں) کو لانے کی غرض سے روانہ کیا۔ تاکہ وہ ان کو دربار میں حاضر کریں، ان کے خزانوں کو ضبط تحریر میں لائیں اور ان قلعوں کی بادشاہ کے نام پر حفاظت کریں اور جب بادشاہ کا آسمان جیسا بلند چتران حدود و دیار میں پہنچے تو ان کے بارے میں مصلحت کے مطابق فرمان صادر کیا جائے۔

خورشاہ کا ایک منگولی لڑکی سے معاشرہ

رکن الدین (اس دوران) بادشاہ (ہولا کو) کی نوازش و کرم کا سزاوار رہا۔ اس دوران میں وہ ایک گھٹیا منگول کی بیٹی پر عاشق ہو گیا۔ (برکی ازبکات اراذل اتراک عاشق شد) اور مجنون کی طرح اپنے ملک و بادشاہی کے خطبہ کو اس کے ساتھ خطبہ (کاج) سے تبدیل کر لیا۔ جب بادشاہ کے حکم سے اس منگولی لڑکی کو اس کے سپرد کیا گیا تو وہ حد درجہ خوش ہوا اور ایک دن شراب نوشی کی محفل میں مطربوں (گویوں) سے یہ رباعی گانے کی فرمائش کی۔

شاہا بدرت بہت نہار آہہ ام
دزکدہ خویش شرمسار آہہ ام
اقبال تو آور د مرا موی کشاں
دورنہ بچہ کارو بچہ بار آہہ ام

(اے بادشاہ میں تیرے در پر پناہ لینے آیا ہوں۔ اپنے کئے پر شرمندہ ہو کر آیا ہوں)
(تیرا اقبال مجھے بال بکڑ کر لایا ہے۔ دورنہ میں کس کام سے اور کس ساز و سامان سے آیا ہوں۔)

بخنی اونٹوں کی فرمائش

رکن الدین دیوانگی کے دیگ میں بزبختی اونٹوں کی ہوس کو پکاتا تھا (یعنی اپنی خام خیالی یا سوداوی مزاج کے سبب بزبختی اونٹوں کے حصول کی خواہش ہوئی۔ اور اس کے دماغ میں بزبختی اونٹوں کا سودا سلیا) وہ ہمیشہ جان کاروں سے اس بارے میں پوچھ کچھ کرتا رہتا تھا۔

ایک دن بادشاہ (ہولاکو) نے اسے اس غرض سے سواونٹیوں کے دیئے جانے کا حکم دیا مگر اس نے اسے قبول نہ کیا اور کہا کہ میں کب ان کے بچے دینے (اور ان کے بڑے ہونے کا) انتظار کر سکتا ہوں اس نے تمیں نر لونوں کے دیئے جانے کی درخواست کی۔ اس ہوس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اونٹوں کی لڑائی کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا۔

خورشاہ کی قراقرم روانگی

قصہ مختصر جب رکن الدین شادی کی مصروفیات اور عروسی کے معاملات سے فارغ ہوا تو اس نے بادشاہ سے یہ درخواست کی کہ اسے منکوقا آن کے دربار میں بھیج دیا جائے۔ یہ بات بادشاہ (ہولاکو) کی فشاء کے مطابق تھی چنانچہ وہ یکم ربیع الاول ۶۵۵ھ کو دوس آدمیوں کے ہمراہ ایلچہوں کی مصاحبت میں (منکوقا آن کے) دربار میں (حاضری کی غرض سے) روانہ ہوا۔

خورشاہ کا انجام اور ملاحظہ کی بربادی

جب رکن الدین کو بادشاہ (ہولاکو) نے اس کی درخواست پر بادشاہ جہاں منکوقا آن کی خدمت میں بھیجا تو اس نے بادشاہ ہولاکو سے یہ عرض کیا کہ (وہ جب) (قلعہ) (گردو کوہ) پہنچے گا تو وہاں کے بد بختوں (قلعہ کی مدافعت کرنے والے اسماعیلیوں) کو (پھاڑی) (چوٹی سے نشیب میں لائے گا۔ (ان سے ہتھیار ڈلوادے گا) رکن الدین روانہ ہوا تو بادشاہ نے منگولوں کی ایک جماعت کو اس کی حفاظت و خدمت کی غرض سے نامزد کیا۔ جب وہ گردو کوہ کے دامن میں پہنچا تو اس نے (محمورین سے) ظاہرداری کے طور پر نیچے اتر آنے (اور اطاعت قبول کرنے) کو کہا اور خفیہ انہیں یہ کہلا بھیجا کہ نیچے نہ اترنا (اور منگولوں کی اطاعت نہ قبول کرنا) جب یہ لوگ (گردو کوہ سے) روانہ ہوئے (تو اٹائے سفر میں) بخارا کے مقام پر (رکن الدین نے) اپنی عقل کے مطابق ایلچہوں سے جھگڑا کیا اور انہوں نے ایک دوسرے کو گھونٹے مارے۔ قاآن کا یاسا (آئین) اور منکوقا آن کا فرمان یہ تھا کہ ان (اسماعیلیوں) میں سے ایک باریگی (سب کو مار ڈالیں) حتیٰ کہ ان بچوں کو بھی جو ابھی گوارہ میں ہیں زندہ نہ چھوڑیں۔ چنانچہ رکن الدین کے تمام (درباری، حوالی موالی) ہزاروں اور سینکڑوں (کی تعداد) میں چاق و چوبند، ہوشیار چوکس محافظوں و موکلوں کی تحویل میں تھے (سفر کے دوران) جو افعال و اقوال ان سے سرزد ہوئے ان کے سبب (قاآن کے یاسا کے نفاذ میں) عجلت کرنی پڑی۔ اور یہ بات اس گروہ کی خوں ریزی کا سبب بن گئی۔ چنانچہ فرمان جاری ہوا کہ تمام (منگولی)

لشکروں میں ایلچی بھیجے جائیں تاکہ ہر گروہ اس (اساھلی) جماعت کو جو اس کے سپرد کی گئی تھی، جان سے مار ڈالے۔

قراقای ہتکھی قزاقین گیا جہاں منگولوں نے رکن الدین کے بیٹوں، بیٹیوں، بھائیوں، بہنوں اور ہر اس شخص کو جو اس خاندان اور قوم سے تھا قاقای آگ میں جلا دیا (ٹا کر دیا) (یعنی دہات و اخوان و اخوات و ہر کس کہ از ہم او قوم او بودہ آتش فاشادند) ان میں سے دو تین آدمیوں کو بلخان کے حوالہ کیا گیا تاکہ وہ انہیں اپنے باپ چٹائی کے قصاص میں 'جئے' فدا کیوں نے خجربار کر ہلاک کر دیا تھا، مار ڈالے۔ (ہایان کار) ان کی نسل سے کوئی آدمی زندہ نہ رہا (و از نسل ایشان هیچ کس نماند) او تاکو چیتا کے پاس، جو خراسان (میں مقیم منگولی) لشکر کا سپہ سالار تھا اور قہستان کے امور کا انصرام اس کے سپرد تھا، (اس قسم کا) فرمان بھیجا گیا وہ بھی اس جماعت (اساھلی) میں سے ان لوگوں کو جو اتحاد میں راسخ الحیدہ تھے، اکٹھا کرنے کے بہانے سے باہر لایا (یہاں شہر یوں راند) اور (ان میں سے) بارہ ہزار آدمیوں کو جان سے مروا دیا۔ اس طرح جہاں بھی (اساھلی) تھے، ان سب کو نیست و نابود کر دیا گیا (تمامت رائست کردند)۔

جب رکن الدین (منگولوں کے پایہ تخت) قراقورم پہنچا تو بادشاہ عالم منکوقا آن نے فرمایا کہ اسے اتنی طویل مسافت تک لانا ایک طرح کی زیادتی ہے (ہمارے ماتحتوں کو) ہمارے قدیم یا سا (حکم) کا علم ہے (یعنی ہوا کو ہی کو چاہئے تھا کہ اسے قتل کروا دیا ہمارے پاس بھیجنے کی کیا ضرورت تھی) چنانچہ اس نے رکن الدین کو (اپنے دربار میں حاضری اور نذر پیش کرنے کی) اجازت نہ دی۔ اور اس کے پاس یہ حکم بھیجا کہ "اسے ہماری اطاعت و فرماں برداری کا دعویٰ ہے پھر کیا بات ہے کہ کچھ قلعوں کو اس نے (اب تک) ہمارے حوالہ نہیں کیا اور ان پر ہمارا قبضہ نہیں کروایا اسے چاہئے کہ گرد کوہ اور لیسو کے قلعوں کی جانب واپس جائے، ان قلعوں کو منہدم کرے تو دو سری بار اس کو حضوری کے شرف سے مشرف کیا جائے گا۔"

رکن الدین کو (قراقورم) سے واپس کر دیا گیا۔ جب یہ لوگ یہ لوگ تنگات ۱۸۰ (TOUNGAT) کے کنارے پہنچے تو رکن الدین کو اس بہانے سے کہ اسے انعام و اکرام دینے کی غرض سے شاہی قاصدوں نے ایک محفل جشن ترتیب دی ہے راستہ سے لوٹا دیا گیا ان کو تو قوتوں کا دباں جو اس کے آباؤ اجداد نے مخلوق خدا کے ساتھ کیا تھا اسے چکھادیا گیا اور اسے اور اس کے متعلقین کو پاؤں سے پکلا اور تلوار کے گھاٹ اتار دیا چنانچہ اس کا اور اس کے خاندان (نسل) کا کوئی اثر باقی نہ رہا وہ اور اس کے عزیز و اقارب (لوگوں کی) زبانوں پر قصہ کہانی ہو گئے اور وہ دنیا میں داستان بن گئے۔ دنیا جو ان کی خباثت سے آلودہ ہو گئی تھی

پاک و صاف ہو گئی۔ (اس علاقے میں) آنے والے بے خوف و ہراس اور محافظوں کی زحمت اٹھائے بغیر آ جا رہے ہیں۔ اور بادشاہ جو ان بخت (ہولاکو) کو دعا دیتے ہیں، جس نے ان (اسامیہلوں) کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور ان میں سے کسی کا نام و نشان باقی نہ چھوڑا (داز کسے ازیشان اثر نگذاشت) سچ بات ہے کہ یہ کام (یعنی ملاحدہ کا استیصال) مسلمانوں کے زخموں کا مرہم تھا اور دین میں خلل اندازی کا اس سے تدارک ہو گیا۔ وہ لوگ جو اس زمانے کے بعد آئیں گے وہ یہ جانیں گے کہ (ملاحدہ کا) قتلہ کس حد تک (تباہ کن) تھا اور مخلوق دنیا کے دلوں میں کس درجہ (ان سے) تشویش تھی۔ گزشتہ بادشاہوں کے زمانے سے موجودہ دور کے بادشاہوں تک اگر کسی (حکمران) کا ان (اسامیہلوں) سے موافقت اور میل جول بھی رہا تو وہ خوف و ہراس (کے سبب) تھا۔ وہ ان (اسامیہلوں) کی مخالفت کے باعث رات دن ان کے خنجر زن بد معاشوں کے ڈر سے زندان (قید خانے) جیسی تنگی میں رہتے تھے۔ یہ ایک بیانہ تھا کہ ختم ہوا اور ہوا تھی جو بند ہو گئی۔

یہ یاد رکھنے والوں کے لئے تذکرہ، عبرت ہے اور اللہ ظالموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ ۱۲

حواشی

بر متن جہاں گشائی جلد سوم

۱۔ یہ فرقہ کیسان کی نسبت سے کیسانہ کہلاتا ہے۔ کیسان حضرت علی کے غلام کا نام تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کیسان مختار ثقفی کا لقب تھا۔ ہر کیف اس فرقہ کا بانی مختار ثقفی ہی ہے۔ کیسان حضرت علی کے بیٹے محمد بن حنفیہ کا شاگرد تھا اس نے ان سے علم تاویل باطن اور آفاق و انفس کی تعلیم پائی۔ اس فرقہ کے خاص خاص عقائد یہ ہیں۔

۱۔ اللہ سے احکام میں غلطی ہو سکتی ہے چنانچہ حکم سابق کو منسوخ کر کے وہ دوسرا حکم نافذ کرتا ہے۔ اسے ”بداء“ کہتے ہیں۔

۲۔ محمد بن حنفیہ امام اور علم باطن و اسرار تاویل کے ماہر ہیں۔

۳۔ ارکان شرعیہ کی ظاہری صورتوں میں کوئی حیثیت نہیں ان کی تاویل امام کرتا ہے۔

۴۔ یہ فرقہ تاج، حلول اور رجعت امام کا قائل ہے۔ (ابن قتیبہ، المعارف، مصر ۱۹۶۰ء ص

۲۲۲، اسرار، التبصیر، ۱۹۶۰ء ص ۱۸، شہرستانی، الملل والنحل، مصر ۱۹۳۸ء ج ۱ : ۱۳۷)

۲۔ محمد بن حنفیہ حضرت علی کے بیٹے ہیں ۸۱ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۸۷ھ میں

طائف میں وفات پائی۔ فرقہ کیسانہ کے مطابق آپ زندہ ہیں اور عرب کے پہاڑ رضوی میں

امامت گزریں ہیں۔ آپ مہدی ہیں اور جلد رجعت فرمائیں گے (التبصیر ص ۱۸، ۱۹، المختصر فی

اخبار البشر، مصر ۱۳۲۵ھ ج ۲ : ۱۴)

۳۔ زید کی کنیت ابو الحسن تھی وہ امام حسینؑ کے پوتے اور امام زین العابدینؑ کے بیٹے

تھے۔ انہوں نے ۸۲ھ میں ہشام بن عبد الملک کے خلاف کوفہ میں خروج کیا، ان کے

ساتھیوں نے انہیں دھوکہ دیا اور وہ مار دیئے گئے۔ ان کے نام سے شیعوں کے جس فرقے کو

انتساب ہے وہ زیدیہ کہلاتا ہے۔ زیدیہ اصول و عقائد میں معتزلہ کے اور فروع و مسائل میں

حنفیہ کے ہم مسلک ہیں۔ (الملل والنحل، ۱ : ۱۵۳-۱۵۷)

۴۔ امام محمد الباقر شیعوں کے پانچویں امام ہیں۔ آپ صفر ۵۷ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے

اور بیس ۳۳ اور ۸۸ھ کے مابین وفات پائی۔ آپ امام زین العابدین کے صاحبزادہ اور امام حسین کے پوتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد، بیروت ۱۹۵۷ء ج ۵ ص ۲۳۸ و شہرستانی، الملل و النحل مصر ۱۹۶۱ء ج ۱ ص ۲۱۵) مورخ یعقوبی نے آپ کا سال وفات ۸۷ھ لکھا ہے۔ (تاریخ یعقوبی، دار صادر بیروت، ج ۲ ص ۳۲۰)

۵۔ عبد اللہ بن معاویہ نے بنو امیہ کے آخری زمانے میں کوفہ میں ۳۷ھ میں بغاوت کی شکست کھا کر ایران چلا گیا اور قارس اصفہان و کمان پر چندے قابض رہا پھر اموی افواج سے شکست کھا کر خراسان بھاگ گیا۔ جہاں ابو سلم خراسانی نے اسے قید کر دیا بعد ازاں ۳۰ھ میں قتل کر دیا وہ شیعوں کے فرقہ جتاجیہ کا بانی و امام ہے۔ (طبری ۷ : ۳۰۲ و بعد)

۶۔ امام جعفر الصادق فرقہ اثنا عشریہ کے چھٹیں امام ہیں۔ آپ امام محمد الباقر کے صاحبزادہ ہیں ۸۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور بیس ۱۴۸ میں وفات پائی۔ امام جعفر صادق فقہ جعفریہ کے مدار علیہ و علوم اہل بیت کے امین و داعی ہیں۔ (الملل والنحل ۱ : ۱۶۱ و ابو الغداء، المختصر فی اخبار البشر، ط مصر ۱۳۳۵ھ ۲ : ۵)

۷۔ محمد الدیاج امام جعفر صادق کا بیٹا تھا۔ اس نے المامون کے دور میں ابو السرایا کی حمایت میں علم بغاوت بلند کیا۔ بعد ازاں اپنی امامت و خلافت کی بیعت لی۔ عباسی افواج سے شکست کھائی اور گرفتار کر کے المامون کی خدمت میں لایا گیا۔ المامون نے اسے محاف کر دیا۔ اس نے جرجان میں انتقال کیا اور اس کی قبر وہیں ہے۔ (طبری ۸ : ۵۳۹، ۵۴۰)

۸۔ محمد بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی ابن ابی طالب اپنے بھائی داعی کبیر حسن بن زید کے بعد طبرستان کا حکمران ہوا۔ اس نے سترہ سال سے زیادہ عرصہ تک یہاں حکومت کی پھر سامانیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر مارا گیا۔ طبرستان پر زید کی حکومت ۲۵۰ھ سے ۲۶۶ھ تک رہی اور چار افراد نے حکومت کی جن میں یہ محمد بن زید دوسرا حکمران تھا اس کے بعد حسن بن علی اطروش اور حسن بن قاسم داعی صغیر نے یہاں بساط حکومت بچھائی جسے اسفار نے الٹ دیا (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ ایران از مرزا متبول بدخشانی، جلد دوم، شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور)

۹۔ بداء : بداء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بات کا ارادہ کر لے پھر کسی مصلحت سے اس ارادہ پر نادم و پشیمان ہو کر اسے بدل دے اور اس کے خلاف کرے۔ غلاۃ شیعہ میں کیسانیہ جو البقیعہ بدائیہ وغیرہ کا یہی عقیدہ ہے۔ مگر امامیہ ”بداء“ کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ بداء کے معنی ہیں مصلحت کے سبب احکامات میں تغیر و تبدل کرنا۔ یعنی اللہ نے ایک وقت میں کسی

مصلحت سے ایک حکم دیا اور دوسرے وقت کسی دوسری مصلحت کے تحت اس حکم کو بدل کر اسکے برعکس دو سر احکم دیا۔ اسے تلخ تشریح بھی کہتے ہیں۔ اس منہوم میں بداء اللہ پر شیعوں کے نزدیک جائز ہے (حکیم نجم النبی، مذاہب الاسلام، مطبوعہ رضا پبلکیشن، لاہور ۹۸ء) صفحہ ۳۰۹ و ۳۱۰

۱۰۔ یہاں اصل کتاب میں بیاض ہے۔ محمد الدیاج بن امام جعفر صادق کے بیروں کا نام توختی، شہرستانی اور رازی نے شمعہ لکھا ہے (توختی، فرق الشیعتہ، ۹۸ء، مطبوعہ حیدریہ نجف، شہرستانی، اطلال والنحل، ج ۱ ص ۲۷، رازی، عقائد مسلمین، اردو ترجمہ پروفیسر علی محسن صدیقی ص ۳۵ و ۳۴، مطبوعہ کراچی ۹۷ء)

۱۱۔ شہرستانی نے امام جعفر صادق کے بیٹے عبداللہ الاقطع کے متبعین کو الاقطعیہ کے نام سے منسوب کیا ہے۔ یہ اسماعیل کے حقیقی بھائی تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد صرف ستر دن زندہ رہے۔ (شہرستانی، اطلال والنحل، ج ۱ ص ۲۷)

۱۲۔ امام علی الرضاء فرقہ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام ہیں۔ ۳۸ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اپنے والد امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق کی وفات کے بعد ۸۳ھ میں جاشین ہوئے۔ مامون عباسی ان کی بڑی عزت کرتا تھا اور انہیں مرو بلا کر اپنا ولی عہد کیا تھا۔ انہوں نے ۲۴۳ھ میں اچانک طوس کے قریب انتقال کیا۔ ان کا مزار طوس میں، جواب انہیں کے مقبرے کی نسبت سے المشہد کہلاتا ہے، مرجع انام ہے (ابو الغداء ۲ : ۲۳)

۱۳۔ اسماعیل بن امام جعفر صادق کے سال وفات میں اختلافات ہیں۔ بعض اسماعیلی روایات کے مطابق انہوں نے ۳۸ھ اور بعض دوسری اسماعیلی روایات کی رو سے ۳۵ھ میں انتقال کیا۔ مگر مصدق بیانات سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے ۳۳ھ میں وفات پائی۔ ہر کیف بہر روایت انہوں نے اپنے والد ماجد (امام جعفر صادق متوفی ۳۸ھ) کی حین حیات ہی عالم فانی کو الوداع کہا۔ کتب تاریخ و عقائد سے مزید تفصیلات کے لئے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ نیز حواشی جہاں گشتائی جلد سوم صفحات ۳۱۱ و ۳۱۲ میں مزید معلومات ملیں گی۔

۱۴۔ القرآن، سورۃ آل عمران، آیت ۳۴

۱۵۔ القرآن، سورۃ الزخرف، آیت ۲۸

۱۶۔ مستقر و مستودع کی اصطلاحات کی وضاحت اسماعیلیوں کے ہاں یوں ہے کہ ”دور ستر میں مستقر امام خدا کے الہام سے حسب ضرورت اپنی جگہ پر اپنے نائبوں کو مقرر کرتا ہے، جو مستودع کہلاتے ہیں اور جن میں مشہور آدم، نوح، موسیٰ اور عیسیٰ ہیں، اور (مستقر

امام) خود عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ جب مناسب سمجھتا ہے تو خود بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتا ہے مگر اس کا ظہور کلی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بعض بعض مقامات پر ظاہر ہوتا ہے جس طرح حضرت ابراہیم کا ظہور شام میں ہوا۔ آپ اپنے زمانے کے مستقر امام بھی تھے یعنی ظاہری شریعت کے علاوہ علم باطن کے بھی مالک تھے۔ آپ کی ذریت میں مستقر اماموں کا سلسلہ عبدالمطلب تک پہنچا۔ ان کے دو فرزند ہوئے۔ ایک عبد اللہ جنہیں عبدالمطلب نے ظاہری دعوت کا صدر بنایا اور دوسرے ابوطالب جنہیں دعوت باطنی کا رئیس مقرر کیا۔ عبد اللہ کے قائم مقام حضرت محمد صلعم اور ابوطالب کے جانشین حضرت علی ہوئے۔ یعنی ہر بیٹے کو اپنے باپ کی وراثت ملی۔ اسی وجہ سے حضرت محمد شریعت ظاہری کے مالک اور حضرت علی دعوت باطنی کے صدر قرار پائے۔ حضرت علی کی نسل سے قیامت تک ائمہ قائم ہوں گے۔ آخری امام قائم القیامہ ہوگا جو دور کشف کا پہلا امام ہوگا۔ اس کے بعد پھر دور فقرت اور اس کے بعد دور سترواق ہوگا۔ (فاطمین مصر ۲ : ۲۰۶ و ۲۰۷ بحوالہ اساس التاویل و الانوار اللطیفہ وغیرہ کتب قدیم (اسامعیلین) اس بیان کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد کی طرح مستور یعنی شریعت ظاہری کے مالک ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے والد کی طرح مستقر یعنی شریعت باطنی کے صدر ہوئے۔ اور چونکہ اصل مستقر ہوتا ہے جو مستور کو مقرر کرتا ہے اسی لئے اصل حضرت علی ہوئے جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مستور مقرر کیا (نور بانہ) یہ بیان کہ حضرت حسین مستقر تھے اور حضرت حسن مستور، قیاس چاہتا ہے کہ اس اساس پر جی ہے کہ حضرت حسین حضرت علی کے وارث ہوئے اور منصب مستقر پر فائز ہوئے جب کہ حضرت حسن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کے بطور مستور کھلائے۔ یوں اسامعیلوں کے ہاں حضرت علی و حسین کا مرتبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسن سے بالترتیب ارفع و اعلیٰ ہوا۔

۱۔ اسماعیل نے ۳۳ھ یا ۳۸ھ یا ۳۵ھ میں وفات پائی۔ ان کے بھائی موسیٰ الکاظم ۳۸ھ میں پیدا ہوئے وہ اپنے بڑے بھائی کی وفات کے وقت خور و سال تھے۔ اس کے برعکس محمد بن اسماعیل ۳۱ھ میں پیدا ہوئے وہ اپنے چچا موسیٰ الکاظم سے سات سال بڑے تھے۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کی روایت کے مطابق انہیں محمد بن اسماعیل نے اپنے چچا موسیٰ کاظم کے خلاف خلیفہ ہارون الرشید سے شکایت کی اور اسی وجہ سے اس نے موسیٰ الکاظم کو بغداد لے جا کر قید کر دیا جہاں ۸۳ھ میں بحالت قید انہوں نے انتقال کیا۔ بناء بریں

موسیٰ الکاظم کے معاصران کے بھائی اسماعیل نہیں بلکہ ان کے بھتیجے محمد بن اسماعیل ہیں۔ اسماعیلی روایات کے مطابق بھی محمد کے حجاب و مستور موسیٰ الکاظم تھے (زاہد علی، تاریخ قاطعین مصر کراچی ۱۹۹۳ء ج ۱ ص ۷۹)

۱۸ القرآن، سورۃ الصافات، آیت ۱۰۷

۱۹ عبد اللہ بن میمون القدری مضافات اہواز کا باشندہ تھا۔ اس نے الوہیت علی کا دعویٰ کیا۔ شام و عراق میں اپنی دعوت کو منظم کیا اور اطراف و جوانب میں اپنے داعی بھیجے۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا اس دعوت کا سربراہ ہوا اس کے بعد عبد اللہ کا پوتا سعید بن حسین بن عبد اللہ بن میمون القدری اس کا جانشین ہوا۔ اس کے داعیوں نے المغرب میں اس کی امامت کی دعوت عام کی اور بنو اغلب کی حکومت ختم کر کے ۲۹۷ھ میں اسے تخت نشین کر دیا۔ اس نے قاطمی ہونے، امامت و سہلہ کے دعویٰ کئے (التبصیر فی الدین، استراچی ص ۸۸، ابن ندیم (ترجمہ اردو) لاہور ۱۹۶۹ء ص ۴۳۹ و ۴۵۰ ابو الفداء، ۲ : ۶۳ قاطعین مصر : ۷۶ و ۷۷، امام رازی، عقائد مسلمین و مشرکین (ترجمہ) کراچی ۱۹۷۵ء ص ۷۷)

۲۰ عبد ان الکاتب، فرقہ قرامطہ کے بانی حمران بن اشعث المعروف بہ قرامطہ کا برادر نسبی دوست اور اسماعیل داعی تھا۔

متحد اسماعیلی کتب اس کی جانب منسوب ہیں۔ ابو سعید جتانی اور ذکر دہمہ بن مہر وہبہ اسی کی تربیت سے گروہ قرامطہ میں شامل ہوئے تھے۔ (علی اکبر وہ خدا، لغت نامہ وہ خدا، مطبوعہ موسسہ وہ خدا، تہران)

۲۱ ابو الخطاب محمد بن ابی زینب مقلص اسدی اجدع غلاۃ شیعہ کے فرقہ خطابیہ کا بانی ہے۔ وہ ابتداء میں امام جعفر الصادق کے اصحاب میں تھا پھر ان کے حق میں غلو کیا اور انہیں الوہیت اور خود کو نبوت کے منصب پر فائز کر دیا۔ اس لئے امام جعفر الصادق نے اس کے حق میں بددعا کی اور اپنے اصحاب کو اس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی۔ عیسیٰ بن موسیٰ عباسی گورنر نے ۳۶۹ء اور ۳۸۸ء کے مابین اسے اور اس کے ستر ساتھیوں کو کفر و الحاد کی پاداش میں قتل کر دیا۔ (التبصیر فی الدین ص ۷۰-۷۳، المعارف، ص ۳۳، فرق الشیعہ، ص ۹۰، الملل والنحل، ۱ : ۷۹ و ۱۸۰، عقائد مسلمین (ترجمہ) پروفیسر علی محسن صدیقی ص ۳۷)

۲۲ طولی و اتحادی۔ مجوس و یہود میں یہ خیالات عام رہے ہیں کہ انسان کے جسم میں

اللہ حلول کر جاتا ہے اور یہ کہ انسان و خدا کا جسمانی و جوہری اتحاد ہوتا ہے۔ اسلام میں انہیں کے اثرات سے فرقہ ہائے مشبہ، حلوہ و مجسمہ پیدا ہوئے جن کا یہ خیال تھا کہ اللہ برہوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ غلامہ شیعہ میں یہ عقائد عام رہے ہیں مثلاً "اسماعیلوں کا فرقہ دروزیہ جو الحاکم کو خدا مانتا ہے اور غلامہ کا فرقہ نصیریہ جو حضرت علی کو الوہیت کی صفات سے متصف کرتا ہے۔ مختلف آئمہ کے بارے میں غلامہ نے اتحاد و حلول کے عقائد پیش کیے ہیں۔ میں نے اس مسئلہ پر امام رازی کی کتاب عقائد مسلمین و مشرکین کے اردو ترجمہ و حواشی میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ نیز محمد بن موسیٰ نوہجی کی فرق الشیعہ اور شہرستانی کی الملل و النحل کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔

۲۳۔ المعتمد علی اللہ خلیفہ المتوکل علی اللہ کا بیٹا ۲۲۹ھ میں پیدا ہوا ۲۵۶ھ میں تخت نشین ہوا اور ساڑھے تین سال تک حکومت کرنے کے بعد ۱۹ رجب ۲۷۹ھ میں انتقال کیا۔ وہ برائے نام خلیفہ تھا۔ اصل اقتدار اس کے بھائی الموفق طلعہ کو حاصل تھا۔ ابن الاثیر (۷: ۷۳)

۲۴۔ حمدان بن اشعث معروف بہ قرامطہ فرقہ قرامطہ کا نام اس کے لقب سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی اسماعیلی داعی تھا۔ اسی کے ذریعہ اس تحریک کو فروغ ہوا۔ ہر چند کہ اس کی تاریخ وفات کا علم نہیں مگر اتنا معلوم ہے کہ ۲۸۶ھ سے اس کا ذکر کتب تاریخ میں نہیں ملتا، سو یا تو حمدان نے اس سال انتقال کیا یا پھر گرم نامی کے پردے میں چلا گیا۔ (المختصر فی اخبار البشر ج ۲، ص ۵۵، ۷۳، ۹۸، ۱۱۳ عقائد مسلمین (ترجمہ) ص ۷۹)

۲۵۔ جونہی کا بیان ہے کہ قرامطہ نے حجر اسود اپنے ہاں پچیس سال تک رکھا، حالانکہ مورخین نے عموماً "یہ مدت بائیس سال بتائی ہے قرامطہ ۱۳ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو خانہ کعبہ سے حجر اسود کو اکھاڑ کر لے گئے اور انہوں نے ۱۴ ذی الحجہ ۳۳۹ھ کو اسے واپس کر دیا۔ یوں ان کے پاس یہ بائیس سال تک رہا۔ اس کی واپسی یوں ہوئی کہ کچھ دنوں تک قرامطہ نے اسے مسجد کوفہ میں رکھا، پھر خود ہی وہاں سے لے جا کر خانہ کعبہ میں نصب کر دیا۔ جونہی کا یہ بیان کہ حجر اسود کو مسلمانوں نے کوفہ سے لے جا کر کعبہ میں نصب کیا، عام مورخین کے بیان کے خلاف ہے۔ (دیکھئے کامل ابن اثیر، البدایہ والنہایہ ابن کثیر، العبر ابن خلدون وغیرہ)

۲۶۔ ابو القاسم رستم بن حسین بن فرج بن حوشب بن زاذان التجار الکونی المقصب بہ المنصور، یمن کا مشہور اسماعیلی داعی تھا۔ ۳۶۸ھ کے قریب یمن پہونچا اور اسماعیلی دعوت کی اشاعت میں مصروف ہو گیا۔ اسے وہاں خاصی کامیابی ہوئی اس نے متعاضد وغیرہ پر

بقضہ کر کے اپنا لقب المنصور رکھا اور اطراف و جوانب، مصر، سندھ اور المغرب میں اپنے داعی روانہ کئے۔ ابو عبد اللہ شیعہ نے اسی ابن حوشب سے اسماعیلی دعوت کا درس لیا اور یمن سے المغرب گیا۔ (فاطمین مصر، ج ۱ ص ۷۷)

۲۷۷ھ ابو عبد اللہ حسین بن احمد بن محمد بن زکریا معروف بہ ابی عبد اللہ الشیعی الصوفی المحتسب، یہ کوفہ، رام ہرمزیا پھر صنعائے یمن سے تعلق رکھتا تھا المغرب یا قبیلہ کتامہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مغرب میں حکومت قاطیہ کا موسس یہی ہے۔ شیعہ وہاں ۲۸۰ھ میں پہنچا اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے تن تھما سولہ سال کی مختصر مدت میں ایک شاندار حکومت قائم کر کے المہدی کے سپرد کردی۔ مگر اس کا انجام اچھا نہ ہوا وہ اپنے بھائی ابو العباس محمد کے ساتھ ذی الحجہ ۲۹۸ھ میں مہدی کے حکم سے رقادہ میں قتل کروایا گیا۔ (ابن اثیر، ج ۶ ص ۳۷ و بعد)

۲۸۷ھ یاں جوینی سے سہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شر سبجلماسہ کی تخریر سے پہلے المہدی اپنے بیٹے کے ساتھ اس شہر میں وہاں کے اعلیٰ امیر المسبح بن مدرار کے حکم سے محبوس تھا۔ جب ۷ ذوالحجہ ۲۹۶ھ کو ابو عبد اللہ شیعہ نے اس شہر کو فتح کیا تو المہدی اور اس کے بیٹے کو قید سے رہائی دلائی۔ جوینی نے تمام واقعات کو الٹ کر رکھ دیا کہ ابو عبد اللہ شیعہ کو شر سبجلماسہ میں موجود اور المہدی کا استقبال کرتے ہوئے دکھایا ہے، جب کہ امر واقعہ یہ نہیں ہے۔ (دیکھئے فاطمین مصر، ج ۱ ص ۹۱ و بعد)

۲۹۷ھ یاں جوینی سے تسامع ہوا ہے ۲۵۸ھ میں تو المہدی پیدا بھی نہ ہوا تھا شر مہدیہ کی تخریر چہ معنی وارد؟ (دیکھئے فاطمین مصر : ۱۰۲)

۳۰۷ھ المہدی کے حکم سے شر مہدیہ ۳۰۰ھ یا ۳۰۳ھ میں بننا شروع ہوا اور ۳۰۸ھ میں بن کر مکمل ہوا۔ اس سال وہ رقادہ سے منتقل ہو کر المہدیہ آیا۔ (فاطمین مصر جلد اول اور دوسری کتب تاریخ دیکھئے)

۳۱۷ھ ابو عبد اللہ شیعہ کے بھائی کا نام ابن اثیر، دستور المنجمین کے اسماعیلی مصنف اور مقرری نے ابو العباس محمد لکھا ہے۔ ابن خلکان نے اس کا نام ابو العباس احمد تخریر کیا ہے۔ جبکہ اکثر مورخین نے صرف ابو العباس کی کنیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے مگر کسی نے اس کا نام یوسف نہیں لکھا ہے۔ جوینی کا بیان اس ضمن میں مغرور ہے۔

۳۲۷ھ المہدی اور اس کے بیٹے القائم کو ابو عبد اللہ شیعہ کی فوجوں نے سبجلماسہ کی قید سے ۷ ذوالحجہ ۲۹۶ھ کو نجات دلائی، اس لئے بعض مورخین اس کی حکومت کا آغاز ۲۹۶ھ

سے کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ رقادہ میں ۲۱ ربیع الثانی ۲۹۷ھ کو پہنچا اور اس کی تخت نشینی کا اعلان اسی تاریخ کو ہوا اور اس نے امیر المومنین اور المہدی کے القاب اس موقع پر اختیار کئے اس لئے مورخین کی اکثریت نے اس کی حکومت کا سال آغاز ۲۹۷ھ کو قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ابن خلدون کی تاریخ العبد (عربی) و ترجمہ اردو جلد پنجم شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی و ابن اثیر ج ۶ ص ۷۷ و بعد)

۳۳۔ جوینی کا یہ بیان کہ بنو اغلب کی حکومت ۳۰۴ھ میں منقرض ہوئی درست نہیں ہے۔ ان کی حکومت کے خاتمہ کی تاریخ شب دو شنبہ ۲۶ جمادی الاخرہ ۳۹۶ھ ہے جبکہ ابو عبد اللہ شیعہ نے بنو اغلب کے آخری حکمران زیادۃ اللہ کو شکست دے کر رقادہ پر قبضہ کر لیا اور زیادۃ اللہ وہاں سے مصر کی جانب فرار ہو گیا۔

بنو اغلب نے المغرب پر ایک سو بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ اس خاندان کا پہلا حکمران ابراہیم بن اغلب تھی ہے جسے ۱۸۳ھ میں عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے موروثی گورنری عطاء کی اور آخری حکمران زیادۃ اللہ ہے جسے الشمعی نے ۲۹۶ھ میں شکست دے کر اس کے خاندان کے اقتدار کو ختم کر دیا۔ (دیکھئے ابن اثیر، ابن کثیر و ابن خلدون وغیرہ)

۳۴۔ یہ روایت موضوع اور اسماعیلیوں کی من گھڑت ہے۔

۳۵۔ دور ستر کے تین ائمہ میں سے صرف دو کے نام محمد اور احمد بتائے گئے ہیں، تیسرے کا نام نہ جوینی نے دیا ہے اور نہ اسماعیلیہ نزاریہ کی اہم کتاب دستور المنجمین میں مذکور ہے۔ یہ آخری کتاب حسن بن صباح کی زندگی میں لکھی گئی اور جوینی نے اپنی کتاب کی تیسری جلد میں اس سے کافی مدد لی ہے۔ ائمہ مستورین کے بارے میں اس کا بیان اس کتاب سے لفظ بلفظ نقل ہے۔ گمان غالب ہے کہ الموت کی تسخیر کے وقت جوینی کو جو کتابیں ملیں ان میں سرگزشت سیدنا کے علاوہ دستور المنجمین بھی رہی ہوگی۔ ائمہ مستورین میں سے تیسرے نام کا علم ابتدائی اسماعیلی داعیوں کو بھی نہ تھا کسی اسم سے عدم واقفیت مسی کے عدم وجود کی دلیل نہیں ہے؟ (مزید معلومات کے لئے ڈاکٹر زاہد علی کی تاریخ فاطمین مصر جلد اول صفحہ ۷۳ و بعد اور تاریخ ابن خلدون (ترجمہ) جلد پنجم دیکھئے)

۳۶۔ یہ عبد اللہ بن سالم بصری زیادہ معروف نہیں ہے، طبری کے ہاں اس کا صرف نام دوبار ملتا ہے، ہاں طبری کے ذیل نگار عریب بن سعید قرطبی نے اس کا نام پتہ یوں دیا ہے کہ عبید اللہ المہدی، عبد اللہ بن سالم کا بیٹا ہے جو عسکر مکرم کا باشندہ اور زندان باہلی کی اولاد

میں تھا یہ والی عراقین زیادہ کا افسر شرطہ اور مولیٰ تھا۔ سالم کو زندہ کے الزام میں خلیفہ عباسی المہدی نے قتل کر دیا تھا۔ عبید اللہ (المہدی) کو اس کے اقتدار کے ابتدائی ایام میں ”ابن البصری“ کہتے تھے۔ (عزیز بن سعید قرطبی، صلتہ تاریخ الطبری، مطبعہ الاستقامتہ قاہرہ ۱۹۳۹ء، ص ۳۶ و ۳۷)

۳۷۰ ابو العباس احمد القادر باللہ پچیسواں عباسی خلیفہ ۲ رمضان ۳۸۱ھ کو مسند خلافت پر متمکن ہوا اور ذی الحجہ ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

اس نے اکتالیس سال سے کچھ اوپر خلافت کی اور عمر بھی لانی پائی کہ چھیالیس سال تک زندہ رہا۔ اس کا دور بدستور عباسی خلافت کے انحطاط اور ملوک الطوائف کے تغلب کی داستانوں کا مجموعہ ہے۔ (محمد الغضری، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، الدولۃ العباسیہ، طبع مصر ۱۹۷۰ء صفحہ ۳۹۹ و بعد)

۳۸۰ ابو یزید محمد بن کیداء سنی نہیں تھا، بلکہ بافتاق مورخین خوارجے فرقہ اباضیہ کی شاخ نکار یہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ فرقہ اپنے عقائد میں بڑا تشدد تھا، اہل اسلام کی بلا استثناء تکفیر، ان کی جان و مال کی اباحت اور حکومت وقت کے خلاف خروج کا قائل تھا۔ اس نے اپنی تحریک کو تقویت پہنچانے کی غرض سے بربر قبائل میں یہ پروپیگنڈا کیا کہ خلافت کے قیام کے لئے اجماع ضروری ہے، نص و توقیف سے اس کا تعلق نہیں (تاریخ قاطعی مصر ۱ : ۳۹)

۳۹۰ جون کا یہ بیان کہ جوہر الصقلی مصر میں کافور اخشیدی کے دور حکومت میں آیا اور کافور نے مصر کی مسجد میں المعز قاطمی کے نام کا خطبہ پڑھا، عام روایات کے خلاف ہے۔ جوہر مصر میں ۱۸ شعبان ۳۵۸ھ کو داخل ہوا، جبکہ کافور اخشیدی ۳۵۵ھ، ۳۵۶ھ یا ۳۵۷ھ میں وفات پا چکا تھا۔ کافور کے دور اقتدار میں مصر میں بالعموم داخلی امن و امان اور خارجی استحکام رہا اس کے صحن حیات المعز مصر میں داخل نہیں ہو سکا تھا۔ یہ اس کی موت تھی جس کے نتیجے میں مصر میں داخلی انتشار پھیلا اور المعز نے جوہر کے ذریعہ اس پر فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا۔ مگر اسماعیلی بیانات کے مطابق کافور نے ان کی دعوت قبول کر لی تھی ان کی کتاب عیون الاخبار کی یہی روایت ہے، غالباً ”جون کا یہ“ اسی بناء پر کافور کو اسماعیلی کہا ہے۔

۴۰۰ ابو الحسن جوہر ایک رومی غلام تھا جسے المعز قاطمی نے تعلیم و تربیت کے زیورے آراستہ کیا تھا۔ اس کی قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے فوجوں کی کمان اس کو سونپی گئی اس نے المغلوب کے بیشتر علاقوں کو فتح کیا۔ مصر کی تسخیر، قاہرہ کی تعمیر اور چار سال کے قریب مصر پر

اپنے آقا کی نیا بت میں حکومت کرنا اس کے عظیم کارنامے ہیں۔ اس نے ۳۸۱ھ میں العزیز کے زمانے میں انتقال کیا۔ (فاطمین مصر : ۱۴۱ و ۱۴۲)

۳۸۱ھ فاطمی خلیفہ المعز کے سپہ سالار جوہر الصقلی نے مصر پر قبضہ کے بعد قاہرہ معزینہ کے نام سے ایک نیا دار الحکومت تعمیر کیا۔ فسطاط کے شمال میں جبل مقطم اور خلیج کے درمیان ۲۳ جمادی الآخرہ ۳۵۹ھ کو اس نے شہر کی بنیاد رکھی گئی۔ یہاں دو محل قصر کبیر اور قصر صغیر کے نام سے تیار کرائے گئے ان دونوں کے درمیان ایک وسیع و عریض مربع میدان چھوڑا گیا جس میں دس ہزار فوجی اپنی مشقیں کر سکتے تھے۔ ان دونوں ایوانوں میں متعدد ایوانات اور عمارتیں بنائی گئیں۔ لشکر کے قیام کے لئے مختلف محلے تعمیر کئے گئے۔ شہر کے ارد گرد ایک فصیل قائم کی گئی جس میں متعدد دروازے تھے۔ اس شہر کی تعمیر کوئی ڈھائی سال کے عرصہ میں ۳۵۹ھ کے اواخر میں مکمل ہوئی۔ قاہرہ کا شہر مربع تھا اور حکومت کے کارندوں کے علاوہ یہاں کسی اور کو رہنے کی اجازت نہ تھی۔ (فاطمین مصر : ۱۵۹ و ۱۶۲)

۳۸۲ھ ابو الفضل عبدالکریم الطائع للہ، چوبیسواں عباسی خلیفہ اپنے باپ الطمع کی دست برداری کے بعد ذی القعدہ ۳۵۳ھ میں اس کی بیعت ہوئی۔ چند ماہ کم اٹھارہ سال تک خلیفہ رہنے کے بعد رجب ۳۸۱ھ میں اسے خلافت کی ذمہ داریوں سے سبک دوش کر دیا گیا۔ اس کی خلافت محض نام کی تھی اور اصل اقتدار بنو یوسف کو حاصل تھا جو خلافت پر مستولی اور بلاد خلافت پر قابض تھے (محاضرات صفحہ ۳۹۳ و بعد)

۳۸۳ھ التتکین، معز الدولہ بویہی کا غلام تھا۔ عضد الدولہ کے دور حکومت میں ترک افواج کا قائد ہوا۔ اس زمانے میں عراق سے بھاگ کر شام پہنچا اور دمشق کے اعیان و اشراف سے مل کر وہاں کے فاطمی گورنر کو نکال کر شہر پر قبضہ کر لیا اور عباسی خلیفہ الطائع کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ معز اس پر فوج کشی کی تیاری میں تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس سے دلبر ہو کر التتکین نے شام کے بہت بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ عزیز نے جوہر صقلی کی قیادت میں شام کی دوبارہ تسخیر کے لئے ایک بھاری لشکر روانہ کیا۔ حسن قرمطی بھی التتکین سے مل گیا۔ متعدد جنگوں کے بعد آخر میں فتح فاطمی سپہ سالار کو ہوئی۔ التتکین گرفتار ہوا۔ عزیز کے سامنے پیش کیا گیا اس نے اسے نہ صرف یہ کہ معاف کر دیا بلکہ اعزاز و اکرام کا سلوک کیا اس کو ۳۷۲ھ میں وزیر یعقوب ابن کلیس نے زہر دیدیا۔ اس کی موت کا عزیز کو بڑا رنج ہوا (فاطمین مصر : ۱۶۳)

۳۸۳ھ یعقوب ابن کلیس بغداد کا رہنے والا اور یہودی المذہب تھا۔ علوم و فنون کی

تحصیل کے بعد کافور اخشیدی کے عہد میں مصر آیا اور محکمہ مال میں ملازم ہو گیا وہ کافور کے تقرب کے حصول کی خاطر مسلمان ہو گیا اور وزارت و حجابت کے اعلیٰ عہدوں تک پہنچا۔ کافور کے انتقال کے بعد مصر میں اس کے مخالفین اس کے درپے آزار ہو گئے اور اس کو قید و بند کی تکلیفیں جھیلی پڑیں۔ بائی پانے کے بعد وہ بھاگ کر المہدیہ چلا گیا۔ جہاں اس نے اسماعیلی مذہب اختیار کر لیا۔ المعز نے اسے محکمہ مال کا افسر اعلیٰ مقرر کیا جہاں اس نے اپنی کارگزاری دکھائی۔ عزیز کے عہد میں وہ منصب وزارت پر فائز ہوا یہ پہلا شخص تھا جسے بنو قاطمہ کے دربار میں یہ منصب بلند عطاء کیا گیا۔ اس نے ۳۸۰ء میں وفات پائی۔ اپنے علم و فضل اور دفتری و مالی مہارت کے لئے اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا بنو قاطمہ کی کوئی تاریخ اس کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ مذہبی علوم کا بھی ماہر تھا اور فقہ و حدیث میں متعدد کتب کا مصنف ہے اس کے علمی خطبات کی سماعت کے لئے ہر شب جمعہ میں علماء و فضلاء جمع ہوتے تھے۔ (فاطمین مصر : ۹۷ و ۹۸ و ۲ : ۱۱)

۳۵۰ عیسوی بن فسطورس مصر کا گورنر نہیں بلکہ العزیز کا وزیر تھا اور اس کے آخری دور میں دو سال تک اس منصب پر فائز رہا۔ اسے قید و جہانہ کی سزا کے بعد العزیز نے اپنی بیٹی کی سفارش پر بحال کر دیا تھا۔ (فاطمین مصر : ۲۰۰)

۳۷۰ اسماعیلی مورخ ذاکر زاہد علی مرحوم نے بھی حاکم کے کے غلاموں کے ہاتھوں اہل فسطاط کی تباہی اور شہر کی بربادی کا حال ابن تغری بردی کی النجوم الزاہرہ جلد چہارم کے حوالہ سے اپنی کتاب میں یوں درج کیا ہے : ”حاکم کی تلون خرابی اور سختی سے مصری تنگ آکر اس سے نفرت کرنے لگے۔ اس کی اور اس کے بزرگوں کی مذمت کے کئی رقعے اس کے پاس بھیجے گئے۔ حاکم نے راز میں اپنے غلاموں کو فسطاط کو آگ لگانے اور باشندوں کو لوٹ لینے کا حکم دیا۔ کتامیوں اور ترکوں نے غلاموں کا مقابلہ کیا، کئی جھڑپیں ہوئیں، فسطاط کا تقریباً تیسرا حصہ جل گیا جانی اور مالی بڑا نقصان ہوا۔“ (فاطمین مصر : ۲۴۹ و ۲۵۰)

۳۷۰ بن دواس کا پورا نام ’لقب و خطاب یوں ہے‘ سیف الدین ذو المجہدین حسین بن علی بن دواس الکتابی‘ الحاکم باللہ کے دور کے مشہور امراء میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ وہ قبیلہ کتامہ کا، جو مشہور بربری قبیلہ ہے اور جس کی قوت بازو نے بنو قاطمہ کو مسند اقتدار پر فائز کیا تھا، شیخ و معزز سردار تھا۔ اسے حاکم کے جانشین ظاہر کے دور میں حاکم کے قتل میں اس کی شرکت کے جرم میں مروا دیا گیا (فاطمین مصر، جلد ۱، ص ۲۴۳ و بعد)

۳۸۰ ابو المنیع معتمد الدولہ قرواش اپنے باپ حسام الدولہ مقلد بن مسیب کے قتل

کے بعد ۳۹۱ھ میں موصل، انبار، مدائن و کوفہ وغیرہ کا امیر ہوا اور ایک طویل عرصہ تک حکومت کر کے ۳۴۲ھ میں رانی ملک عدم ہوا۔ (محاضرات ص ۴۰۱)

۴۹۰۔ ابو نصر ہاء الدولہ بویہ اپنے بھائی شرف الدولہ کی موت کے بعد ۳۷۹ھ میں امیر ہوا۔ اس نے آل بویہ کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرنے کی کوشش میں فارس وغیرہ پر قبضہ کیا۔ موصل کے بنو عقیل کے حکمران مقلد کو اپنا مطیع فرمان اور باج گزار بنایا۔ ۳۹۱ھ میں قرواش بنو عقیل کا امیر ہوا اور آل بویہ کی مخالفت شروع کردی۔ اسی عداوت میں ۴۰۱ھ میں اس نے عباسی خلیفہ القادر باللہ کا خطبہ موقوف کر کے فاطمی خلیفہ مصر الحاکم کے نام کا خطبہ جاری کر دیا مگر ہاء الدولہ نے عمید الجیوش کی قیادت میں اس پر فوج کشی کردی۔ قرواش ڈر گیا جنگ کی نوبت نہ آئی۔ اس نے دوبارہ عباسی خطبہ جاری اور فاطمی خطبہ موقوف کر دیا۔ ہاء الدولہ نے چوبیس سال حکومت کی اور ۴۰۳ھ میں انتقال کیا۔ (محاضرات ص ۴۰۱ و ۴۰۹)

۵۰۔ شریف المرتضیٰ امام موسیٰ کاظم کے خانوادہ کا معزز فرد اور شریف الرضی کا بھائی ہے۔ وہ بھی آل ابی طالب کا نقیب الاشراف تھا۔ شیعی فقہ میں صاحب تصنیف ہے۔ علم کلام، ادب و شعر میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت علی کے خطبات، حکم و امثال کو نج البلاغہ کے نام سے اسی نے مرتب کیا ہے۔ ۴۳۶ھ میں انتقال کیا۔ جرمی زیدان، 'آداب اللغۃ العربیہ' (مصر ۱۹۵۸ء ج ۲، ص ۳۳۳)

۵۱۔ شریف الرضی امام موسیٰ کاظم کی نسل سے ہے ۳۵۹ھ میں بغداد میں پیدا ہوا اور ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔ اس کا باپ آل ابی طالب کا نقیب الاشراف تھا، رضی بھی اپنے باپ کے بعد اس منصب پر نامزد ہوا۔ وہ علوم قرآن، لغت و نحو کا عالم اور نہایت عمدہ شاعر تھا۔ (جرمی زیدان، 'آداب اللغۃ العربیہ' مصر ۱۹۵۸ء ج ۲ : ۲۹۹)

۵۲۔ شیخ ابو حامد احمد بن ابی طاہر محمد بن احمد اسفرائینی کا شمار مشاہیر فقہائے شافعیہ میں ہوتا ہے۔ ۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۶ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ ان کے علاوہ نہایت کثرت سے تھے اور ان کے درس میں سات سو فقہاء شریک ہونے لگے۔ (ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۴ھ ج ۳، ص ۲۰۳)

۵۳۔ ابو الحسن احمد بن محمد بن جعفر بن حمدان البغدادی القدوری مشہور حنفی فقیہ ہیں اور ان کی کتاب مختصر القدوری کا شمار فقہ حنفی کی بنیادی کتب میں ہوتا ہے اس کی متعدد شروح تحریر کی گئی ہیں۔ ۳۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۳۸ھ میں بغداد میں ان کا انتقال ہوا۔ (البدایہ و النہایہ ج ۳، ص ۴۰، نیز دیکھئے الفوائد البیہ طبع کراچی)

۵۳۔ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ الاسدی الکافانی، حنفی فقیہ اور بغداد کے قاضی القضاۃ تھے۔ اہل علم کی مائی مدد کرتے تھے اور اس میں کافی مشہور تھے ۳۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۱، ص ۳۵۳)

۵۵۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ البیضوی الشافعی۔ بغداد کے محلہ کرخ کے قاضی تھے۔ اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۴۲۳ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔ (محمد بن عبد الوہاب قرظی تعشید پر صفحہ ۷۷ اجمال کشای جلد سوم)

۵۶۔ جوینی کا یہ بیان درست نہیں ہے۔ اس بات پر مورخین کا اتفاق ہے کہ مستنصر باللہ فاطمی کے ۳۸۷ھ میں انتقال کے بعد اس کے وزیر امیر الجیوش شاہنشاہ بن بدر جمالی معروف بہ افضل نے نزار کو ذاتی عداوت کی بناء پر ولایت عہد سے ہٹا کر اس کے چھوٹے بھائی احمد کو مستعلی باللہ کے لقب سے منصب خلافت پر فائز کر دیا۔ نزار قاہرہ سے بھاگ کر اسکندریہ چلا گیا وہاں اس کے حامیوں نے اس کی بیعت خلافت کی اور اسے المصطفیٰ لدین اللہ کا لقب دیا۔ امیر الجیوش نے اسکندریہ پر حملہ کر کے نزار کو شکست دیکر مار ڈالا۔

۵۷۔ یہ بات کہ نزار قاہرہ سے فرار کے وقت اپنے دو بیٹوں کو بھی اسکندریہ لے گیا تھا۔ کسی مستند تاریخ سے ثابت نہیں ہوتی۔ اسماعیلیوں کے قدیم ماخذ دستور المنجمین سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نزار کے دو بیٹے ابو عبد اللہ حسین اور ابو علی حسن نامی تھے۔ ممکن ہے جوینی نے الموت کے قلعے سے جو کتابیں حاصل کی تھیں ان میں سے کسی قدیم اسماعیلی ماخذ میں یہ ذکر ہو کہ اسکندریہ میں نزار کے ساتھ اس کے دو بیٹے بھی تھے۔

۵۸۔ یہاں بھی جوینی سے تسامح ہوا ہے۔ آمر یا حکام اللہ نے اپنے ابن عم الحافظ کو اپنا ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا، بلکہ اس بناء پر کہ اس کے اچانک قتل کے وقت اس کا کوئی بیٹا نہ تھا اور اس کی ایک بیوی / باندی حاملہ تھی۔ عبد المجید کو نیابتہ امام بنادیا گیا۔ جب آمر کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تو الحافظ کی نیابت مستقل امامت میں تبدیل ہو گئی۔ مگر اسماعیلیہ مستعلویہ کے نزدیک آمر دسواں اور دور ظہور کا آخری امام ہے۔ اس کے بعد چار اسماعیلی خلفاء (حافظ، ظافر، قانز اور عاصد) امام نہیں بلکہ نائب تھے۔ آمر کے ہاں اس کی ہلاکت کے بعد جو ولادت ہوئی وہ لڑکی نہیں بلکہ لڑکا تھا اور اس کا نام مستعلویہ کے ہاں ابو الطیب المیمون ہے، وہ غائب ہو گیا اور اس کے ساتھ ائمہ مستورین کا دور پھر شروع ہو گیا۔ (فاطمین مصر، ج ۲، ص ۲۳ و بعد)

۵۹۔ یہ شخص ابو الفضل عباس بن ابی الفتح بن یحییٰ بن تمیم بن معز بن بادیس منہاجی

بربری ہے۔ اس کی تحریک پر اس کے بیٹے ابو نصر نے خافر کو قتل کر دیا تھا اور اسی جرم کی پاداش میں باپ بیٹے خافر کے حامیوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ (فاطمین مصر ج ۲، ص ۴۱)

۶۰۔ شاور کے نام کو جہاں کشائی کے تمام نسخوں میں بلا استثناء ”سابور“ شاپور لکھا گیا ہے اور اس کی اتباع میں بیشتر فارسی کتابوں میں اس وزیر کا نام ”شاپور“ ہی درج ہے۔ مگر تمام عربی ماخذ میں اس کا نام ”شاور“ (SHAWAR) لکھا ہے۔ اس شخص کا تعلق عرب کے قبیلہ بنو اسد سے تھا اور دمن کے لحاظ سے مصری تھا۔ اسے ۵۶۳ھ میں قتل کر دیا گیا۔ (دیکھئے فاطمین مصر ج ۲، ص ۵۶ و بعد)

۶۱۔ سلطان نور الدین محمود بن عماد الدین زنگی بن آقستغر ترکی النسل اور اتابکان موصل کے خانوادہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ۵۵۸ھ میں پیدا ہوا۔ اٹھائیس سال حکومت کرنے کے بعد ۵۶۹ھ کو دمشق میں انتقال کیا اور وہیں اپنے تعمیر کردہ مدرسہ میں مدفون ہوا۔ اس کے حدود ملک میں نہایت اضافہ ہوا اس کے نام کا خطبہ حرمین شریفین اور یمن، جزیرہ شام اور مصر میں پڑھا گیا۔ حسن سیرت اور عدل میں اسے حدود چہ شہرت حاصل ہے۔ مورخ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ خلفائے راشدین و عمر بن عبدالعزیز کے بعد حسن سیرت و عدل میں اس سے بہتر کوئی حکمران نہیں گزرا۔ زہد، علم و عبادت میں بھی وہ بلند مقام پر فائز تھا۔ وہ اپنی ذاتی آمدنی سے اپنے اور اپنے متعلقین کے کھانے پکڑے اور دیگر مصارف کا انتظام کرتا تھا اور سرکاری خزانے کی رقم اپنے اور اپنی اولاد پر صرف نہ کرتا تھا۔ ایک بار اس کی بیوی نے مالی تنگی کی شکایت کی، سلطان نے کہا کہ میں مسلمانوں کے مال کا خزانچی ہوں اس میں خیانت کر کے تمہارے لئے دوزخ کی آگ میں نہ جلوں گا۔ اس کی راتیں عبادت الہی اور دن جہاد فی سبیل اللہ میں بسر ہوتے تھے۔ اس نے شام و مصر کے صلیبیوں اور اسماعیلیوں سے کامیاب جہاد کئے۔ انہیں سخت نقصانات پہنچائے۔ اس کی سب سے بڑی تمنا تھی کہ بیت المقدس کو صلیبی جنگ آزماؤں سے واپس لے کر وہاں اسلام کی عمل داری قائم کرے، مگر یہ سعادت اس کے تربیت یافتہ و جانشین صلاح الدین کے لئے متعذر ہو چکی تھی، بہر کیف اس کی راہ ہموار اسی نے کی تھی۔ نور الدین عالم و فاضل انسان تھا اور فقہ حنفیہ پر عالمانہ نظر رکھتا تھا۔ اس نے ناجائز محاصل موقوف کئے۔ ممالک محروسہ میں مدارس، خانقاہیں، شفاخانے اور سرائیں بنوائیں اور ان کے اخراجات کے لئے اوقاف قائم کئے۔ (ابن الاثیر

۳۷۔ اسد الدین شیرکوہ شازی کا بیٹا تھا۔ اس کا تعلق آذربائی جان کے زواریہ کردوں سے تھا جو کردوں کا نہایت معزز قبیلہ ہے۔ شیرکوہ اور اس کا بھائی نجم الدین ایوب عراق آئے اور بغداد کے شہنشاہ مجاہد الدین ہرروز کے ہاں ملازم ہوئے اس نے نجم الدین کو قلعہ حکرت کا محافظ (قلعہ دار) مقرر کیا۔ اس کا چھوٹا بھائی شیرکوہ اس کے ساتھ حکرت چلا گیا۔ جب شہید اتابک زنگی بن آقسقو عراق آیا تو ان بھائیوں نے اس کی خدمت کی اور دجلہ پار اترنے میں کشتیوں وغیرہ سے اس کی مدد کی۔ کچھ عرصہ بعد شیرکوہ نے حکرت میں ایک آدمی سے جھگڑا کیا اور اسے قتل کر دیا اس جرم کی پاداش میں دونوں بھائی حکرت سے نکال دیئے گئے۔ تو وہ شہید اتابک زنگی کے ہاں چلے گئے جہاں ان کی بیوی پذیرائی ہوئی اور قلعہ حلبک کی تسخیر کے بعد اتابک زنگی نے ایوب کو اس کا قلعہ دار مقرر کیا۔ اتابک کی شہادت کے بعد شیرکوہ اس کے بیٹے نور الدین محمود کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ اپنی شجاعت و معاملہ فہمی سے ترقی کی منازل طے کرتا ہوا سلطان نور الدین محمود کے معتبر ترین امراء میں شمار کیا جانے لگا اور اس کا سپہ سالار ہو گیا۔ دمشق کی فتح سلطان نور الدین محمود کے لئے شیرکوہ اور نجم الدین ایوب کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ بعد میں نور الدین نے شیرکوہ کو مصر بھیجا جہاں اس نے امن و امان قائم کیا اور آخری فاطمی خلیفہ العاضد کا وزیر ہو گیا مگر زندگی نے زیادہ صلت نہ دی اور دو ماہ پانچ دن کی وزارت کے بعد ۲۲ جمادی الآخرہ ۵۷۳ھ کو اس نے انتقال کیا۔ (ابن الاثیر ۹ : ۱۰۱ و ۱۰۲)

۳۸۔ سلطان صلاح الدین یوسف، نجم الدین ایوب بن شازی کا بیٹا اور نسل "کرد تھا۔ وہ عراق کے مقام حکرت میں ۵۳۲ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین شیرکوہ کے سائیہ عاطفت میں پلا بڑھا۔ سلطان نور الدین زنگی کے ارکان دولت میں محسوب ہوا اس کے حکم سے شیرکوہ کے ساتھ مصر گیا۔ ۵۷۳ھ میں شیرکوہ کی وفات کے بعد فاطمین مصر کا وزیر اور مصر میں نور الدین کا نائب ہوا۔ ۵۶۷ھ میں اسی نے مصر میں عباسیوں کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ ۵۶۹ھ میں نور الدین کی وفات کے بعد اس کے اقبال کا ستارہ بلند ہونے لگا اور مصر و شام و جزیرہ کے وسیع علاقوں پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے شام پر قابض صلیبی جنگ آزماؤں سے ان لڑائیوں کا سلسلہ جاری رکھا جنہیں اس کے پیش رو نور الدین نے جاری کیا تھا۔ اس نے ان معرکوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں اور ۵۸۳ھ میں بیت المقدس تک ان سے چھین لیا۔ اب صلیبیوں کے قبضہ میں عکہ، مغلان اور ایسے ہی بعض ساحلی مقامات رہ گئے تھے۔ اس نے ایک کامیاب فاتح اور لائق منتظم کی حیثیت سے

مصر، شام، جزیرہ و مملکتوں پر حکومت کر کے مفر ۵۸۹ھ میں دمشق میں انتقال کیا اور وہیں سپرد خاک کیا گیا۔ وہ متواضع، پابند شریعت اور مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ بیت المال کو مسلمانوں کا خزانہ سمجھتا اور اپنے ذاتی اخراجات نج کی آمدنی سے پورے کرتا اس کی تجویز و تکفین اس کی نجی رقم سے انجام پائی۔ اس نے ایک دینار اور چالیس درم ترکے میں چھوڑے (ابن الاثیر ۹ : ۲۲۵، ۲۲۶)

۳۳۔ بنو فاطمہ کی حکومت ۲۹۷ھ میں المغرب میں قائم ہوئی۔ عہد عروج میں جزائر بحر دم، مقلہ، المغرب الاقصیٰ، المغرب الاوسط، المغرب الادنیٰ، مصر، شام، حجاز و یمن تک ان کا اقتدار وسیع ہوا وہ بیک وقت اسپین کے اموی، بغداد کے عباسی اور یورپ کے عیسائیوں سے برسویکار رہے اور بحروں میں یکساں انہیں برتری حاصل رہی۔ یہ دور العزیز کے ساتھ ختم ہو گیا۔ ۳۸۶ھ میں الحاکم کی تخت نشینی سے مذہبی عدم رواداری، امراء و وزراء کا استبداد اور خلفاء کی بے تدبیری سے حکومت کے کام خراب ہونے لگے۔ فوج کے ترک، بربر اور حبشی آپس میں دست بکریاں ہو گئے اور عام باشندوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ فاطمیوں کی مذہبی سیادت پر بھی زد پڑی الحاکم کے دور میں فرقہ دروز پیدا ہوا جو حاکم کی الہیت کا قائل تھا۔ المستنصر کے بعد نزاری و مستعلوی فرقے پیدا ہوئے اور فاطمیوں کی مذہبی یک جہتی کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ الاخر انہیں نزاریوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ دسویں فاطمی خلیفہ الامر کے بعد مزید مذہبی اختلافات پیدا ہوئے اور بعد کے چار خلفاء امامت کے منصب سے عاری اور صرف نائبین امام کے بطور اقتدار پر قابض رہے۔ پھر المستعلی کے زمانے میں صلیبی جنگ آزماؤں نے خلافت فاطمیہ کو مزید کمزور کیا اور قاہرہ پر وہ بار بار چڑھ آئے۔ ان حالات میں کہ مصر صلیبی جنگ آزماؤں کے لئے لقمہ تر ہو گیا تھا سلطان نور الدین محمود نے اپنے سپہ سالار اسد الدین شیرکوه اور اس کے برادر زادہ صلاح الدین یوسف کو ۵۶۳ھ میں مصر روانہ کیا اور ۵۶۷ھ میں اس کے حکم سے صلاح الدین یوسف نے عاصد کی موت کے ساتھ اس خاندان کی حکومت کی بساط الٹ دی بنو فاطمہ علماء کے سرپرست اور علم کے مربی تھے وہ تہذیب و تمدن کے فروغ میں عباسیوں سے کسی طرح کم نہ تھے اس لحاظ سے ان کا دور حکومت اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

۶۵۔ ہلاکو خاں منگول حکمران تولوی خان کا چوتھا بیٹا تھا اور یہ تولوی خان چنگیز خان کا پسر چارم تھا۔ ۶۸۵ھ میں پیدا ہوا ۶۸۵ھ میں منکو قاآن نے اسے بلاد غریبہ یعنی ایران، خراسان، عراق، شام، مصر، روم و آرمینیا کی حکومت عطا کی کہ ان میں سے جو علاقے ہنوز فتح نہیں

ہوتے ہیں انہیں فتح کرے اور جو مفتوح ہو چکے تھے ان کا نظم و نسق درست کرے۔ اس نے مراغہ کو اپنا مرکز بنایا وہ ۶۵۳ھ میں ملاحظہ کا قلع قمع کر کے بغداد کی جانب متوجہ ہوا اور ۶۵۶ھ میں اسے تباہ کر کے خلافت عباسیہ کا نام و نشان مٹا دیا۔ مگر اسے شام کے محاذ پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ۶۵۸ھ میں عین جالوت کی جنگ میں مصر و شام کے سلطان قطن اور اس کے سپہ سالار بیسوس نے منگولوں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کے رکھ دیا۔ مارے جانے والے ہزاروں منگولوں میں ان کا سپہ سالار کیت بو قانویان بھی تھا۔ ہولا کو اسلام دشمنی اور انسانیت بیزاری میں سر آمد روزگار تھا۔ اس کی ماں اور اس کی بیوی دو قوز خاتون کہ اسے اپنے باپ سے منگولی روایات کے مطابق ملی تھی اور قوم کرایت سے تعلق رکھتی تھی عیسائی تھیں۔ اس کی وجہ سے منگولوں کے علاقوں میں عیسائیت کو بڑا فروغ ہوا اور بیشمار گر جاتھیں ہوئے۔ ہلاکو ۳۸ سال کی عمر میں ۶۱۳ھ میں مراغہ میں ہلاک ہوا اور کوہ شاہ کے دامن میں دفن ہوا۔ (جہاں گھسائی جوینی جلد سوم، جامع التواریخ رشید الدین جلد سوم مطبوعہ باکو روس) (۱۹۵۷ء)

۱۶۷۷ھ صہبان میں واقع قلعہ شاہ وز کا قلعہ دار تھا۔ ۵۰۰ھ میں سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی نے شاہ وز پر قبضہ کے بعد اسے قتل کرا دیا۔ وہ ادیب، خطاط اور انشاء پرداز تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۳ : ۴۲۱)

۱۶۷۷ھ امیر الجیوش بدر جمالی آرمینیا کا باشندہ اور والی دمشق جمال الدین کا غلام تھا کہ اسی کی نسبت سے جمالی کہلایا۔ اس نے شام کی لڑائیوں میں بڑا نام پایا اور کئی موقعوں پر دمشق کا نائب امیر بھی رہا۔ بدر نے قاطمی خلیفہ المستنصر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر شام کے ساحلی مقام عکہ پر قبضہ کر لیا اور خود مختار حکومت کا ڈول ڈالا۔ جب مصر کے حالات خراب ہوئے اور ترک امراء کی سرکشی کے باعث سلطنت کے کام خراب ہو گئے تو المستنصر کی خفیہ دعوت پر بدر جمالی عکہ کے بحری راستہ سے مصر آیا۔ اس نے اپنی حربی و انتظامی صلاحیتوں سے جلد حالات پر قابو پایا اور ۳۶۶ھ سے ۳۸۷ھ تک مصر پر وزارت کے عنوان سے خود مختارانہ حکومت کی۔ المستنصر کا بیٹا احمد (المستعلی) بدر جمالی کا داماد تھا، اس لئے اس نے اس کی ولایت عہد اور امامت کے لئے جوڑ توڑ کیا۔ نزار اور اس کے بھائی عبد اللہ کو میدان سے ہٹا کر احمد کو ولی عہد اور المستنصر کی وفات کے بعد المستعلی کے لقب سے امام و خلیفہ بنادیا۔ اس سلسلہ میں حسن صباح سے بدر جمالی کے تعلقات خراب ہو گئے کیونکہ حسن نزار کی امامت کی دعوت دیتا تھا۔ بدر الجمالی نے ہی حسن کو مصر سے جلا

وطن کر دیا تھا۔ اسماعیلی حکومت کی بحالی و نشاۃ ثانیہ میں بدر جمالی کا مقام نہایت بلند ہے اسے دعوت اسماعیلیہ میں باب الابواب، داعی الدعاة اور قاضی القضاۃ کے مناصب حاصل تھے۔ اس نے ۳۸۷ھ میں انتقال کیا۔ (طاطین مصر : ۳۳۳ و بعد بحوالہ کتاب الاشارة الی من ثل الوزراء، امین خلدون، مقریزی، امین اشیر، امین خلکان، عیون الاخبار)

۶۸ فریم (فری م) مشرقی مازندران کا ایک کوہستانی شہر تھا۔ فریم اس شہر کا بھی نام تھا اور اس کوہستان کا بھی جہاں وہ واقع تھا۔ (یا قوت حموی، معجم البلدان، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت سن ۴، ج ۳، ص ۳۶۰)

۶۹ شہر یا رگڑہ وہ کوہستانی سلسلہ ہے جس میں فریم کا شہر بھی واقع تھا۔ (بحوالہ بالا)۔ ۷۰ چٹاننگ ایک مقام کا نام ہے جو اتر آباد کے قریب میں ہے اور کوسار کے قریب واقع ہے۔ (معجم البلدان، ج ۲، ص ۱۷۷)

۷۱ ابو علی حسن بن علی، نظام الملک، ایک درہی امیر المومنین، طوس کا دہقان زادہ تھا اور وہ ۴۰۸ھ میں پیدا ہوا۔ اس نے علوم متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد والی بلخ کی ملازمت کی۔ پھر چغوری بیگ داؤد کے ہاں ملازم ہوا اور ترقی کر کے الپ ارسلان سلجوقی اور اس کے بیٹے ملک شاہ سلجوقی کا وزیر ہوا۔ وہ اس منصب پر کم و بیش تیس سال تک فائز رہا۔ اپنی علم دوستی، علماء پروری، انشاء پردازی و تدبیر و انتظام سلطنت میں مہارت کے لئے اسے امتیاز خاص حاصل ہے۔ اس نے نظامیہ نام کی درجنوں درسگاہیں قائم کیں اور ان کے مصارف کے لئے اوقاف برپا کئے۔ اس کی کتاب سیاست نامہ فارسی زبان کی نثر کا اعلیٰ نمونہ اور اصول حکومت کا اہم ضابطہ ہے۔ نظام الملک کو ابو طاہر باطنی نے رمضان ۴۸۵ھ میں شہید کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۰، مزید تفصیل کے لئے عبدالرزاق کانپوری کی کتاب نظام الملک طوسی دیکھیے)

۷۲ ابو مسلم رازی، مشہور سلجوقی وزیر نظام الملک کا داماد تھا۔ وہ ملک شاہ کی جانب سے ری کا گورنر تھا۔ حسن صباح کے باپ پرویز دوسرے بد مذہب افراد پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ نہایت ستورہ صفات تھا۔ حبیب السیر کے مطابق ۴۸۸ھ میں خدا داد رازی باطنی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ (لغت نامہ، وہ خدا، بذیل مادہ ابو مسلم رازی)

۷۳ الہ آموت۔ قزوین کے قریب میں ایک کوہستانی مقام ہے جو اس شہر کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کے ناحیہ (ضلع) میں اندر رود، الموت بن اور بالارود شامل ہیں۔ جوینی کے بیان کے مطابق یہ نام آلہ بمعنی عقاب اور آموت بمعنی آشیانہ سے مرکب ہے

اور اس کے معنی ہیں آشیانہ عقاب۔ مگر ابن الاثیر کا بیان ہے کہ یہ لفظ دہلی زبان کا ہے اور آلہ کے معنی عقاب کے ضرور ہیں لیکن آموت کے معنی تعلیم کے ہیں۔ سو آلہ آموت معنی ہیں تعلیم عقاب دہلی زبان کا آموت فارسی زبان کا آموت ہے اور یہی آخری توجیہ درست معلوم ہوتی ہے۔

ردوبار بھی قزدین کے توابع میں سے ہے جو الموت کے مغرب اور عمارلو کے مشرق میں ہے۔

طالقان بھی قزدین کے اطراف میں ایک صحت افزا کوہستانی مقام ہے۔ (معجم البلدان ج ۳، ص ۷۷، ج ۴، ص ۶)

۷۴۔ تیسرا سلجوقی حکمران ملک شاہ 'الپ ارسلان' کا بیٹا تھا۔ جمادی الاولیٰ ۴۴۷ھ میں پیدا ہوا، رجب الاول ۴۶۵ھ میں تخت نشین ہوا اور السلطان العادل، جلال الدولہ ابوالفتح، یحییٰ امیر المومنین کے القاب سے للقب و موسوم کیا گیا۔ اس کے عہد سلطنت میں سلجوقی حدود حکومت وسیع ہوئیں، ماوراء النہر سے یمن تک اور حدود چین سے اقصائے شام تک اس کی عمل داری قائم ہوئی۔ بیس سال عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کر کے ۱۵ شوال ۴۸۵ھ کو ملک شاہ نے انتقال کیا۔ اسے اصفہان کے مدرسہ اعظم میں دفن کیا گیا۔ اس کے ساتھ سلاجقہ بزرگ کی عظمت و شوکت بھی پیوند زمین ہو گئی۔ (عبدالرزاق کان پوری نظام الملک طوسی، کراچی ۱۹۶۳ء صفحہ ۵۳۸ و بعد)

۷۵۔ ”درہ“ طبس مسینان سے پندرہ فرسنگ جنوب میں اور بیرجند سے بیس فرسنگ جنوب مشرق میں بیرجند و سیستان کی شاہ راہ پر واقع ایک قریہ ہے۔ اس کے ویران قلعہ کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح مومن آباد ایک کوہستانی ناچہ (ضلع) ہے جو بیرجند کے مشرق اور طبس مسینان کے مغرب میں واقع ہے۔ (معجم البلدان ج ۲، ص ۵۳، ج ۳، ص ۲۰، ج ۱، ص ۵۲۲)

۷۶۔ ”سعدنا“ سعدنا یا صہنا، کرمان شاہ کے توابع کا ایک قریہ ہے۔ یہ فرقہ نصیری یا علی الہیان کا مرکز ہے۔ سلجوقی وزیر نظام الملک کو اسی مقام پر فدائی نے شہید کیا تھا۔ (معجم البلدان ج ۳، ص ۱۹۵)

۷۷۔ برکیارق ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا تھا۔ بارہ سال سے کچھ اوپر سلطنت کر کے پچیس سال کی عمر میں ۲ رجب الاخر ۴۹۸ھ کو سل کے مرض میں انتقال کیا اسے اس کے آبائی قبرستان میں اصفہان کے مقام پر سپرد خاک کیا گیا۔ برکیاروق نے بڑے مصائب جھیلے، کئی بار

تخت سے محروم ہوا، جان کے لالے پڑے، پھر جب اقتدار بحال اور غلبہ حاصل ہوا تو موت نے آدوچا۔ وہ حلیم، کریم، صابر، عاقل، نرم مزاج اور غنودہ رگز رکرنے والا تھا۔ (ابن الاثیر ۲۲۳ و ۲۲۴)

۷۸۔ عمر، ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا تھا۔ وہ ۴۷۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳ سال کی عمر میں ۲۳ ذی الحجہ ۵۵۱ھ کو انتقال کیا۔ اس نے ذی الحجہ ۴۹۲ھ میں اپنے بھائی برکیاروق کے خلاف دعویٰ سلطنت کیا ۴۹۸ھ میں برکیاروق کی وفات تک کئی بار اس کی حکومت کا نقشہ جما، الٹا اقتدار ملا اور زوال سے ہم کنار ہوا۔ برکیاروق کی وفات کے بعد سے ساڑھے بارہ سال تک اس کی حکومت مضبوط و منظم رہی۔ (ابن الاثیر ۸ : ۲۷۷ ابن خلدون (ترجمہ اردو) ۷ : ۱۳۳ طبع کراچی ۱۹۶۹ء)

۷۹۔ مشہور سلجوقی امیر انوشنگن کا لقب امیر شیرگیر تھا۔ محمد شاہ بن ملک شاہ کے عہد میں شاہزادہ طفیل کا آباک (اتالیق) تھا۔ محمد شاہ کے بعد کچھ عرصہ قید رہا، پھر اقتدار بحال ہوا سلطان محمود بن محمد شاہ کے دربار میں امیر حاجب کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوا۔ جمادی الاخرہ ۵۲۵ھ کو سلطان محمود بن محمد کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا (ابن الاثیر ۸ : ۳۳۳ و ابن خلدون (ترجمہ اردو) ۷ : ۱۷۸ و ۲۲۲)

۸۰۔ سلطان سنجر بن ملک شاہ بن الپ ارسلان سلجوقی رجب ۴۷۹ھ میں مقام سنجر (الجزیرہ) میں ایک ام ولد کے بطن سے پیدا ہوا اور ربیع الاول ۵۵۲ھ میں وفات پائی اور اپنے تعمیر کردہ مقبرہ میں مرد میں سپرد خاک کیا گیا۔ وہ اپنے بھائی برکیاروق کے زمانے میں ۴۹۸ھ تک خراسان کا والی رہا۔ دوسرے بھائی محمد کے دور حکومت میں ولی عہد سلطنت رہا۔ ۵۱۱ھ میں محمد کی وفات پر سلاجقہ بزرگ کی حکومت کا وارث ہوا۔ تمام سلاطین نے اس کی اطاعت کی۔ ممالک اسلامیہ کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ بیس سال تک ”ملک“ کے خطاب سے اور چالیس سال تک ”سلطان“ کے لقب سے پڑھا جاتا رہا۔ آخری زمانے میں اسے زوال کا منہ دیکھنا پڑا اور ترکان غز کی قید میں تین سال تک رہا۔ رجب ۵۵۱ھ میں رہائی کے بعد پھر مملکت سلجوقیہ کا وارث ہوا (ابن خلدون ۷ : ۲۲۳ و ۲۲۴ و ابن الاثیر ۵۵ : ۹)

۸۱۔ انتہواں عباسی خلیفہ ابو منصور الفضل الملقب بہ المسترشد باللہ اپنے والد المستظهر کے انتقال کے بعد ۲ ربیع الاخر ۵۱۳ھ کو خلیفہ ہوا اور ۷ ذی القعدہ ۵۲۹ھ کو سلطان مسعود سلجوقی کی قید میں مراغہ میں ایک اسماعیلی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا۔

جب اس کی اسیری اور شہادت کی اطلاع بغداد پہنچی تو کرام بچ گیا، لوگ گھروں سے نکل آئے حتیٰ کہ خواتین بھی گھروں سے ننگے سر بازاروں میں نکل آئیں اور بڑا داویلا مچایا۔ مسترشد فاضل و ادیب تھا۔ اس کے ساتھ ہی بہادر دیہات انسان بھی تھا۔ اس نے اپنے خاندان کی عظمت کو بحال کرنے کی کوشش کی اور اسی میں جان دی (محاضرات ج ۳، ص ۴۴۵ و بعد)

۸۲۔ سلطان مسعود، سلطان محمد کا بیٹا اور ملک شاہ سلجوقی کا پوتا تھا۔ ذی القعدہ ۵۰۲ھ میں پیدا ہوا۔ بائیس سال تک حکومت کر کے یکم رجب ۵۰۳ھ کو انتقال کیا۔ وہ اپنے خاندان کا آخری باعظمت حکمران تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے خاندان کا زوال شروع ہو گیا۔ (ابن خلدون ۷ : ۲۰۹ و ابن الاثیر ۹ : ۳۱)

۸۳۔ الراشد باللہ اپنے باب المسترشد باللہ کے ۶۵۲۹ھ میں قتل کے بعد ۲ ذی القعدہ ۵۲۹ھ کو منصب خلافت پر فائز ہوا۔ سلجوقی سلطان مسعود سے اس کے اختلافات بڑھے اس نے سلجوقی امیر برتقش اور شہنہ کو بزور شہر بغداد لے نکال باہر کیا مگر جب مسعود بغض نفس عراق کی جانب بڑھا تو الراشد موصل چلا گیا۔ اس نے سلاجقہ کے امراء و عمائد کا زور توڑنا چاہا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اور سلطان مسعود نے اس کے چچا المقفی کو خلیفہ بنا دیا مگر الراشد اپنی کوششوں میں لگا رہا اور ۲۵ رمضان ۵۳۲ھ کو اصغماہ کے باہر شہرستان میں اسے باطنیوں نے شہید کر دیا۔ وہ بارعب، نہایت قوی اور بہادر تھا (ابن الاثیر ۸ : ۳۶۲)

۸۴۔ جوینی کے بیان کی تائید اسماعیلیوں سے متعلق تمام مآخذ سے ہوتی ہے۔ نیز خود نزاری علماء کا بھی یہی بیان ہے۔ ایک نزاری فاضل علی محمد جان محمد چنار مصنف ”نور مبین (جل اللہ المتین)“ مطبوعہ بمبئی لکھتے ہیں۔

”حضرت امام حسن علی ذکہ السلام متوفی ۵۶۱ھ نے اپنی سلطنت کے تمام ملکوں کے اسماعیلیوں کو جمع کیا اور امامت و سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر عام مجمع کے سامنے فرمایا کہ قائم القیامہ میرے ذریعے ہے۔ میں امام زمان ہوں اور امر و نہی صرف شریعت کے رسم و رواج ہیں اور ان کی تکلیف کو میں اہل دنیا سے بالکل اٹھا لیتا ہوں۔ چونکہ یہ زمانہ قیامت کا ہے اسی دن الموت کے اسماعیلیوں نے بڑا جشن منایا اور یہ دن تاریخ میں ”عید القیام“ کے طور پر مشہور ہوا ہے۔ پھر حضرت امام نے قیامت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔ ”آج میں تم کو تمام شریعت کی تکلیفوں سے نجات دیتا ہوں۔ آج تمہارے لئے رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ میں نے تم سب کو اس دنیا میں شریعت اور قیامت

کے اسرار سے مطلع کیا۔ ہم زمانے کے امام ہیں۔ یہ لڑائی کا موقع ہے۔ ایسے وقت میں تمہیں خیال کرنے کی کوئی جگہ نہیں۔ اگر اختلاف ہی میں مشغول رہو گے تو قتل ہو جاؤ گے۔ شریعت وہ قواعد اور لڑائی وہ اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قوت اعمال ہی سے ہوگی۔ اس تقریر کے بعد حضرت امام تخت سے نیچے آئے اور تمام حاضرین کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا کہ آج یوم عید ہے۔ اس لئے افطار کرو اور خوشی مناؤ۔ چنانچہ وہ مبارک دن اسماعیلوں نے نہایت دھوم دھام اور خوشی اور مسرت سے گزارا۔ اس روز کو عید القیام کے نام سے نامزد کر کے ہر سال اس دن خوشیاں مناتے رہے۔“ (حوالہ نمبر ۸۶)

۸۵۔ صحیح البخاری مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۶۱ء جلد دوم صفحہ ۶۶۶ یہ حدیث ابن شہاب زہری نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بچہ اس کا ہے جس کے بستر (یعنی عورت جس کے نکاح میں ہے) باندی جس کی ملکیت میں ہے) پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہے۔“

۸۶۔ اسرار شریعت و قیامت کما ہیں چنار صاحب اس کی توضیح یوں کرتے ہیں :
”حضرت امام حسن علی ذکہ السلام نے ان لوگوں کو تاویل علم سکھایا اور بتایا کہ دنیا قدیم ہے۔ زمانہ جاودانی ہے۔ قیامت صرف روحانی ہے۔ بہشت و دوزخ معنوی (باطنی) ہیں۔ ہر ایک شخص کی قیامت اس کی موت ہے۔ باطن میں خلقت کو خدائے تعالیٰ کی خدمت میں رہنا چاہئے اور ظاہر میں صوابی طور پر زندگی بسر کرنی چاہئے جس کے لئے شریعت کے اعمال کی ساری پابندی اور بندشیں مخلوق سے اٹھائی جاتی ہیں۔“ (نور مبین ص ۳۹۹ بحوالہ فاطمین مصر ۲ : ۱۷۶-۱۷۷)

۸۷۔ الناصر لدین اللہ اپنے باپ المستضیٰ بامر اللہ کے بعد ذوالقعدہ ۵۷۷ھ میں تخت نشین ہوا اور رمضان ۳۳ھ میں سینتالیس سال تک حکومت کر کے ستر سال کی عمر میں انتقال کیا۔ وہ ظالم و جابر حکمران تھا اس کے دور اقتدار میں عراق اجڑ گیا لوگ گھربار چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں بھاگ گئے، الناصر نے ان کے املاک و اموال پر قبضہ کر لیا۔ وہ متضاد کام بھی کرتا تھا مثلاً اس نے مہمان خانے بنائے پھر انہیں ختم کر دیا اور نئے نئے محاصل اہل بغداد پر عائد کئے۔ اس نے نظام فتوت (مردانگی) کو فروغ دیا اور خود بھی قمیض جیسے لباس پہنے اس پر یہ الزام بھی ہے جو درست ہے کہ اس نے آتاریوں کو بلاد اسلامیہ پر حملے کی دعوت دی تھی اور خوارزم شاہ سے ذاتی عداوت کے باعث دنیائے اسلام کو برباد و تباہ کرنے کی غرض سے چنگیز خاں کو مسلمانوں پر چڑھالایا (ابن الاثیر ۹ : ۳۶۰ و ۳۶۱)

۸۸۔ سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ اپنے باپ سلطان نکش کی وفات کے بعد ۲۰ شوال ۵۹۱ھ کو تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت کوہ پورال سے لے کر خلیج فارس تک اور دریائے سندھ سے لیکر دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے کئی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو ختم کیا قراختائیوں کو بھی زیر کیا جس سے ایران ترکستان کا ہمسایہ بن گیا۔ اسے چنگیز خاں کی خوف ناک یلغاروں کا سامنا کرنا پڑا جس سے اس کی حکومت پارہ پارہ ہو گئی اور جان بچانے کے لئے وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف بھاگتا رہا اور منگول اس کے پیچھے یوں یلغاریں کرتے رہے جیسے جنگلی جانوروں کے شکار کے لئے شکاری انہیں کھدیڑ کھدیڑ کر اپنی زور لاتے ہیں اس کی ماں، بیگمات، بیٹیاں اور چھوٹے بچے منگولوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور ذلت و رسوائی کی زندگیاں گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ سلطان علاء الدین محمد کی بے تدبیری، خود سری، بے عقلی اور تکبر و غرور کے باعث مسلمانوں کو تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ ماوراء النہر، خراسان، سجستان، ایران اور زابلستان کے تمام قابل ذکر شہر برباد ہو گئے اور تہذیب و تمدن کے یہ تمام مراکز تباہ ہو گئے۔ ستر لاکھ سے زیادہ مسلمان قتل ہوئے۔ سلطان نے نہایت کسپری کے عالم میں مازندران کے قریب جزیرہ آبکوس میں ۷۷ھ میں جان دی۔ اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ بعد میں اس کی ہڈیاں اس کے بیٹے جلال الدین منبکونی کے حکم سے قلعہ اردھین میں، جو مازند و مازندران کے درمیان تین دن کی مسافت پر ہے، لا کر دفن کی گئیں اور مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ مگر سلطان جلال الدین منبکونی کی شہادت کے بعد منگول ان ہڈیوں کو نکال کر خاقان اوکٹائی قاآن کے پاس لے گئے جس نے انہیں جلوایا۔ اس کی زندگی عروج و زوال، عزت و ذلت، اختیار و مجبوری کی عبرت ناک داستان ہے (جوینی، جہاں گشائی جلد دوم از ص ۳۷-۱۱۷) (ابن خلدون (ترجمہ) ۷ : ۳۲۲ و ابن الاثیر ۹ : ۳۳۳ و بعد)

۸۹۔ سبیل سے مراد حاجیوں کا قافلہ ہے جسے علم، امیر حاج اور تمام لوازمات و ضروریات سے آراستہ کر دیا جائے اور ساری چیزیں (از قبیل سواری، طعام و مشروب) بلا عوض اور فی سبیل اللہ دی جائیں۔ نسوی نے سیرت جلال الدین منبکونی میں اس موقع پر یہ لکھا ہے : ”وانضاف الی ذلک استھانتھم (ای اہل بغداد) بالسبیل الذی کان للسلطان فی طریق مکتہ حرمھا اللہ تعالیٰ حتی بلغھ تقلیمھم سبیل صاحب الاسما علیہ جلال الدین الحسن علی سبیلہ“

اور یہ (عداوت) اس بات سے اور بڑھ گئی کہ اہل بغداد نے اس سلطانی سبیل کی، جو

مکہ معظمہ کے راستہ میں روانہ کی گئی تھی توہین کی۔ یہاں تک کہ اسے (سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کو) یہ خبر ملی کہ ان لوگوں نے اسماعیلی حکمران جلال الدین حسن کی سبیل کو بھی اس کی سبیل سے آگے کر دیا ہے۔

ابن اشیر نے اسی موقع پر ۶۱۳ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھا ہے ”وكان سبيلہ افا وود بخلاد بقم غيرة عليه ولعل في عسكره ما نتمثل الفی بقم سبيلہ عليه“

(اہل بغداد نے اپنا تصیرو بتالیا تھا کہ) جب (سلطان کی) سبیل بغداد پہنچتی تو دوسری سبیل کو اس کے آگے کر دیتے تھے اور غالباً ”اس کے لشکر میں ایسی سو سبیلیں تھیں جنہیں (سلطان کی) سبیل کے آگے کر دیا گیا تھا۔ (۹ : ۳۱۳)

”سبیل“ آذوقہ و ضروریات حجاج کے معنوں میں مستعمل تھا اس پر ابن خلکان کی اس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے۔ ”وكان بقمہ فی کل سنتہ سبیلہ للعاج و یسر معہ جمیع ما تدعو حاجتہ المسالرو الیہ فی الطريق“ وہ ہر سال حاجیوں کے لئے سبیل بپا کرتا تھا اور اس کے ہمراہ وہ تمام اشیاء روانہ کرتا تھا جن کی راستے میں مسافر کو ضرورت پڑتی ہے۔ (مزید مطالعہ کی غرض سے نسوی کی سیرت جلال الدین خوارزم شاہ اور جوینی کی جہاں کشای جلد دوم بذیل حالات علاء الدین محمد خوارزم شاہ سے رجوع کیجئے)

۹۰ مظفر الدین ازبک بن محمد پهلوان جہاں بن شمس الدین الید کر آتابکان آذربائی جان کا آخری فرماں روا ہے۔ وہ عیش پرست، شرابی اور امور مملکت سے غافل تھا۔ جلال الدین منکبونی نے ۶۳۲ھ میں آذربائی جان پر حملہ کر کے ازبک کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا اور وہ کتبچہ چلا گیا، جلال الدین نے تہریز پر بقیہ کے بعد کتبچہ بھی فتح کر لیا تو مظفر الدین وہاں سے بھی بھاگا اور اس کے بعد اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ (ابن اشیر ج ۹، ص ۳۵۵ و بعد، محاضرات ج ۳، ص ۴۵۸)

۹۱ ناصر الدین منکلی، آتابکان آذربائی جان کے مالیک میں سے تھا۔ ۶۰۸ھ میں بلاد جبل کے حکمران ابغاش کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کر کے عراق عجم کا حکمران بن بیٹھا۔ اس سے ملوک اطراف اور عباسی خلیفہ الناصر ناراض تھے اس لئے ان کی متحدہ افواج نے منکلی پر ۶۱۱ھ یا ۶۱۲ھ میں حملہ کیا اسے شکست دیکر قتل کر دیا اور اس کے علاقوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ (ابن اشیر ج ۹، ص ۳۰۵-۳۱۳)

۹۲ مظفر الدین دجہ السبع کا نام منقو تھا۔ وہ عباسی خلیفہ الناصر الدین اللہ کا مملوک اور اہم عہدہ دار تھا۔ مظفر الدین ۶۰۳ھ میں بھاگ کر شام چلا گیا وہاں سے ۶۰۸ھ میں واپس آیا

۳۔ مظفر الدین کوک پوری (کوک بمعنی بھورا) اور پوری یا بمو بمعنی گرگ (بھینڑ) گرگ کبود بھورا بھینڑا الملک المعظم ابو سعید مظفر الدین کوک پوری بن زین الدین علی کوچک کا تعلق ترکمانوں کے گروہ سے تھا وہ اربل و شروزور کا گورنر تھا۔ فوجوائی میں آتابکان موصل کی جانب سے جزیرہ کے مقام حران کا گورنر بنا ۵۷۸ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی ملازمت میں داخل ہوا اور اس کے مقریان خاص میں محسوب ہوا۔ اس تاریخ سے ۵۸۶ھ تک سلطان کے ساتھ صلیبی عماریات میں جان فشانی دکھائی خصوصاً ۵۸۳ھ میں جنگ حطین میں اس نے حیرت انگیز بہادری کا مظاہرہ کیا اور بیت المقدس کے استرداد میں اس کی سرفروشی کا بڑا دخل تھا۔ اس کے کارہائے نمایاں کے باعث ۵۸۸ھ میں سلطان نے اپنی بہن ربیعہ خاتون کا اس سے نکاح کر دیا۔ اسے ۵۸۶ھ میں سلطان نے اربل و شروزور کا گورنر مقرر کیا ۴۴ سال تک اس منصب پر فائز رہا۔ ۲۸ رمضان ۶۳۰ھ میں اکسی سال کی عمر میں اس نے انتقال کیا چونکہ لا ولد تھا اس لئے اس کی وصیت کے مطابق اس کے علاقے عباسی خلیفہ المستنصر باللہ کو لوٹا دیئے گئے مظفر الدین نے ۶۷ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں اپنی بساط کے مطابق چنگیزی حملوں کو روکا اور ۶۳۲ھ میں سلطان جلال الدین منکبونی سے بھی تآمریوں کے خلاف اتحاد کیا۔

منظر الدین کو کیوری ایک نیک دل حکمران تھا اس نے فقراء، مساکین، یتیموں، لاوارث بچوں، قیدیوں، اندھوں، پابجوں اور مسافروں کی دیکھ بھال کے لئے متعدد ادارے قائم کئے۔ مدارس، خانقاہیں اور رابطیں بنوائیں، شفاخانے قائم کئے۔ وہ بنفس نفیس مریضوں کی تیمارداری اور ان کی مالی امداد کرتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ ہر سال ساحلی علاقوں میں اپنے کارندے بھیج کر مسلمان قیدیوں کو عیسائی صلیبوں کی قید سے رہائی دلواتا تھا اسی طرح وہ مکہ و مدینہ میں حجاج کی خبر گیری بھی کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ اس آخری زمانے میں اپنی جرات ایمانی، حمایت اسلام، مسلمانوں کی غم خواری اور بندگان خدا کی دل جوئی کے لئے مشہور تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سلسلہ نسب کے آخری کڑی تھا۔ اللہ اسے کروٹ کروٹ جنس نصیب کرے۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۳۶ و ۱۳۷)

۹۳۔ سیف الدین اہل علمش یا اہل علمش، 'آباکان آذربائی جان کے ترک ممالیک میں

سے تھا۔ منکلی کی شکست کے بعد ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں اسے عراق عجم کی حکومت عطاء کی گئی۔ وہ سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے وابستگان دولت میں تھا اور اپنے علاقے میں اس کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا۔ اسے ۷۳ھ کے اوایل میں خلیفہ ناصر الدین اللہ عباسی کی تحریک پر قتل کر دیا گیا اور یہی قتل عباسیوں اور خوارزم شاہیوں کے مابین بنائے خصامت بنا (ابن اثیر 'ج ۹' ص ۳۰۵-۳۳۳)

۹۵۔ القرآن، سورہ الفاطر، آیت ۴۳

۹۶۔ القرآن، سورہ آل عمران، آیت ۲۷

۹۷۔ فخر الدولہ ابو الحسن علی رکن الدویہ دہلوی یوپی کا بیٹا تھا۔ اس نے چودہ سال کے قریب بلا وقارس وغیرہ پر حکومت کی اور ۱۲ شعبان ۳۸۷ھ کو چھالیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ فخر الدولہ بہادر اور لائق حکمران تھا وہ حد درجہ بخیل تھا اس نے بے شمار دولت چھوڑی مگر کفن تک مانگے کا میر آیا۔ اس کے بعد اس کا چار سالہ بیٹا اس کا جانشین ہوا (ابن الاثیر 'ج ۷ : ۱۸۵)

۹۸۔ ابو علی سلامی بہمنی نیشاپوری نے ۳۳۰ھ میں انتقال کیا۔ تعلیمی اپنی کتاب تہمتہ الدہر (جلد ۴، ص ۲۹) میں لکھتا ہے۔ ”وہ ابو بکر محمد بن مظفر بن حجاج اور اس کے بیٹے ابو علی احمد کے کاتبوں (نشیوں) میں محسوب ہوتا ہے، وہ متعدد کتابوں کا مصنف ہے انہیں کتابوں میں ”تاریخ اخبار ولایۃ خراسان“ بھی ہے۔ ابن خلکان اور دیگر مصنفین نے اس کتاب کے اقتباسات نقل کئے ہیں (نکت نامہ وہ خدا، بذیل مادہ سلامی)

۹۹۔ ساباط بہ تصریح صراح (۱ : ۵۴۱) پوشش رہ گزر، بہ تصریح المنجد (۳۳۶) سفینہ بین دارین تعنتھا طریق اور حسب تحقیق مجموعہ لغات عربی (۱ : ۱۳۵۵) چھتہ کو کہتے ہیں۔ میں نے اس کا ترجمہ زمین دوز راستہ کیا ہے۔

۱۰۰۔ القرآن، سورہ الشعراء، آیت ۳۹

۱۰۱۔ تنغلات (TOUNGAT) منگولوں کے پایہ تخت قراقرم اور بیش بالوغ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے (جوینی، جہاں گشای، ج ۳، ص ۹۳)

۱۰۲۔ کتاب کے اختتام پر جو عبارت درج ہے اس کا ترجمہ یہ ہے : ”سرت اور

کامرانی کے ساتھ جوینی کی کتاب تاریخ جہاں کشائی ہفتہ ۳ ذی الحجہ ۶۸۹ھ کو بدوہ ضعیف رشید الخوانی کے ہاتھ (کتابت) سے تمام ہوئی۔ اللہ کے دوست پرورد اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام ہو۔“

ضمیمہ اول

”نسخہ فتح نامہ الموت (ملخص)“

تحریر کردہ علاء الدین عطاء ملک صاحب دیوان الجوبنی

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ دنیا میں وقفہ وقفہ سے ایسے نامور حکمرانوں کو مسند اقتدار پر متمکن کرتا ہے جو پہنائے زمین کو اپنی کشور کشای اور فیروز بندی سے اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ اس لئے جب تقدیر الہی سے خان خاناں فرماں وہ زمین و زمان منکوقان کی بدولت دنیا میں عدل و انصاف کی عمل داری ہوئی، تو اسے فتح مبین حاصل ہوئی یہ کامرانی بادشاہ خجستہ فروشاہ دادگستر ہولا کو کے ذریعہ میسر آئی۔ چنانچہ اس سلطنت کا نمک خوار عطاء ملک بن محمد جوینی مستوفی چاہتا ہے کہ اس کامیابی کی بشارت دنیا کے نزدیک و دور کی اقلیم تک پہنچا دے۔ سو وہ اس کی تفصیل کا ایک اجمال جو چہ احوال پر باقی رہے یہاں بیان کرتا ہے۔

”بادشاہ ہولا کو نے رکن الدین کے پاس بار بار قاصد بھیجے جو اسے طوعا و کہا اطاعت پر مائل کرتے تھے مگر وہ ہر بار ایسا جواب دیتا تھا جو سچائی کے ہدف سے دور ہوتا تھا۔ اس لئے بادشاہ ہولا کو پر یہ بات منکشف ہو گئی کہ رکن الدین کے قلعوں کو بزور فتح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور وہ میمون و زکو جو رکن الدین کا مستقر ہے مسخر کر لے۔ سو اس نے ۶۵۳ھ کے نصف شوال میں اس قلعہ پر حملہ کا حکم دیا اور خود بھی ایک انہو کثیر کے ساتھ پیش قوی کی اور طالقان کے راستہ تھیب میں اترنے والے سیلاب اور بلندی پر لپکنے والے شعلہ کی طرح اور سرعت میں پانی پر چلنے والی ہوا کے مانند روانہ ہوا۔ (چوں سیل انفجار و زبانتہ آتش در انصعالو بر آب چوں باد روانہ شد) یلغار کے دوران ایک پہاڑی میٹھا دکھائی دیا اسے سپاہیوں نے تیر سے شکار کیا۔ یہ گویا تسخیر قلعہ و اسیری رکن الدین کی قال نیک تھی۔ شاہی لشکر نے اسماعیلوں کے قلعوں میں سے آگہ نشین، منصور یہ اور بعض دوسرے قلعوں

کا محاصرہ کر لیا۔ پھر ہزار چیم کے دشوار گزار اور پرہیج راستے سے گزر کر دوسرے دن شای لاؤ لشکر قلعہ (میمون دز) کے دامن میں پہنچ گیا اسپیدار کی سمت سے جو یمنین (سیدھے ہاتھ) ہے بوقا تیمور اور کواہلکائی لشکر گراں کے ساتھ بڑھے اور الموت کی جانب سے جو یسار (لئے ہاتھ) پر ہے بادشاہ زادہ بلخای اور توقار نے پیش قدمی کی اور ان کے عقب سے کد بوقا آہنی پہاڑ جیسے گروہ کے ساتھ مستعد قتال ہوئے۔ اس طور سے ایک دن میں قلعہ مذکور اور شہرستان الحاد پر اس قدر بڑے لشکر نے ہجوم کیا۔

اس پہاڑ پر جس کی چوٹی پر ایک پانی کا چشمہ تھا اور اس کی کمر یعنی درمیان میں دو تین اور آبشار تھے رکن الدین کے باپ علاء الدین نے بارہ سال کے صلاح و مشورہ کے بعد میمون دز نامی قلعہ کی بنیاد رکھی تھی اور اس کی دیواروں اور فصیلوں کو پتھر اور سچ (چونے کے گارے) سے بنایا تھا۔ اس کے ایک فرسنگ پرے ایک نہر سے قلعہ میں پانی لانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہاں اتنی سخت سردی تھی کہ ابتدائے خریف سے یہاں بہار تک جانور بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے آدمی کے رہنے کا تو سوال ہی نہ تھا اور یہ کہ وہ یہاں قیام کر کے اس کا محاصرہ کرتے لیکن جب بادشاہ ہولا کو کی فوجوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اہل قلعہ نے اس ابنوہ گراں اور سیل بے کراں کو دکھا تو وہ جہاں تک نگاہ دوڑاتے آدمی اور علم دکھائی دیتے تھے اور رات کے وقت آگ کی کثرت سے زمین کو ستاروں سے بھرا ہوا آسمان سمجھتے تھے۔

ہولا کو نے اس مقام سے رکن الدین کے پاس اطاعت گزاری کا پیغام روانہ کیا اور اسے ہلاکت سے بچنے کا یہ طریقہ بتایا کہ وہ قلعہ سے نکل کر لشکر شای میں آجائے اور یوں ساحل نجات کی جانب جلد سے جلد آجائے۔ اہل قلعہ کے ہاں سے جواب آیا کہ رکن الدین غائب ہے اور ہم اس کی اجازت و حکم کے بغیر یہاں سے باہر نہیں آسکتے۔

بہر کیف دوسرے تیسرے دن قلعہ پر منجنیقوں سے سنگ باری کا آغاز کیا گیا اور قلعہ کے گرد درختوں کو کاٹ کاٹ کر راستے صاف کرنے کا کام شروع کیا گیا سنگ بار آلات مختلف چوٹیوں پر پہنچائے جانے لگے۔ اگلے دن بادشاہ نے اگلی بلند چوٹی پر اپنا پڑاؤ کیا۔ اس دوران اہل قلعہ بھی نہایت پامردی سے مدافعت کرتے رہے اور ادھر سے بھی ان پر جوابی حملے ہوتے رہے یہ سلسلہ چوتھے دن تک جاری رہا۔ فوج منگولی کی ان کماتوں سے جنہیں اساتذہ ختائی (چینی ہنرمندوں) نے بنایا تھا اور جن کی مار ڈھائی ہزار قدم تک تھی ملاحظہ کو حد درجہ نقصان پہنچا مگر ان کی سنگ باری سے جو چوں کی طرح جھڑ جھڑ کر رہے تھے منگول

سپاہ میں ایک شخص کے علاوہ کوئی زخمی نہ ہوا۔

اس صورت حال سے گھبرا کر رکن الدین نے صلح کی کوشش شروع کی اور ہولا کو کی خدمت میں اظہار اطاعت کی نیت سے قاصد روانہ کئے اور کہا کہ آج کل میں قلعہ سے باہر آکر بارگاہ شاہی کی مٹی کو سرمہ، چشم پتاؤں کا یعنی آپ کی اطاعت قبول کرلوں گا (موزیا فرد بیروں آئیم و خاک بارگاہ را تو تیا کی چشم سازم) رکن الدین کے اس پیغام کی وجہ سے لڑائی روک دی گئی دوسرے دن اس کی آمد کا انتظار رہا اس کا قاصد آیا اور تحریری اماں نامہ طلب کیا جو اس کے پاس بھیج دیا گیا اور جسے لوگوں کے مجمع میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اگلے دن رکن الدین نے (آہنگ نزول کرد) قلعہ سے اتر کر آنے کا ارادہ کیا غالی فدا نیوں کے ایک گروہ نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا، اس لئے رکن الدین نے ہولا کو سے بار دیگر اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔ ہولا کو نے جواب میں کھلا بھیجا کہ رکن الدین کے حق میں یہی مناسب ہے کہ وہ وہیں رہ کر اپنی حفاظت کرے۔ اس دوران منگولوں نے قلعہ شکن اور سنک بار آلات کو بہ آسانی مناسب مقامات پر نصب کر دیا تھا اسی لئے از سر نو جنگ چھیڑ دینے کا حکم دیا گیا سنک باری سے ملاحہ کی منتخیق ٹوٹ گئی، ان میں خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ محفوظ مقامات میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اگلے دن بھی یہی صورت حال رہی۔

آخر رکن الدین نے غنہ تقصیر کے لئے پھر اپنی روانہ کئے اور اپنے بیٹے اور اکثر ارکان دولت کو قلعہ کے نیچے ہولا کو کے ہاں بھیج دیا (اکثر اعیان و ارکان را با سپر خود بیروں فرستاد) دوسرے دن کہ سلخ شوال (۶۵۳ھ) تھا وہ خود بھی لشکر منگولی میں حاضر ہو گیا ہولا کو نے اسے خوش آمدید کیا اور اس کی وحشت کو انیت سے بدل دیا (استیعاش و استنفار رکن الدین را باستہتاس و استبشار و مبدل گرداید)

اس کے اگلے دن (رکن الدین کے) سارے بھائی، بیٹے، زنان خانہ، متعلقان و ساکنان قلعہ (برادران و فرزندان و خانگیان و متعلقان و ساکنان قلعہ را ہاموں آورد) کو میدان میں لایا گیا اس کے ساتھ لشکری اور ان کے سارے ساز و سامان بھی باہر لائے گئے پھر منگولوں کا لشکر قلعہ میں داخل ہوا اور وہاں کی قمیرات و مکانات کو ڈھا کر ان پر جھاڑو پھیر دی (بجا روب خاک آں را برتند) اس دوران فدا نیوں کے غلاۃ کی ایک جماعت نے قصر کی چوٹی پر جو قبہ تھا اس پر چڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ تین دن رات یہ لوگ منگولوں سے نبرد آزما رہے آخر لڑ کر سب کے سب جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

رکن الدین نے میمون دز کے اندوختوں میں سے بادشاہ اور ارکان دولت کو تحفے دیئے

اور دوسرے قلعوں میں اہل خاں (منگولی) اہلچہیوں کے ہمراہ اپنے آدمی بھیج کر انہیں منگولوں کے حوالہ کر دیا۔ بادشاہ نے وہاں سے کامیاب و کامران واپسی کا سفر شروع کیا۔ الموت کے کو قوال کے پاس بھی اطاعت گزاری کی غرض سے اپنی گئے مگر اس نے ایسا کرنے سے تذبذب کیا سو بادشاہ زا وہ بلخای کو اس کے محاصرہ کا حکم ہوا مجبوراً وہاں کے لوگوں نے رکن الدین کے ذریعہ امان طلب کی اور ذوالقعدہ کے اواخر میں یہ لوگ مطیع ہو گئے اور تین رات دن کے بعد منگولی فوجوں نے قلعہ میں کھس کر اسے برباد کر دیا۔

(حملات و خانہ ہارا بر آب آتش انداختند و بجا روب ہدم خاک آں را برباد و آند دیا اصل تسادی کردند)

اسی ہفتہ قہستان کے قلعوں کا محشم شمس الدین مطیعانہ آیا اور رکن الدین کے معتدلوں کے ہمراہ قلعوں کی حوالگی کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس کا آغاز گرد کوہ سے ہوا اور قہستان کے تمام قلعے جن کی تعداد پچاس کے قریب تھی انہیں مسمار کر دیا گیا۔ دہلوان، اشکور، طارم اور خرکام کی طرف سے بھی کو قوالوں نے آ کر انہما رہندگی کیا اور اپنے اپنے قلعوں کو مسمار کر دیا۔

ہولا کو نے یکم ذی الحجہ سال مذکور کو ”اردو“ کا قصد کیا اور مال غنیمت کو لشکر کے بڑے چھوٹے افسروں پر تقسیم کر دیا رکن کے بارے میں حکم ہوا کہ اسے تمام قرابت داروں یعنی بیٹے، بیٹیوں کے ہمراہ قزوین بھیج دیا جائے۔ مختصر یہ کہ ہولا کو اس ماہ کے آخر میں ناصرو منصور ”اردو“ پہنچ گیا۔

حسن صباح کے باغی گروہ کا اور اباحت کی قائل سرکش جماعت کا رودبار الموت کے الحاد خانہ میں ایک پتھر بھی بنیاد پر باقی نہ رہا۔

ان کے محشم بے حشمت اور ان کے کیا (سردار) بے عزت و بے حرمت ہو گئے۔ یہ لوگ خلافت کے درمیان یہودی طرح ذلیل ہوئے اور ان پر ذلت و خواری مسلط کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذلت و رسوائی ان لوگوں کا مقدر رہے، یہ وہ لوگ ہیں جو ملعون ہیں (البقرہ، آیت ۶۱) اور شاہان روم و فرنگ جو ان ملاحدہ کو خراج ادا کرنے میں شرم محسوس نہ کرتے تھے اور ان سے لرزہ بر اندام رہتے تھے اطمینان کی نیند سوئے اور اہل اسلام جو ان کی حشر سامانیوں سے خائف رہتے تھے امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔

ضمیمہ دوم

”استیصال ملاحدہ“

از کتاب جامع التواریخ جلد دوم
تحریر کردہ

وزیر رشید الدین فضل اللہ المتوفی ۷۱۸ھ

(تاریخی حکمران چنگیز خاں نے ۷۳۳ھ میں انتقال کیا۔ اس کی ہلاکت کے بعد اس کا تیسرا بیٹا اوکتای قاآن عظیم منگول جرگہ کے فیصلے کے مطابق ۷۳۶ھ میں باقاعدہ تخت خانی پر متمکن ہوا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا گیوک قاآن ۷۳۳ھ میں اس کا جانشین ہوا۔ گیوک کی تخت نشینی پر منگولی شہزادوں، فوجی افسروں اور قبائلی سرداروں میں اختلافات پیدا ہوئے، جو اس کی ۷۳۸ھ میں موت تک برقرار رہے۔ اس کے بعد چنگیز کے چوتھے بیٹے تولی کا بیٹا منکو قاآن مسند نشین خانی ہوا۔ اسے بھی ابتداء میں بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر منگولی عظیم جرگہ (قورمٹائی بزرگ) کی توثیق کے بعد اسے داخلی انتشار سے نجات ملی۔ اس کے بعد اس نے مشرقی و مغربی چنگیزی مقبوضات کے انتظام اور مزید فتوحات کے انصرام کی جانب اپنی توجہ مبذول کی۔ ۲۰ھ اس نے مشہور فوجی قائد بانجھو نویان کو لشکر گراں کے ساتھ مغربی مقبوضات (ترکستان، ماوراء النہر، سجستان، خراسان، ایران وغیرہ) کی حفاظت پر مامور کیا۔ بانجھو نے ایران پہنچنے کے بعد منکو قاآن کی خدمت میں قراقرم و کلوان میں ملاحدہ (باطنی، اسماعیلی) اور عباسی خلیفہ (المستعصم باللہ) کی شکایتیں لکھ کر بھیجی شروع کر دیں۔ اسی زمانہ میں قاضی القضاۃ شمس الدین قزوینی، ملاحدہ کی حیرہ دستیوں کی شکایت لے کر منکو قاآن کے دربار میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بادشاہ کو قزوین اور اس کے قرب و جوار میں باطنیوں کی خوں ریزی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی کی تفصیل بیان کی اور اپنی قباء کے نیچے زیر جامہ کے بطور زرہ دکھائی اور بتایا کہ اس نواح کے فضلاء، امراء و علماء کی

عزت و آبرو اور جان و مال بالکل محفوظ نہیں ہیں۔

ان اسباب کی بناء پر متکوکا آن نے اپنے چوتھے بھائی ہولا کو بن تولى کو بلاد غربی (ایران، عراق، شام، مصر، روم و ارمن) کی تسخیر پر مامور کیا۔ اور اسے حکم دیا کہ ”دریائے جیحوں کے پرے سے لیکر بلاد مصر کے انتہائی سرے تک کے تمام مقامات کو اپنا مطیع فرمان بنا اور جو گردن کشی و تکبر اختیار کرتے اسے زن و فرزند اور عزیز و قریب سمیت ذلیل و خوار اور پامال کر دے۔“ (تکبر گردن کشی و سرافرازی نماید) اور ابازن و فرزند و خویش و پیوند در دشت پانچمل قہر و ازلال گزار) قہستان و خراسان سے آغاز کر کے قلعوں کو جاہ کرتا ہوا، عراق پہنچے اور لر (ایران کی ایک قوم) و کرد (ایران و عراق میں آباد ایک قوم) کو اپنے راستے سے ہٹا دے۔ اگر خلیفہ بغداد تیرے حضور آنے اور اطاعت قبول کرنے میں پہل کرے تو اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کر اور اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچا، لیکن اگر وہ تکبر اختیار کرے اور دل و زبان کو ایک نہ رکھے (یعنی جو زبان پر ہو دعویٰ بات اس کے دل میں بھی نہ ہو) تو اسے بھی دوسرے (سرکشوں) سے ملحق کر دے (یعنی فاکر دے)۔ (اگر خلیفہ بغداد بند مت و طاعت مبادرت نماید اور ابہتج وجہ تعرض مرساں و اگر تکبر کند دل و زبان راکچے ندارد) اور ابہ گمراہ ملحق گرداں)

اس حکم کے بموجب بادشاہ زاہد، ہولا کو ذوالحجہ ۶۵۰ھ میں اپنی فوج کے ساتھ تیہم پر روانہ ہوا۔ وہ سمرقند پہنچ کر خیمہ زن ہوا اور قرب و جوار کے امراء کو خطوط لکھے کہ ”ہم ملاحظہ کے استیصال کے لئے جارہے ہیں تم ہماری مدد کو آؤ، تمہارے مقبوضات سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا، ورنہ تمہارا بھی وہی حشر کیا جائے گا جو ملاحظہ کا ہونا ہے۔“ بہت سے امراء خوف سے ہولا کو کی فوج میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

اس فوج گراں کو لے کر غزوہ (ایڈائی تاریخیوں میں) ذوالحجہ ۶۵۳ھ میں ہولا کو نے دریائے جیحوں پار کیا اور شکار کھیلا ہوا آگے روانہ ہوا۔ اٹھائے سفر میں سخت برف باری شروع ہو گئی جس کی وجہ سے بادشاہ کو اپنا سفر موخر کرنا پڑا۔ اس طوفان برف و ڈالہ باری کے سبب بہت سے چوپائے ہلاک ہو گئے اور موسم سرا کے اختتام تک اسے اسی نواح میں قیام کرنا پڑا۔

تکبر ہولا کو کی قراقرم سے روانگی سے پہلے متکوکا آن نے اس کے مقدمۃ العجشی کے بطور ایک منگول سردار کیتو قانونیان کو جمادی الاخرہ ۶۵۰ھ میں ملاحظہ کے قلعوں پر تاخت و تاراج کی غرض سے روانہ کر دیا تھا، تاکہ اصل فوج کے حملوں سے پہلے ہی دشمن کی فوجی

قوت پر آگندہ اور اس کا ملکی نظام برباد ہو جائے۔ اوائل محرم ۶۵۱ء میں اس مقدمہ الجیش نے دریائے جیحون پار کر لیا تھا اور قہستان کے صوبے میں ہر طرف لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے بعض مقامات پر قبضہ بھی کر لیا تھا، بعد ازاں کتبہ قوانین پانچ ہزار سواروں کی ہمراہی میں اسماعیلیوں کے قلعہ گردکوه پہنچ گیا اور ربیع الاول ۶۵۱ء میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اسماعیلی جاں بازوں نے اپنی پامردی سے منگولوں کے محاصرہ کو بار بار توڑا اور دشمن پر کاری ضربیں لگائیں۔ گو محاصرہ جاری رہا مگر محاصرہ کرنے والی فوج کو کوئی خاص کام پائی نہ ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ہولا کو کے دوسرے سردار اپنی اپنی افواج کے ساتھ ارد گرد کے قلعوں اور قصبوں پر تاخت کرتے رہے۔ محاصرہ کے دوران ایک بار اسماعیلی سرفروشوں نے ۹ شوال ۶۵۱ء کو رات کے وقت قلعہ سے نکل کر محاصرہ تازی افواج پر بڑی بے جگری سے شب خون مارا اور ایک سو سے زیادہ منگولوں کو کاٹ کے رکھ دیا۔ لیکن محاصرہ کی شدت میں کوئی کمی نہ آئی اور تازیوں کی مختلف حکمیاں قلعہ گردکوه کی فوجی بستیوں اور قریبی قلعوں پر حملہ آور ہوتی رہیں۔

سال مذکور (۶۵۱ء) کے ماہ جمادی الاول کی دسویں تاریخ کو منگولوں - ۳ (تازیوں) نے ”تون“ اور ”ترشیز“ پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح شعبان کی ابتدائی تاریخوں میں ”وزمرین“ پر اور رمضان کی ستائیس تاریخ کو ”وزکمالی“ پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔

گردکوه کے محصور ملاحہ نے اپنے بادشاہ علاء الدین محمد کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ قلعہ میں وبا پھوٹ پڑی ہے اور اکثر جنگ آزمائہ قہرمان اجل بن گئے ہیں اور قلعہ ہاتھ سے نکلا ہی چاہتا ہے۔ اس پیغام کے جواب میں علاء الدین محمد نے اپنے دو امیروں مبارز الدین علی تورانی اور شجاع الدین حسن استر آبادی کو ایک سو دس بہادروں کے ساتھ گردکوه کے محصورین کی کمک پر روانہ کیا۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ دو من چٹا اور تین من نمک کر دیا۔ ۴۰ سالان اس لئے بھیجا گیا کہ قلعہ میں نمک کا کال تھا اور چٹا دباؤ کے دفعیہ کا بہترین علاج تھا۔ یہ ایک سو دس جاں باز منگول محاصرین پر اس بے جگری سے حملہ آور ہوئے کہ ان کا گھیرا توڑ کر قلعہ گردکوه میں ہمسامت داخل ہو گئے۔ ان میں سے کسی کو کسی قسم کی کوئی گزند نہ پہنچی۔ صرف ایک شخص پھسل کر خندق میں جا گرا تھا۔ اسے بھی اس کے ساتھی اپنے کانٹوں پر اٹھا کر قلعہ میں لے گئے۔ اس بدوقت کمک سے گردکوه کے اسماعیلی محصورین کی بڑی ہمت افزائی ہوئی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی سے اپنے قلعہ کے دفاع میں مصروف ہو گئے۔

(اسامیہلوں کی بد قسمتی کئے کہ) اسی دوران شب چہار شنبہ سلخ (آخری تاریخوں میں) ذی قعدہ ۶۵۳ھ کو اسامیہلوں کے بادشاہ علاء الدین محمد کو اس کے بیٹے خورشاہ کی سازش سے حسن ماٹنڈرانی نے کہ علاء الدین کا حاجب تھا، شیرکوہ کے مقام پر تہیزین کا زخم لگا کر مار ڈالا۔ خورشاہ نے باپ کی جگہ لیتے ہی ایک فدا کی کے ذریعہ حسن ماٹنڈرانی کو اپنے باپ کے قتل کے جرم میں مروا ڈالا اور اس کے زن و فرزند کو میدان میں لے جا کر جلوا دیا۔ اسی اثناء میں بروز یک شنبہ ۲۶ ذوالحجہ کو تین دن کی لڑائی کے بعد دز شال پر منگولوں کا قبضہ ہو گیا۔ بعد ازاں ہولا کو نے ملک شمس الدین کرت کو قلعہ سر تخت کے اسامیہلی حاکم (مختتم) ناصر الدین کے پاس خط دیکر روانہ کیا۔ وہ بیا جہاں دیدہ اور معرخص تھا، حالات کو بحال کر منگولوں کی اطاعت قبول کر لی، اپنے اہل و عیال کے ہمراہ لشکر شامی میں آیا اور ہولا کو کی خدمت میں تحفے پیش کئے۔ ہولا کو نے اس سے اہل قلعہ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ خورشاہ کی رعایا ہیں اور اس کے حکم کے بغیر ہتھیار نہیں ڈال سکتے۔ سر کیف مختتم ناصر الدین عنایات شامی کا سزاوار ٹھہرا اور اسے بعد میں شہر تون کی حکومت عطا کی گئی۔

ماہ صفر ۶۵۳ھ میں ہولا کو وہاں سے چل کر زادہ اور خوف آیا۔ یہاں وہ بیمار پڑ گیا اس لئے اس نے کوکا اہلکانی اور کتبہ قافیان کو دوسرے امراء لشکر کے ہمراہ ملاحظہ کی بقیہ ولایات کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ قہستان کے حدود میں وہاں کے بد معاشوں نے کسی قدر مزاحمت کی، لیکن ایک ہفتہ میں ان سبھوں کو مار بھاگایا گیا اور ان کے فوجی مورچوں کو برباد کر دیا گیا۔

۷ ربیع الاخر کو یہ لشکر شہر تون پہنچا۔ منجھتی نصب کر کے حصار پر حملہ کا آغاز کیا گیا۔ ۱۹ تاریخ کو شہرستان پر قبضہ ہوا اور وہاں کے اہل حرفہ (کارنگروں) کے سوا ساری آبادی کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ منگولی لشکر اس کامیابی کے بعد مظفر منصور شامی لشکر سے آ ملا اور شامی افواج کے ہمراہ طوس کی جانب روانہ ہوا۔ چند روز طوس میں آرام اور سلمان خورد و نوش کی فراہمی کے بعد یہ لشکر ملاحظہ کے قلعوں کی تسخیر مزید کی غرض سے آگے بڑھا۔ طوس سے ۲۹ جمادی الاخر کو روانہ ہو کر ۱۰ شعبان ۶۵۳ھ کو شامی لشکر خرقان اور بسطام پہنچا۔ یہاں سے برات کے شخہ مرکبتائی ایکلشی کے ہمراہ خورشاہ کے پاس قاصد بھیجے گئے۔ اور اسے (خورشاہ کو) ڈرایا گیا، سختی کی کئی دھمکی دی گئی اور سخت تنبیہ کی گئی (و تخويف و تعنيف تہديد و وعيد فرمود) تاکہ وہ منگولوں کی اطاعت قبول کر کے اپنے بقیہ محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قلعے ان کے حوالے کر دیے)

اسی زمانے میں مولانا سعید خواجہ نصیر الدین طوسی جو دنیا کے کامل ترین اور عاقل ترین فرد تھے (کہ اکمل و افضل عالم ہوں) اور ثانی گرامی اطباء کی ایک جماعت مثلاً رئیس الدولہ، موفق الدولہ اور ان کے بیٹے وغیرہ جو مجبوراً ”ملاحظہ کے ہاں مقیم تھے اور خورشاہ کی بدظنیت و مظالم کے معنی شاہد تھے اور ملاحظہ کی ملازمت سے رنجیدہ و متنفر اور ہولا کو کی جانب مائل تھے (و میل ایساں ہوا خواہی ہولا کو ہوں) ان لوگوں کے مشورہ سے خورشاہ نے اہلکار اطاعت و بندگی کی غرض سے اپنے چھوٹے بھائی شہنشاہ خواجہ اصیل الدین روزنی اور دوسرے عمائد سلطنت کے ہمراہ ایک سفارت بادشاہ ہولا کو کی خدمت میں روانہ کی۔ اس کے جواب میں ہولا کو نے بھی خورشاہ کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ ”وہ اپنے قلعوں کو مسمار کر کے بہ نفس نفیس اس کی خدمت میں حاضر ہو۔“ اس کے جواب میں خورشاہ نے یہ عرض کیا کہ ”میرے باپ نے بادشاہ کی مخالفت کی تھی مگر میں تو اس کا تابع فرمان ہوں“ اس کے بعد اس نے اپنے چند قلعے مثلاً میمون وز، آلہ اموت اور لیسر کے کنٹرے کروادیئے، ان کے چٹانک اکٹرا دیئے اور ان کی فصیلی منہدم کروادیں اور یہ درخواست کی کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لئے ایک سال کی مہلت عطا کی جائے۔ مگر ہولا کو نے اس عرض داشت کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور ۱۰ شعبان ۶۵۳ھ کو ہسٹام سے چل کھڑا ہوا۔ ملاحظہ کے قلعوں پر ایک ساتھ یلغار کی غرض سے عراق اور دوسرے علاقوں کی افواج کو لشکر شاہی (اردو) میں بھونچنے کا حکم صادر کیا۔ اس کے ساتھ خورشاہ کو دربار میں حاضر ہونے کا ایک بار پھر فرمان بھیجا۔

خورشاہ نے جواب میں اپنے وزیر کے قباد کو سزاء کے ہمراہ بھیجا۔ وہ قلعوں کو مسمار کرنے پر آمادہ ہو گیا اور حاضری کے لئے ایک سال کی مہلت طلب کی اور عرض کیا کہ ”آلہ اموت“ و لیسر کے قلعے جو ہمارے قدیم مسکن ہیں بریادی و مسماری سے مستثنیٰ کئے جائیں۔ بقیہ قلعے حوالے کر دیئے جائیں گے۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے گرد کوہ اور قہستان کے تختہ حاکم کو حکم دیا کہ وہ منگولوں کا مطیع فرمان ہو جائے اور ان کے احکام پر عمل کرے۔

ملاحظہ کی یہ تمام سفارتیں ناکام واپس گئیں۔ ہولا کو نے ان کی کسی درخواست کو منظور نہ کیا اور پیش قدمی جاری رکھی۔ لار اور وماند بھونچ کر گرد کوہ کے مقدم کو حاضر خدمت کرنے کی غرض سے اس نے شمس الدین گھلکی کو گرد کوہ بھیج دیا۔ خود قسران کا رخ کیا۔ راستے میں شاہ وز پڑا تھا۔ اس کا محاصرہ کر لیا گیا اور دونوں میں یہ قلعہ فتح ہو گیا۔

اس اثناء میں اظہار اطاعت کی غرض سے خود شاہ نے ۱۷ رمضان ۷۵۳ھ کو ہولا کو کی خدمت میں ایک اور سفارت بھیجی۔ اس میں اس کا ہفت سالہ بیٹا اور تین سوا افراد شامل تھے۔ یہ سفارت جب ہولا کو کے پاس پہنچی تو وہ عباس آباد ری میں خیمہ زن تھا۔ خورشاہ نے قلعوں کو مسار کرنے کی مزید یقین دہانی کرائی۔ ہولا کو نے اس سفارت کو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ بچہ ابھی خورد سال ہے۔ اگر خورشاہ کی آمد میں تاخیر ہے تو وہ اپنے کسی بھائی کو ہمارے حضور میں بھیجے تاکہ شہنشاہ جو ایک عرصہ سے ہمارے پاس مقیم ہے واپس جاسکے۔

اس لئے خورشاہ نے اپنے بھائی شیران شاہ کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ ۵ شوال کو ہولا کو کی خدمت میں بھیجا۔ یہ لوگ ۹ شوال کو اس پیغام کے ساتھ واپس کر دیئے گئے کہ ”ہم نے خورشاہ کو محاف کیا، وہ ہمارے خوف سے بے خوف اور ایمن رہے۔“

اس کے بعد ہولا کو نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ ہر جانب سے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ خورشاہ کو گھیر لیں۔ جب یہ سردار اس کے قریب پہنچ گئے تو اس نے یہ پیغام بھیجا کہ ”جب ہم نے تمہاری اطاعت قبول کر لی اور قلعوں کو منہدم کرنے میں مشغول ہیں تو تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟“ ان سرداروں نے جواب دیا کہ ”آپ سے ہماری دوستی ہو چکی ہے“ اس لئے ہم اپنے جانوروں کے چارے کی تلاش میں یہاں تک آ گئے ہیں۔“

ہولا کو بھی ۱۰ شوال ۷۵۳ھ کو پیش کلمہ سے براہ طالقان چل پڑا اور ملاحظہ کے قلعوں کی تسخیر کی غرض سے اپنے سرداروں سے آلا۔ اگر اس رات بارش نہ ہو جاتی تو خورشاہ گرفتار ہو چکا ہوتا۔

۱۸ شوال کو میون وز کے سامنے شمالی سمت میں ہولا کو کے خیمے نصب کر دیئے گئے۔ دوسرے روز اس قلعہ کو اس کے فوجیوں نے ہر سمت سے گھیر لیا۔ اس نے ہر طرف سے قلعہ میں داخل ہونے اور وہاں سے نکلنے کے راستوں کا معائنہ کیا۔ چونکہ استحکام کی وجہ سے قلعہ کی تسخیر مشکل تھی اس لئے اس نے اپنے امراء سے مشورہ کیا۔ بعض امراء نے موسم سرما کی تباہ کاری اور قلعہ کے ناقابل تسخیر ہونے کے باعث، محاصرہ اٹھالینے اور اگلے سال چڑھائی کرنے کی رائے دی لیکن اس کی اور اس کے بعض سرداروں کی رائے تھی کہ محاصرہ جاری رہنا چاہئے۔ چنانچہ اسی دو سری رائے پر عمل کیا گیا اور محاصرہ جاری رکھا گیا۔ بعد ازاں اس نے خورشاہ کو تہدید آمیز خط روانہ کیا۔ اس پر خورشاہ نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا اور چونکہ اس میں مقابلے کی طاقت نہ تھی اس لئے ہولا کو کی خدمت میں اپنے بھائی ایران شاہ اور بیٹے ترکیا کو خواجہ نصیر الدین طوسی، خواجہ اصیل الدین زوزنی اور اعیان

واشراف کی ایک جماعت کے ساتھ جسے ۲۷ شوال کو تحفہ تحائف کے ساتھ روانہ کیا۔ ان سب لوگوں کو منگولی سپاہ نے الگ الگ نیچے اتارا اور آنے کا سبب دریافت کیا۔

بعد ازاں یکم ذوالقعدہ ۶۵۳ھ کو خورشاہ اپنے امراء کے مشورہ سے خواجہ نصیر الدین طوسی، خواجہ امیل الدین زونئی، وزیر مویہ الدین، رئیس الدولہ و موفق الدولہ کے بیٹوں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر ہولا کو کے پاس آگیا۔ اس نے اپنی دو سو سال کی حکومت اور سرداری کو خیر یاد کہا اور ہولا کو کی قدم پوسی کا شرف حاصل کیا۔ یوں ملاحظہ کی حکومت دو صد سالہ ختم ہوگئی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے اس کی تاریخ ان اشعار سے نکالی ہے ۔

سال عرب چوں شش صد و پنجاہ و چار شد
یکشنبہ اول مہ ذی القعدہ بامداد
خورشاہ بادشاہ اسماعیلی ز تخت
برخواست و پیش تخت ہلاکو باہستاد

ہولا کو نے جب خورشاہ کو دیکھا تو اسے کم سن اور ناتجربہ کار جان کر اس کی دل جوئی کی اور اس پر نوازش و عنایت کی۔

اب ملاحظہ کے قلعوں کے انہدام کی غرض سے صدر الدین کہ ہولا کو نے روانہ کیا۔ ان قلعوں کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی۔ یہ قلعے قہستان، رودباد اور قوش کے علاقوں میں واقع اور سامان جنگ و اسباب معاش سے مالا مال تھے اور دو سو سال سے ملاحظہ کے قبضے میں تھے۔ چنانچہ صدر الدین نے قلعوں کو سہار کرادیا، سازو سامان ضبط کر لیا اور ان کے کوٹوالوں کو نکال باہر کیا۔ صرف دو قلعے گردکھ اور لمسور باقی رکھے گئے کہ ان میں خورشاہ کے اہل و عیال و خاندان کے افراد قیام پذیر تھے۔ ان قلعوں کے مکین یا تو بے کاشکار ہو گئے یا قتل کئے گئے یا وہاں سے بھاگ گئے۔ گردکھ میں اسماعیلیوں نے کافی مزاحمت کی اور ۶۵۳ھ میں ہولا کو کی ہلاکت کے بعد اباقاآن کے عہد میں اس پر منگولوں کا قبضہ ہوا۔

الغرض خورشاہ اپنے تمام متعلقین کے ساتھ قلعہ میمون دز سے نکل آیا۔ اس کے ساتھ اس کے موروثی خزانے، دہنیے اور سازو سامان تھے جو ہر چند کہ اپنی صدیوں کی ثمرت سے کم تر تھے مگر پھر بھی بکثرت تھے۔ اس نے یہ سب ہولا کو کی نذر کئے۔ اس کامیابی کے بعد ہولا کو الموت آیا۔ رکن الدین کی معرفت قلعہ کے محافظین کو ہتھیار ڈالنے کا پیغام دیا، مگر وہ نہ مانے اور کئی دن تک مدافعت کرتے رہے۔ آخر روز شنبہ ۲۶ ذوالقعدہ ۶۵۳ھ کو ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور قلعہ دشمن کے حوالے کر دیا۔ منگول سپاہ نے قلعہ کے دروازے

اکھاڑ پھینکے اور اہل قلعہ کو وہاں سے مال و اسباب کے ساتھ نکل جانے کے لئے تین دن کی مہلت دی۔ چوتھے دن منگولوں نے قلعہ میں گھس کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ہولا کو قلعہ میں گیا اس کی بلندی اور استحکام دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اس کے بعد ہولا کو نے یہاں سے کوچ کا حکم دیا۔ لمسو کے نواح میں چند یوم قیام کے بعد طائر یوقا کو قلعہ کے محاصرے کے لئے چھوڑ کر ۶ ذوالحجہ ۶۵۳ھ کو وہاں سے مراجعت کی۔ انشاء سفر میں خواجہ نصیر الدین طوسی اور رئیس الدولہ و موفق الدولہ کے فرزندوں کو جو بڑے حافظ طیب تھے اور ہمدان کے رہنے والے تھے، انعام و اکرام سے سرفراز کیا اور حکم ہوا کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ شانی رکاب میں رہیں، یہ لوگ اور ان کی اولاد اب تک نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ عنایات خسروی کے مزاوار ہیں۔ (یعنی ملاحدہ کی بربادی اور الموت کی تباہی سے لیکر مولف کتاب رشید الدین فضل اللہ کے زمانہ تک کہ اولجاٹو سلطان کا عہد ہے، ارباب اقتدار و اصحاب جاہ و حشم ہیں)

روز پنج شنبہ دہم محرم ۶۵۵ھ کو ہولا کو نے خورشاہ کو خلعت فاخرہ عطاء کی اور دیگر عنایات کا مستوجب قرار دیا۔ اس کی عزت افزائی کی خاطر ایک منگولی لڑکی سے اس کا نکاح کر دیا۔ (ایسا جاسوسی کی نیت سے تو نہیں کیا گیا تھا؟) اور اس کو اپنے اہل خاندان کے ساتھ قزوین میں رہائش پذیر ہونے کا حکم دیا۔ ہولا کو نے اس بناء پر کہ خورشاہ کو امان دی تھی اور نیز اس مصلحت سے کہ اس کی مساعی سے شام میں ملاحدہ کے قلعے مسخر ہو جائیں گے، ورنہ اس کی فتح میں سالہا سال لگ جائیں گے، اس کی آسائش کا بڑا خیال رکھا اور اسے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا۔ پھر منکوقا آن کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس کے بعد روایات میں سخت اختلاف ہے، مگر جو بات کہ تحقیق سے ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ خورشاہ کا سفر قراقرم جاری ہی تھا کہ منکوقا آن کا ہولا کو کے پاس فرمان پہنچا کہ خورشاہ کو ہمارے دربار میں کیوں بھیجا جا رہا ہے اور سواری اور آدمیوں کو بے قاعدہ کیوں تھکایا جا رہا ہے؟ اس لئے اس کے حکم کے بموجب انشاء سفر میں خورشاہ کا کام تمام کر دیا گیا۔ اور خورشاہ کے متعلقین کیا مرد، کیا عورت حتیٰ کہ شیر خوار بچوں تک کو جو گواروں میں تھے، اہل قزوین کے درمیان قتل کر دیا گیا (و متعلقان اور ارازن و مردوگ و کدوک و رگوارہ قنات رادر میان اہل قزوین قتل آور دند) یوں خورشاہ اور اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ گیا (چنانکہ از ایشان اثرے نماند)

ان حدود (خراسان و ایران) میں اسماعیلیوں نے ۷۷۱ (ایک سو ستر) سال ۷۷۷ھ سے

۶۵۴ھ تک حکومت کی۔ ۷۷۷ھ کا عدد بحساب جمل لفظ ”الموت“ سے برآمد ہوتا ہے۔ ۵۔
یہ حکومت یکم ذوالقعدہ ۶۵۴ھ کو منگولوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ ان کے حکمرانوں ۶۔
کے نام یہ ہیں :

- ۱۔ حسن بن علی بن محمد مباح العمدی داعی
- ۲۔ کیا بزرگ امید داعی
- ۳۔ محمد بن بزرگ امید
- ۴۔ حسن بن محمد بن بزرگ امید
- ۵۔ جلال الدین حسن بن محمد
- ۶۔ علاء الدین محمد بن حسن بن محمد
- ۷۔ رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین محمد ۷۔

حواشی

۱۔ ابو الفضل رشید الدین فضل اللہ بن ابو الخیر ہمدان کا رہنے والا تھا۔ اس کا باپ
”ذہبا“ یہودی اور پٹھے کے لحاظ سے عطار تھا۔ رشید الدین نے اسلام قبول کیا اور اپنے عہد
کے علماء و فضلاء سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ فن طب سے اسے خاندانی شغف تھا چنانچہ
اس میں بڑی مہارت پیدا کی اور منگول حکمران غازان خاں کے ہاں بحیثیت طبیب ملازم ہوا۔
اپنی اعلیٰ علمی و انتظامی صلاحیتوں کے باعث ترقی کر کے وزیر ہوا اور بے شرکت غیرے
حکومت کا مہتمم و منصرم ہو گیا۔ غازان اور خرمندہ کے زمانے میں اسے بڑا اثر و رسوخ حاصل
ہوا اس کے ساتھ اس کے دشمنوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ آخر میں سلطان اولجایتو محمد
خدا بندہ (خرمندہ) کے انتقال کے بعد خواجہ کے دشمنوں کو موقع ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے نئے
سلطان ابو سعید کو یہ باور کرایا کہ خواجہ نے اس کے باپ کو زہر دے کر مار ڈالا ہے یا یہ کہ
اس کا غلط علاج کیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس جرم میں خواجہ رشید الدین اور
اس کا بیٹا عز الدین ۷۸ جمادی الاولیٰ ۷۸ھ کو قتل کر دیئے گئے اور ان کی لاشیں تیز زنجیریں
لگیں۔ اس وقت اس کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی۔ خواجہ نہایت ذی علم، سخی، معارف
پرور اور مسلمانوں کا مربی و خیر خواہ تھا۔ اس نے طب، تاریخ اور تفسیر میں متعدد تصانیف
یا دیگر چھوڑی ہیں۔ قرآن کی تفسیر نہایت مبسوط ہے اور تاریخ جامع التاريخ یا تاریخ غازان

خانی اپنے عہد کی نہایت مستند تاریخ ہے۔ (عباس العزادی العراقی، العراق بین احتلالین، جلد اول، صفحہ ۳۵۱-۳۵۷، مطبوعہ بغداد ۱۹۳۵ء)

۲۔ العراق بین احتلالین، جلد اول، صفحہ ۳۵۷ اور بعد

۳۔ میں نے ترجمہ میں کہیں ”تآری“ اور کہیں ”منگولی“ افواج کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس عہد کے معاصر مورخین نے ان دونوں الفاظ کو مرادف و ہم معنی سمجھا ہے اور چنگیز خانی افواج کے لئے دونوں ہی الفاظ (تآری و منگولی) استعمال کئے ہیں بلکہ بعض نے تو ”ترکوں“ اور ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ (مزید تفصیل کی غرض سے العزادی کی ضخیم تاریخ العراق بین احتلالین کا مطالعہ مفید ہوگا۔)

۴۔ من : ہندی میں چالیس سیر کا ایک پیمانہ، فارسی میں دور طل یا ایک سیر کا پیمانہ اور یہاں یہی مراد ہے۔ (غیاث اللغات)

۵۔ یہاں رشید الدین سے سہوا ہے۔ اسماعیلیوں کی حکومت کا آغاز ایک روایت کی رو سے ۴۷۳ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۴۷۷ھ سے ہوا تھا۔ مگر قلعہ ”آلہ اموت“ ۶ رجب ۴۸۳ھ کو ان کے قبضے میں آیا تھا۔ اس کا ذکر جوینی نے بالقرنہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تاریخ جہاں کشائی، جلد سوم، صفحہ ۱۹۳ مطبوعہ بریل لائبریری ۱۹۳۷ء۔ یادہ تاریخ ہے آ + ل + ہ + ا + م + د + ت = ۱ + ۳۰ + ۵ + ۱ + ۶ + ۳۰۰ (یعنی ”آلہ اموت“ = ۴۸۳) صحیح لفظ ”آلہ اموت“ یعنی ”آشیانہ عقاب“ یا ”ترہیت گاہ عقاب“ ہے۔ اسماعیلیوں کی حکومت کا آغاز ۴۷۳ھ سے ہوا۔ مولف جامع التواریخ کا بیان کہ ان کی حکومت کی ابتداء ۴۷۷ھ سے ہوئی، مفرد بیان ہے، دیکھئے تاریخ العراق بین احتلالین، جلد اول، صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۳)

۶۔ رشید الدین کا یہ بیان کہ اسماعیلیوں کے حکمرانوں کی تعداد سات تھی، درست نہیں ہے ان کے حکام کی تعداد آٹھ ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ حسن بن علی بن محمد الصباح (از ۴۷۳ھ تا ۵۱۸ھ)

۲۔ کیا بزرگ امید (از ۵۱۸ھ تا ۵۳۳ھ)

۳۔ محمد بن کیا بزرگ امید (از ۵۳۳ھ تا ۵۵۵ھ)

۴۔ حسن بن محمد (از ۵۵۵ھ تا ۵۶۱ھ)

۵۔ محمد بن حسن (از ۵۶۱ھ تا ۶۰۷ھ)

۶۔ جلال الدین حسن بن محمد (از ۶۰۷ھ تا ۶۱۸ھ)

۷۔ علاء الدین محمد بن جلال الدین حسن (از ۶۱۸ھ تا ۶۵۳ھ)

۸۔ رکن الدین خورشاه بن علاء الدین محمد (۱۲۵۳ھ تا ۱۲۵۴ھ)

جامع التواریخ میں چھٹیں حکمران جلال الدین حسن کا نام مذکور نہیں ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ جلال الدین حسن نے اسماعیلی عقائد سے توبہ کر لی تھی اور اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے رشید الدین نے اسے ملاحظہ میں شمار کرنا مناسب نہیں سمجھا ہو گا۔ (دیکھئے جہاں کشائی جلد سوم بر موقع اور تاریخ العراق بین احکامین جلد اول صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۳)

جامع التواریخ المجلد الثانی (دوسری جلد) کے صفحہ ۲۰ تا صفحہ ۳۸ کے فارسی متن کا ترجمہ اس ایڈیشن سے کیا گیا ہے جسے ۱۹۵۷ء میں باکو آذربائیجان کی نشر فرہنگستان علوم جمہوری شوروی سوویت نے شائع کیا ہے۔

ضمیمہ سوم

www.KitaboSunnat.com

”جنگ بغداد کی کیفیت“

تحریر کردہ

(مرحوم افضل العالم استاد البشر نصیر الحق والدین محمد بن محمد طوسی رحمہ اللہ۔)

جس زمانے میں بادشاہ جہاں، اصل امن وامان ہولا کو ۲ نے ملاحدہ ۳ کے استیصال کی نیت سے ان کے علاقے میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، خلیفہ (بغداد) کے پاس ایچی بھیجا کہ تمہارا کہنا یہ ہے کہ تم ہمارے مطیع فرمان ہو، اس لئے اس اطاعت و ماتحتی کی علامت یہ ہے کہ جب ہم سرکش ملاحدہ پر فوج کشی کریں، تو اپنا لشکر بھیج کر ہمیں کمک پہنچاؤ۔ خلیفہ (المستعصم باللہ) نے اپنے وزیروں اور نائبوں سے مشورہ کیا کہ قرین مصلحت یہ ہوگا کہ تھوڑے سے سپاہی بھیج دیئے جائیں۔ اس پر امراء اور سرداران لشکر نے کہا کہ ہولا کو یہ چاہتا ہے کہ اس زمانے سے بغداد اور خلیفہ کا ملک سپاہ سے خالی ہو جائے تاکہ جب اس کا جی چاہے کسی مزاحمت کے بغیر اس ملک پر قبضہ کر لے اس مشورہ کی وجہ سے خلیفہ نے لشکر کی روانگی ملتوی کر دی۔

جب بادشاہ (ہولا کو) ملاحدہ (کی ملک) کی تفسیر سے فارغ ہو کر ہمدان روانہ ہوا تو اس نے خلیفہ سے سخت باز پرس کی کہ تم نے فوج کیوں نہ بھیجی۔ خلیفہ اس سے سخت خائف ہوا اور اپنے وزیر ۵۵ سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا۔ وزیر نے یہ صلاح دی کہ زر نقد، جواہرات، مرصعات، زر کار پارچہ جات، نفیس لمبوسات، عمدہ سواریاں، اسبان بلند، سادہ روغلام، خیر و باندیاں، خچر ۶ اور اونٹ پر مشتمل کثیر ساز و سامان ترتیب دے کر ہولا کو کی خدمت میں بطور نذر پیش کر کے، لشکر نہ بھیجنے کی معذرت کرنی چاہئے۔ یہ مشورہ خلیفہ کو پسند آیا اور اس نے تحریر تیار کرنے اور ان اشیاء کی ترتیب دہی کا حکم صادر کیا۔ اس نے اپنے

خاص اعرام میں سے دو تین آدمیوں کو نامزد کیا کہ ہولا کو کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ تحائف پیش کر کے عذر خواہی کریں۔

دوات دار کو چک ۷۷ (صغیر) اور دوسرے اکابر دربار نے اب یہ کہا کہ وزیر نے یہ رائے اس لئے دی ہے کہ ہولا کو سے اپنے معاملات درست کرے اور ہمیں لشکریوں اور اکابر کو ترکوں ۸۷ (منگولوں) کے حوالے کر دے تاکہ وہ ہم سب کو جان سے مار ڈالیں۔ اس لئے ہم خود اس پر نظر رکھیں گے کہ جب مال و اسباب لے کر یہ لوگ شہر (بغداد) سے باہر جائیں تو قاصدوں کو پکڑ لیں اور اموال و تحائف کو ہولا کو کی خدمت میں اپنے آدمیوں کے ذریعہ روانہ کریں، یوں ہم اپنا کام بنالیں اور اپنے مخالف (وزیر) کے حامی اعرام کو بلاع و عذاب میں مبتلا کر دیں۔ جب خلیفہ کو اس بات کا پتا چلا تو اس نے مال و اسباب کی ترسیل اور قاصدوں کی روانگی ملتوی کر دی اور اس کے بجائے نہایت معمولی تھوڑا سا تحفہ بھیج دیا۔ (جب یہ تحفہ منگولی دربار میں پہنچا تو) ہولا کو کو اس پر سخت غصہ آیا اور حکم صادر کیا کہ خلیفہ خود (ہماری خدمت میں) حاضر ہو۔ اور اگر خود نہ آ سکے تو تین آدمیوں۔ وزیر دوات دار کو چک اور سلیمان شاہ ۹۷ میں سے کسی ایک کو بھیجے۔ خلیفہ نے اس میں سے کسی بات پر عمل نہ کیا اور معذرت کر لی۔ اس سے بادشاہ (ہولا کو) کا غصہ اور بڑھ گیا اور اس نے بغداد کی جانب پیش قدمی و لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا۔ اس دوران کئی بار سفراء آئے گئے (چند کرت درنگی پیامد و برقت ۱۰۷) اور ایک بار محی الدین ۱۱۷ کے صاحب زادہ ابن الجوزی کو قاصد بنا کر ہولا کو کی خدمت میں بھیجا گیا۔ لیکن ان باتوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

بادشاہ (ہولا کو) نے ہمدان کے علاقے سے شوال ۶۵۵ھ میں پیش قدمی شروع کی۔ فوج کے مہمندانہ پر سو غونچاق نویان ۱۲ (نویں) (دس ہزار سپاہ کا کمان دار) اور بایجو نویان (نویں) ۱۳ شہر زور اور دقوق کے کوہستانی راستہ سے اربل جانے والی شاہراہ پر مقدمۃ العیش کے بطور روانہ ہوئے اور میسرہ پر کتبہ قانویان ۱۳ (نویں) اور انکیا نویان ۱۵ (نویں) کریت اور بیات کے راستہ سے آگے روانہ ہوئے۔ قلب فوج میں خور بادشاہ (ہولا کو) موجود تھا۔ اس نے کمان شاہان و حلوان کی راہ سے کوچ کیا۔ بغداد سے دو اتد کو چک (صغیر) فوج کے ساتھ آگے بڑھا اور یعقوبہ ۱۶ (باجسری) کے درمیان نہروالی ۱۸ کے کنارہ پڑاؤ کیا۔

بادشاہ (ہولا کو) نے بایجو کو حکم دیا تھا کہ دریائے دجلہ سے پار اتر کر مغربی سمت ہے بغداد میں داخل ہو۔ بادشاہ نے حلوان پہنچ کر ساز و سامان وہیں چھوڑ دیا۔ (بنا آنجا رہا کرو) اور وہاں سے سواروں کے ساتھ جریدہ روانہ ہوا۔ اس اثناء میں منگولوں کے بڑک

(ہراول) نے خلیفہ کے ایک امیر) ایک حلبی کو گرفتار کر کے (ہولا کو کے) سامنے پیش کیا۔ اس نے سچ بات بتانے کا اقرار کیا اس لئے اسے امان دے کر ہراول دستے میں شامل کر لیا گیا (وہ منگولوں کی فوج کا رہنما بن گیا اور لشکر کے آگے آگے رہ نمائی کرتا ہوا چلا۔ ۱۹) خوارزم شاہیوں کی نسل کا ایک شاہ زادہ (جوق سلطان) بھی منگولوں کے یرک (ہراول دستہ) میں موجود تھا۔ اس نے خلیفہ کے لشکریوں کو خط لکھا کہ ہم اور تم ایک ہی جنس سے ہیں میں نے منگولوں کی اطاعت قبول کر کے ان کی ماتحتی اختیار کر لی ہے یہ لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ تم لوگ بھی اپنی جان پر رحم کھاؤ، ان کے مطیع ہو جاؤ تاکہ (ان کے مظالم سے) نجات پا جاؤ۔“ اس نے یہ خط قراستغور ۲۰ (نامی بغدادی امیر) کے نام لکھا تھا۔ وہاں سے اس کا جواب آیا کہ ”ہولا کو کیا مال ہے (ہولا کو راجہ محل باشد) کہ بنو عباس کے ساتھ جنگ کی نیت سے پیش قدمی کرے کیونکہ اس دولت (حکومت و خلافت) نے اس جیسے بہترے دیکھے ہیں۔ اگر وہ صلح کا خواہاں ہوتا تو یہاں تک دھاوے مارتا نہ آتا اور خلیفہ کی مملکت کو تس تس نہ کرتا۔ اب بھی اگر وہ ہمدان لوٹ جائے اور عذر خرابی کرے تو میں دوات دار کو چک (صغیر) سے سفارش کر سکتا ہوں کہ وہ خلیفہ کو صلح پر راضی کر دے۔“ جب یہ خط بادشاہ ہولا کو کے پاس پہنچا تو وہ ہنسا اور کہا کہ ”اللہ ہی کا حکم ہے اور جو اس کی مرضی ہوگی وہی ہوگا۔“

جب سوغونجاہ اور بابجنو نے دریائے دجلہ پار کر لیا تو اہل بغداد کو ان کا پتہ چلا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ لشکر ہلا کو بادشاہ کا ہے جو اصل راستے سے ہٹ کر اس طرف مڑ گیا ہے۔ چنانچہ دوات دار نے ہتھیار سے لشکر کا پڑاؤ اٹھالیا دجلہ پار کر کے بغداد آیا اور وہاں سے دجلہ کو مغربی سمت میں کاٹ کر انبار پہنچ گیا۔ جہاں اس کا مقابلہ سوغونجاہ سے ہوا جو منگولوں کی فوج کا مقدمہ تھا۔ دوات دار نے سوغونجاہ کے لشکر کو شکست دیکر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جب یہ بھگوڑے منگول بابجنوین کی فوج کے قریب پہنچے تو اس نے پلٹ کر دوات دار پر حملہ کیا اسے شکست دیدی اور بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو جان سے مار ڈالا۔ یہ شکست خورہ سپاہ بغداد لوٹ آئی۔ (اسی دوران) بادشاہ ہولا کو سر دیالی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہاں بغدادیوں نے کوئی کشتی نہ چھوڑی تھی سو اس نے پانی میں گھوڑے ڈال دیئے اور بغداد کے دروازے پر آکر رکا۔ یہاں سے اس نے بو قاتیجور کو بغداد کی مغربی سمت کی جانب روانہ کیا۔ بادشاہ نے مستصف (۱۵) عرم ۶۵۶ھ کو بغداد کے دروازے پر پڑاؤ کیا۔ اس نے حکم دیا کہ بغداد کے گرد گردوار تعمیر کریں جسے ان کی اصطلاح میں چپر کہتے ہیں۔ ۲۸ ایک رات

دن میں اس جانب (جانب شرقی) سے بادشاہ (ہولاکو) کے لشکر نے اور بوقا تیمور، سوغونجاک دباچونین نے مغربی جانب سے ایک بلند دیوار تعمیر کر دی اور شہر کی جانب سے اندرونی دیوار میں ایک بڑی خندق بنا کر انہوں نے اس میں منجیق (قلعہ شکن سنگی آلات و اوتاپ) نصب کیں اور جنگ کا ڈول ڈالا۔

خلیفہ نے صاحب دیوان (نجر الدین) ۲۲۰ ابو طالب احمد بن دامغانی اور ابن ۲۳۰ درنوس (نجم الدین الحامص عبدالغنی) کو تھوڑا سا تحفہ دے کر ہولاکو کے پاس روانہ کیا کیونکہ اسے اس کے امراء نے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ اگر بڑا تحفہ بھیجا گیا تو منگول کہیں گے کہ یہ لوگ نہایت خوف زدہ ہیں اس لئے تھوڑے سے تحفہ پر ہی اکتفا کرنا چاہئے۔ (جب یہ سفارت پہنچی تو) بادشاہ نے فرمایا کہ دوات دار (صغیر) اور سلیمان شاہ کیوں نہ آئے؟ خلیفہ نے جواب بھیجا کہ بادشاہ نے فرمایا تھا کہ وریر، دوات دار یا سلیمان شاہ میں سے کوئی ایک باہر آکر اس کی خدمت میں باریاب ہو، سو میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور وزیر کو ۲۳۰ جو ان میں سب سے بڑا تھا بادشاہ کے ہاں بھیج دیا اب بادشاہ کو بھی چاہئے کہ اپنی بات پر قائم رہے اور ان دونوں (دوات دار اور سلیمان شاہ) کو طلب نہ کرے۔ بادشاہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ بات تو میں نے اس وقت کہی تھی جب میں ہمدان میں تھا اب میں بغداد کے دروازے پر مقیم ہوں اور یہ سارے واقعات گزر چکے ہیں میں صرف ایک پر کیسے قاعدت کروں، ان تینوں کو روانہ کرنا ضروری ہے۔

مختصر یہ کہ جب لڑائی کا سلسلہ شروع ہو گیا تو بادشاہ (ہولاکو) خود شہر کی مشرقی سمت میں برج نجم ۲۵۰ کے مقابل پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کیت بوقا کا لشکر اس جگہ قوس (حیر کمان) سے جنگ کرتا تھا (ولشکر کیت بوقا آنجا بقوس جنگ می کروند) بلغای مستثنائی شہر کے دائیں جانب تھے، بوقا تیمور نے مغربی سمت میں اس جگہ سے جہاں بارغ قتل ہے اور سوغونجاک و دباچونین نے اس جانب سے جہاں پیارستان عضدی ۲۶۰ ہے جنگ کا آغاز کیا۔ ۲۲ محرم ۶۵۶ھ سے چھ رات دن سخت لڑائی ہوئی (اس موقع پر بادشاہ ہولاکو) کے حکم سے یہ فرمان لکھ کر کہ ”ساوات“ دانشمندوں اور نصاریٰ کے علماء و عوام، مشائخ اور ان لوگوں کو جو ہمارے ساتھ جنگ نہ کریں ہماری جانب سے امان دی جاتی ہے۔“ تیمور میں لپیٹ کر شہر میں چھ سمتوں سے پھکوا یا گیا۔ مختصر یہ کہ ان لوگوں سے رات دن گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ یہاں تک کہ ۲۸ محرم کو پوچھتے ہی (منگولوں کا) لشکر (شہر نہا کی) دیوار تک جا پہنچا۔ سب سے پہلے منگولوں نے برج نجم پر بلہ بولا اور اس جانب سے شہر نہا پر چڑھ گئے انہوں نے مدافعین کو پیچھے دھکیلتے ہوئے نماز پیشین

(نماز ظہر) تک اس فسیل کو بغدادیوں سے چھین لیا (یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ) محاصرہ کے دوران بغداد کی مشرقی و مغربی (ستوں میں) دیوار تعمیر کرتے وقت بادشاہ (ہولاکو) نے حکم دیا تھا کہ بغداد کے نشیبی و بالائی حصوں کی کشتیوں کو پکڑ کر تمام پلوں کو بند کر دیا جائے اور منجیق و نلفظ (آتش زنی) کے آلات سے مسلح دیدبانان پر مقرر کر دیئے جائیں۔ جب لڑائی کا زور بڑھا تھا تو دوات دار نے یہ چاہا تھا کہ کشتی میں بیٹھ کر نشیبی جانب بھاگ جائے منگولوں کو اس بات کا پتہ چل گیا تھا (اسی خن بھولان رسیدہ بود) انہوں نے منجیق اور تیر چلائے تھے جس سے دوات دار بھاگ کر واپس بغداد چلا گیا تھا۔ منگولوں نے اس کی تین کشتیاں چھین لی تھیں، ان میں سوار آدمیوں کو مار ڈالا تھا اور ان کے ہتھیار (ہولاکو) کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ (اس وارد گیر میں) علویوں کا نقیب بھی مارا گیا تھا۔ جب (منگولوں نے) فسیل پر قبضہ کر لیا تو بادشاہ (ہولاکو) نے حکم دیا کہ اہل شہر اس کو سہارا کریں۔ (اس کے بعد) قاصدوں کی آمد و رفت شروع ہوئی بادشاہ نے حکم دیا کہ دوات دار اور سلیمان شاہ شہر سے باہر آئیں، خلیفہ چاہے تو باہر آئے اور اگر نہ چاہے تو نہ آئے۔ خلیفہ نے اپنے منجیلے ۲۷۰ بیٹے کو دوات دار اور سلیمان شاہ کے ہمراہ باہر (ہولاکو کی خدمت میں) بھیجا۔ (ہولاکو کے حکم سے) دوات دار واپس بغداد گیا اور (ہولاکو نے) سلیمان شاہ سے کہا کہ (بغداد کے) بہت سارے سپاہی ہمارے ساتھ آٹے ہیں تم شہر میں واپس جا کر اپنے آدمیوں کو باہر لاؤ (جب یہ سب شہر سے نکل کر ہولاکو کے معسکو میں آگئے تو) دوسرے دن ان کا کام تمام کر دیا گیا (اس دوران) شہر کے باشندوں نے شرف الدین مراغی اور شہاب الدین زنگانی کو ۲۹۰ کو ہولاکو کی خدمت میں بھیج کر امان چاہی۔ اس کے بعد جب خلیفہ نے یہ دیکھا کہ بات بگڑ گئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا تو (ہولاکو سے) شہر سے باہر آنے کی اجازت مانگی۔ وہ ۴ مفر ۶۵۶ھ کو اپنے بیٹے اور خواص ائمہ و سادات و مشائخ کے ہمراہ شہر سے باہر آیا اور بادشاہ (ہولاکو) سے ملاقات کی۔ اسے منگولوں نے کھوازی ۳۰۰ کے دروازے (کے قریب) شرایا۔ اس کے بعد (ہولاکو) کے حکم سے شہر کو لوٹا گیا۔ بادشاہ (ہولاکو) خلیفہ کے مطالعہ خانہ میں گیا ہر سمت گھوم پھر کر اس کا معائنہ کیا پھر (اس کے حکم سے) خلیفہ کو حاضر کیا گیا خلیفہ نے نذرانے پیش کئے جو کچھ لایا گیا بادشاہ نے اسی وقت اپنے خواص، امراء، لشکریوں اور حاضرین میں تقسیم کر دیا۔ اور سونے سے بھرا ہوا ایک طباق خلیفہ کے سامنے رکھا کہ اسے کھاؤ۔ خلیفہ نے کہا اسے کیسے کھایا جاسکتا ہے اس پر ہولاکو بولا کہ پھر تو نے اسے کیوں حفاظت سے رکھ چھوڑا تھا۔ اسے لشکریوں کو کیوں نہ دیدیا اور جو یہ لوہے کے دروازے ہیں ان کے پیکان کیوں نہ بنائے

اور دریائے جیحون کے کنارے اگر (میرا راستہ کیوں نہ روکا) تاکہ میں اس کے پار نہ اتر سکتا؟“ خلیفہ نے اس کے جواب میں کہا کہ خدا کی تقدیر (حکم) یہی تھی۔ ہولا کو نے کہا کہ جو کچھ تجھ پر گزرے گی وہ بھی تقدیر خدا (خدا کا حکم) ہی ہوگی۔ رات کے وقت (ہولا کو) یہاں سے واپس (اپنے معسکوں میں بیرون شر) چلا گیا اور خلیفہ کو حکم دیا کہ وہ عورتیں جو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ساتھ وابستہ ہیں (بیوستہ امم) انہیں (اس کے معسکوں) میں لایا جائے۔ لوگ (منگول) خلیفہ کے محل سرا میں گھس گئے (وہاں) سات سو عورتیں اور تیرہ سو خدام تھے۔ (انہیں پکڑ لیا گیا) اور ان کے علاوہ دوسروں کو متفرق و منتشر کر دیا گیا جب منگول شہر کو ایک ہفتہ تک جی بھر کر لوٹ چکے تو (باقی ماندہ) شہریوں کو امان دے دی گئی۔ ۳۱-۳۲ صفر ۶۵۶ھ) کو بادشاہ (ہولا کو) نے شہر کے دروازے سے کوچ کیا اور خلیفہ کو بلوا بھیجا (منگول) خلیفہ کو بغداد کے قریب ایک گاؤں ۳۲- میں ہولا کو کے پاس لائے) بعد ازاں اس کے مٹھلے بیٹے کو پانچ چھ خدام کے ساتھ وہاں لائے۔ اسی دن اسی (گاؤں) میں (خلیفہ کا) اس کے مٹھلے بیٹے کے ساتھ کام تمام کر دیا گیا۔ دوسرے دن اس کے بڑے بیٹے اور اس کے ساتھ کے لوگوں کا کلواڑی کے دروازے پر خاتمہ کر دیا گیا۔ ۳۳ اور (حرم سرائے خلیفہ کی) عورتوں اور خادموں کو آہن میں بانٹ لیا گیا۔

بادشاہ (ہولا کو) نے اس جگہ سے دوسرے دن کوچ کیا اور وزیر، صاحب دیوان اور ابن درنوسی کو بغداد واپس روانہ کر دیا گیا۔ اس نے وزیر کو منصب وزارت پر، صاحب دیوان کو اس کے عمدہ صاحب دیوانی پر اور ابن درنوسی کو اوزان ۳۴ کی سربراہی پر اور اکتوبر ۳۵ ہمار کو شہر کی کوتوالی (شعننگی) پر مامور کیا۔ اس نے روانگی کے وقت یہ حکم دیا کہ بغداد کو (پھر سے) آباد کریں، کشتوں کی لاشوں اور مردہ چوپایوں کے ڈھانچوں کو اٹھا کر پھینکوائیں اور بازاروں کو بسائیں۔ یہاں سے بادشاہ کامیاب و فتح مند ۳۶ سیاہ کوہ کے مقام پر آکر خیمہ زن ہوا (بادشاہ ہمسار کی مظفر و منصور بایاہ کوہ آمد) اور بوقا تیمور کو حلد واسط کا گورنار مقرر کیا۔ حلد والے پہلے ہی ہولا کو کے مطیع ہو چکے تھے۔ ۳۷ جب بوقا تیمور وہاں پہنچا تو ان کی جانچ کی۔ پھر وہاں سے واسط ۳۸ آیا یہاں ایک ہفتہ تک قتل و غارت گری کرتا رہا۔ پھر وہ (واسط سے) لوٹ کر ششتو آیا۔ وہ اہل شہر کی اطاعت پذیری کے خیال سے شرف الدین ابن الجوزی کو اپنے ہمراہ لے گیا مگر ششتو کے باشندوں نے اطاعت قبول نہ کی اور منگولوں سے ان کا مقابلہ ہوا) اور (یہاں کے) فوجی اور ترکوں میں سے کچھ تو بھاگ گئے، کچھ مارے گئے اور جو زندہ بچے وہ منگولوں کے مطیع ہو گئے۔ ۳۹ کوفہ و بصرہ پر چڑھائی کی غرض سے کوئی لشکر نہ گیا کیونکہ بے لڑے بھڑے وہاں کے لوگ (منگولوں کے مطیع ہو گئے تھے۔ ۴۰ و ۴۱

”حواشی“

اس ذیل کے عنوانات تلف مخطوطات میں مختلف ہیں، میں نے نسخہ کتابخانہ ملی پیرس و نسخہ ایڈریا آفس لندن کے عنوان کو سرنامہ قرار دیا ہے کہ وہ بایں عنوان ہے ”کیفیت واقعہ بغداد از نسخہ مرحوم افضل العالم استاد البشیر نصیر الحق والدین محمد بن محمد الطوسی رحمہ اللہ“ مگر نسخہ ملکیتی آقا علی محمد بن عبد الوہاب قزوینی میں اس ذیل کا عنوان یوں ہے ”کیفیت فتح بغداد و واقعہ مستعصم خلیفہ و قتل و نہب آنجا مقتول از نسخہ مرحوم سعید ملغور الحکماء استاد البشیر خواجہ نصیر الملک و الحق والدین محمد بن محمد الطوسی علیہ الرحمۃ“ یہ عنوان نمکبی بن مسعود بن محمد بن مسعود کی تاریخ میں جس کا قلمی نسخہ کتابخانہ ملی پیرس میں موجود ہے یوں ہے ”در ذکر توجہ ہلاکو خان و وقائع کہ بر خلیفہ مستعصم و اتباع اود اہل بغداد واقع گشت مقتول از ترجمہ جہاں کشای مقتولہ از نسخہ ملک الحکماء خواجہ نصیر الدین محمد بن محمد الطوسی نور قزو“

۲۔ ہلاکو خان منگول حکمران تولوی خان کا چوتھا بیٹا تھا اور یہ تولوی خان چنگیز خان کا پسر چہارم تھا۔ ۶۵۵ھ میں پیدا ہوا۔ ۶۵۰ھ میں اس کے بھائی منگوقاآن نے اسے بلاد غریبہ یعنی ایران، عراق، شام، مصر، روم و آرمینیا کی حکومت عطا کی اور اس خطے کے غیر مفتوح علاقوں کی تسخیر کا کام اس کے سپرد کیا، اس نے مراغہ کو اپنا مستقر بنایا، ملاحظہ و اسماعیلیہ کے قلعوں کو فتح کر کے ۶۵۳ھ میں ان کے امام رکن الدین خورشاہ کو زیر کیا مگر امان دینے کے باوجود منگوقاآن کے حکم سے خورشاہ کو مع اہل خاندان قتل کر دیا گیا۔ ۶۵۶ھ میں یہی حال بغداد کا ہوا اور دارا اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ اس کے بعد ہلاکو خان کی سپاہ نے حلب و شام کے میدان مارے لیکن مصر میں پیش قدمی کے دوران مملوک سلطان قطز نے فلسطین میں عین جالوت کے مقام پر ۶۵۸ھ میں اس کے سپہ سالار کیت بوقا کو عبرت ناک شکست دے کر مار ڈالا، ہزاروں منگول مارے گئے اور شام کے علاقے ان کے تصرف سے نکل گئے۔ اس زمانے میں ہلاکو کی اپنے عمر زاد برکاتی خان سے کہ رئیس دشت قبچاق تھار خاش ہوئی اور وہ داخلی تنازعات میں الجھ گیا۔ ہلاکو کی بیوی دو قوز خاتون قوم کراہیت سے تعلق رکھتی تھی اور مذہباً عیسائی تھی، اس کے اثر سے ہلاکو کے زمانے میں عیسائیوں کو بڑا عروج ہوا۔ تمام ممالک مفتوحہ میں نئے نئے گرجا تعمیر کئے گئے اور چونکہ یہ خاتون ہلاکو کو اس کے باپ تولوی خان سے ملی تھی اس لئے اور بھی مقتدر تھی منگوقاآن نے ہلاکو کو اس سے ہر معاملہ میں مشورہ

لینے کی تاکید کی تھی، حکومت کے امور میں اس کا بڑا عمل دخل تھا، ہلاکو ۴۸ سال کی عمر میں مراغہ کے قریب ۶۳۳ھ میں ہلاک ہو گیا اور کوہ شاہو کے قریب دفن کیا گیا (مزید مطالعہ کے لئے جہاں کشای، جامع التواریخ اور وصاف وغیرہ کتب سے رجوع کریں۔

۳۔ ملاحظہ سے اسماعیلیہ مشرق یا حسن بن صباح کے پیرو مراد ہیں۔ مشرق میں ان کی حکومت ۷۷۷ھ میں کہ لفظ الموت کے اعداد بھی ملتی ہیں، شروع ہوئی اور ۷۵۳ھ میں ہلاکو کے ہاتھوں ان کا پیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ ان کے حکمرانوں کی تعداد سات ہے جو الموت کے مرکز سے دنیائے اسلام میں ۷۷۷ سال تک قتل، غارت گری و انتشار کے بانی مہمانی تھے۔ ملاحظہ پر ہلاکو کے حملوں اور ان کی جہاں میں خواجہ نصیر الدین طوسی کا بھی ہاتھ ہے کہ وہ شروع شروع انہیں کے دربار سے وابستہ تھے اور بعد میں ہلاکو کی ناک کے بال بن گئے تھے۔ انہوں نے ملاحظہ کی تاریخی پر جو قطعہ تاریخ لکھا تھا اسے جامع التواریخ سے نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا فرماتے ہیں۔

سال عرب چوہشص و پن جاہ و چار شد
ہکشنبہ اول مہ ذی القعدہ بامداد
خور شاہ پادشاہ اسماعیلیں ز تخت
برخاست و پیش تخت ہلاکو باہستاد

(مزید مطالعہ کی غرض سے جہاں کشای جوینی جلد سوم، جامع التواریخ رشید الدین جلد سوم، تاریخ وصاف اور قدیم ناخندہ سے رجوع کریں۔)

۴۔ خواجہ کے اس بیان کی تائید جامع التواریخ سے نہیں ہوتی کہ ہلاکو نے ملاحظہ پر حملے کے وقت خلیفہ سے مدد طلب کی تھی۔ البتہ ملاحظہ کی بربادی کے بعد ہوران سے طویل مراسلت کا سلسلہ فریقین میں ضرور شروع ہوا اور اپنے خطوط میں ہلاکو نے وزیر، دو اتدار اور سلیمان شاہ کی حاضری کا اس غرض سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ خلیفہ تک اس کی بات صحیح صحیح پہنچادیں اور خلیفہ اس کا مطلع ہو جائے، خواجہ کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل بحث ان تین امراء میں سے کسی ایک کے ہوران بھیجنے سے متعلق تھی، حالانکہ اصل مسئلہ خلیفہ کی اطاعت، بغداد کی فصولوں کا انہدام اور سپاہ کا علیحدہ کر دینا تھا۔ (مزید تفصیل کے لئے جامع التواریخ جلد سوم صفحات ۳۹ بعد کا مطالعہ مفید ہو گا۔ خواجہ کی اختصار پسندی نے بعض واقعات میں الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔)

۵۔ مویذ الدین ابوطالب محمد بن احمد عظیمی ادب، کتابت و مراسلہ نگاری میں ممتاز تھا،

کتابوں کا شوقین تھا اور اس کا نجی کتب خانہ دس ہزار کتابوں پر مشتمل تھا وہ علماء کی سرپرستی کے لئے بھی شہرت رکھتا تھا اور ابن ابی الحدید سے بیخ ابلاختہ کی صمیم شرح اسی نے لکھوائی تھی۔ آخری عباسی خلیفہ المستعصم باللہ نے اپنے باپ کے وزیر نصیر الدین احمد کے انتقال کے بعد اسے وزارت کے منصب پر فائز کیا اور وہ انتزاع خلافت عباسیہ تک اس عہدہ پر بنا رہا۔ خلیفہ کی شہادت اور اس کے خاندان کی تباہی کے بعد بھی ابن العلقمی ۲ جمادی الآخرہ ۶۵۶ھ یعنی سقوط خلافت کے چار ماہ بعد اپنی موت تک منگولوں کی جانب سے بغداد کا وزیر رہا، اس کی موت کے بعد یہ منصب اس کے بیٹے شرف الدین ابو القاسم کو عطاء کیا گیا۔ بغداد پر ہلاکو کے قبضے کے بعد جب شہر میں آگ اور خون کا کھیل کھیلنا جا رہا تھا ابن العلقمی پر عباسی عہد کے مورخین غداری کا الزام لگاتے ہیں کہ وہ درپردہ ہلاکو سے ملا ہوا تھا اور خلیفہ کی باتوں سے اسے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے بغداد کی سپاہ کو منتشر کرایا تھا۔ اپنے غلط مشوروں سے خلیفہ کو تاریکی میں رکھا اور بغداد پر ہلاکو کو آسانی سے قابض کرا دیا، اس کے بعد اس نے اہل بغداد کے قتل عام میں حصہ لیا اور خلیفہ کو بھی مروانے میں اس کا مشورہ شامل تھا۔ ابن خلدون نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ خلیفہ کی لاش پر بھی ابن العلقمی کو ترس نہ آیا اور اس نے اسے اپنے پاؤں سے روند کر دشمنی کی آگ بجھائی۔ ابن الطقطقی نے الفخوری میں ابن العلقمی کے خلاف اس الزام کا ذکر کیا ہے، مگر اس کی صحت سے اس بناء پر انکار کیا ہے کہ اگر وہ غدار ہوتا تو ہلاکو جیسا شخص اس پر اعتماد کر کے اس کے درجات بلند نہ کرتا۔ ابن الطقطقی کی یہ دلیل عجیب ہے کہ جو بات الزام کے ثبوت میں پیش کی جا رہی ہے اسی سے وہ الزام کی تردید کرنی چاہتا ہے۔ یہ اعتماد جو ابن العلقمی پر ہلاکو کو تھا وہ اس کی وفاداری و خلافت کے خلاف سازش کا ثمرہ ہی تو تھا، منگولوں کے مورخ رشید الدین کو اس امر کا اقرار ہے کہ خواجہ طوسی نے ہلاکو کو خلیفہ کے قتل اور بنو عباس کی بربادی کا مشورہ دیا تھا۔ ابن الطقطقی نے بھی خواجہ کا نام لئے بغیر اس کا اعتراف کیا ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ وزیر اور خواجہ میں گہری چھٹی تھی اور دوران محاصرہ ان کی طویل ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں۔ بغداد کے امراء بھی شہر کی تباہی سے کم از کم دو سال پہلے یعنی ۶۵۳ھ میں بھی ابن العلقمی پر ہلاکو سے ساز باز اور منگولوں کے لئے جاسوسی کرنے کا الزام لگاتے تھے اور رشید الدین نے بھی اس کا جا بجا ذکر کیا ہے۔ خواجہ بھی دہلی زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں، اسی لئے ابن العلقمی پر خلافت کی تباہی، بغداد کی بربادی اور مسلمانوں کے قتل عام کی سازش کا الزام درست معلوم ہوتا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے الفخوری ص ۱۰۲، ۲۳۹ جامع التواریخ ۲ : ۳۹)

۳۱۴۰ و بعد ابن خلدون پر موقع ووصاف وغیر ذلک)

۶۔ ذیل کے تینوں نسخوں میں ”استران“ بمعنی ٹھچر ہے۔ مگر ذیل کے عربی ترجمہ یعنی ابن العبروی کی مختصر الدول میں اس کا ترجمہ ”البغل والجمال“ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن العبروی کے مطالعہ میں جو نسخہ ہو گا اس میں یہ لفظ بے نقط ہو گا یعنی ”اسراں“ اس لئے اس نے اس لفظ کو ”استران“ (یعنی الجمال والبغل یعنی اونٹ اور ٹھچر سمجھا۔ میں نے بھی ترجمہ میں ابن العبروی کی محتاط روش کی پیروی کی ہے۔

۷۔ امیر الحاج، مقدم العجوش مجاہد الدین ابو الیاس من ایک المستنصری معروف بہ دوات دار صغیرا کو چک ابتداء میں خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے خواص وابستگان میں تھا۔ مستنصر باللہ کے عہد خلافت میں ترقی کر کے اس کی خلافت کے اہم اشخاص اور ارکان دولت میں محسوب ہو۔ ۶۳۲ھ میں موصل کے حکمران بدر الدین لولہ کی صاحبزادی اس کے حوالہ نکاح میں آئی، بغداد میں منگولوں کی چڑھائی کے دوران اس نے ہڈی بہادری سے شہر کا دفاع کیا اور ہلاکو کی دست برد سے خلیفہ کو محفوظ رکھنے میں سردھڑکی بازی لگا دی، ۵ صفر ۶۵۶ھ میں ہلاکو کے حکم سے شہید کر دیا گیا، اس کی یادگار ایک بیٹا جلال الدین نامی تھا جسے منگول اپنے ساتھ لے گئے اور انہیں کی نگرانی میں اس کی پرورش ہوئی مگر وہ ان وحشیوں کی قید سے بھاگنے کی کھات میں لگا رہا۔ آخر ۶۷۳ھ میں مشہد امام حسین کی زیارت کے بہانے اپنے متعلقین کے ساتھ بغداد سے نکلا اور بھاگ کر شام چلا گیا۔ جہاں ممالک مصر کی عمل داری تھی (دوات دار صغیر کے حالات کے لئے جامع التواریخ، طبقات ناصری، وصاف، الفخوری، تاریخ ابوالفداء اور سبکی کی طبقات الشافعیہ کا مطالعہ مزید معلومات کے لئے مفید ہو گا۔)

۸۔ خواجہ طوسی نے یہاں ”ترکان“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ترکوں سے مراد منگول ہیں کیونکہ شروع شروع لوگ منگولوں کو ترکوں ہی کا ایک گروہ سمجھتے تھے اور ان دو قوموں میں فرق انہیں معلوم نہ تھا ابن العبروی کی مختصر الدل مطبوعہ بیروت ۱۸۹۰ء میں فارسی عبارت کا جو ترجمہ ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۹۔ شاہاب الدین سلیمان شاہ ابن بزم ترکوں کے مشہور قبیلہ ایوہ کا سردار تھا۔ اس کا قبیلہ کردستان درستان کے علاقے میں اقامت پذیر تھا۔ سلیمان شاہ کردستان کا حاکم تھا اور اس کا مقرر قلعہ ہمار یاد ہار تھا۔ اسے اس خطہ کی سیاست میں بڑا دخل رہا ہے اور ۶۸۰ھ تا ۶۸۲ھ کے اہم واقعات میں اس کا ذکر بار بار آیا ہے۔ سلطان جلال الدین منگوبنی سے بھی

اس کے تعلقات رہے ہیں اور سلطان سے ۳۳۱ھ میں اس کی بیٹی کا نکاح بھی ہوا خلیفہ المستنصر کے دور میں اس کی اہمیت بڑھی اور قرب و جوار کے امراء و حکام کے ساتھ اس کے تعلقات مصاہرت مستحکم ہوئے اپنی عمر کے آخری بیس سالوں میں وہ بغداد ہی میں رہا اور وہاں کی سیاست میں اسے اہم مقام حاصل رہا۔ خلیفہ المستنصر کے ارکان دولت میں اس کا مرتبہ نہایت بلند تھا اس لئے ہلاکو اسے گرفتار یا مطیع بنانے کی غرض سے اس کی حاضری کا بار بار مطالبہ کرتا رہا تاکہ اس کے ہتھے ہی خلیفہ کی قوت ٹوٹ جائے۔ آخر بغداد کے سقوط کے بعد دوات دار صغیر کے ہمراہ حسب الطلب ہلاکو کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بڑی آؤ بھگت کی اور حکم دیا کہ شہر میں جا کر اپنے اہل و عیال و متعلقین کو لے کر معسکو شہابی میں آئے۔ یہ دونوں مطمئن ہو کر واپس بغداد گئے اور جب اپنے آدمیوں کے ہمراہ ہلاکو کے لشکر میں واپس آئے تو روز جمعہ صفر ۶۵۶ھ کو انہیں شہید کر دیا گیا۔ سلیمان شاہ کے ساتھ اس کے تمام متعلقین کو مروا دیا گیا۔ سلیمان شاہ عالم فاضل اور فارسی کا اچھا شاعر تھا۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے۔ راوندی کی راحتہ الصدور، ابن کثیر کی تاریخ، نسوی کی سیرۃ جلال الدین منکبونی، جوینی کی جہاں گشاہی، منہاج کی طبقات ناصری، جامع التواریخ ووصاف)

۱۰۔ اور کئی، کا لفظ مختلف نسخوں میں مختلف املا سے لکھا گیا ہے اور یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ صحیح لفظ کیا ہے۔

۱۱۔ یہ صاحب مشہور محدث، مورخ، واعظ و مصنف شیخ جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ کے پوتے اور محی الدین ابو محمد یوسف مقتول ۶۵۶ھ کے بیٹے ہیں۔ ان کے والد محی الدین خلیفہ المستنصر کے استاذ واریجینی خلیفہ کے ذاتی آمد و خرچ کے نگران اور اس کے حساب کتاب کے ذمہ دار یا عہد حاضر کی اصطلاح میں ناظر تھے اور ساتھ ہی مدرسہ مستنصریہ میں فقہ حنبلی کی تدریس اور بغداد میں شعبہ احتساب سے بھی وابستہ تھے۔ یہ خلیفہ کے سفیر و نمائندہ کی حیثیت سے بھی سلاطین و امراء کے درباروں میں جاتے رہتے تھے۔ ۳ ذی القعدہ ۵۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد کے سقوط کے وقت اپنے اہل خاندان کے ساتھ ۶۵۶ھ کے اوائل میں شہید ہوئے ان کے بیٹے شرف الدین عبد اللہ ابن الجوزی جن کا خواجه طوسی کی تحریر میں ذکر ہے۔ مدرسہ بشیریہ میں مدرس اور بغداد میں منصب احتساب پر فائز تھے۔ ہلاکو کے ہاں خلیفہ کے سفیر کی حیثیت سے کئی بار گئے اور بغداد کے محاصرہ کے دوران منگول سردار یو قاتیمور کے ساتھ شہر اور خوزستان بھیجے گئے تاکہ وہاں کے لوگوں سے منگولوں کے آگے ہتھیار ڈلا دیں وہ بغداد کے سقوط کے ایک ماہ بعد شہر

میں واپس آئے مگر بعض مورخین کا بیان ہے کہ وہ بغداد کے قتل عام میں شہید ہوئے۔
 ہر کیف خواجہ طوسی جو فتح بغداد کے وقت موجود اور واقعہ کے عینی شاہد ہیں ان کا بیان
 دوسروں سے زیادہ معتبر ہے انہیں شرف الدین عبداللہ ابن الجوزی کے ایک اور بھائی جمال
 الدین ابو الفرج عبدالرحمان بن محی الدین یوسف بن جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمان بن
 الجوزی الکبیر تھے۔ یہ بھی مدرسہ مستنصریہ بغداد کے مدرس، واعظ اور بغداد کے محاسب تھے
 واقعہ بغداد میں یہ بھی شہید ہوئے مشہور فارسی شاعر و نثر نگار شیخ سعدی شیرازی کے استاد بھی
 ہیں نہ کہ ان کے جد امجد جو انہیں کے ہم نام، ہم کنیت و لقب ہیں (مزید مطالعہ کی غرض سے
 الفخوری، جامع التواریخ، و مختصر طبقات حنابلہ سے رجوع کیجئے۔)

۳۰۔ سوغونجا، سوغونجا، مقنبلان نوین سدون نویان کا بیٹا اور منگولوں کے قبیلہ
 سدون سے تعلق رکھتا تھا۔ ہولاکو کے ہمراہ ۶۵۱ھ میں ایران آیا اور تمام جنگوں میں اس کے
 ساتھ رہا۔ ابا قاخان بن ہلاکو کے دور میں منصب نیابت خصوصاً "بلاد فارس و بغداد کی امارت
 پر فائز رہا، عطاء ملک جوینی اس کی نیابت میں بغداد کا حاکم تھا۔ وہ ارغون بن ابا قاخان کے عہد
 حکومت میں فوت ہوا۔ (جہاں گشائی، جامع التواریخ، و صاف و مختصر الدول میں اس کا ذکر
 کسی قدر تفصیل سے موجود ہے۔)

۳۱۔ بابجونوین منگولوں کے قبیلے بیوت سے تعلق رکھتا تھا اسے اوکتائی قاآن نے
 ۷۳۰ھ میں سلاجقتہ روم کے خلاف ہم پر روانہ کیا اس نے سلطان غیاث الدین محمد محمود
 ثانی کو ۷۳۱ھ میں شکست دے کر ممالک روم پر قبضہ کر لیا۔ ۷۵۰ھ میں جب ہلاکو نے بلاد غربی
 (ایران، عراق و شام) کی جانب پیش قدمی کی تو منگوقاآن کے حکم سے بابجو اس کی کمک پر بھیجا
 گیا۔ مگر ہلاکو نے اسے پھر بلاد روم کی کھل تسخیر کا حکم دے کر وہاں سے روانہ کر دیا۔ وہ یہاں
 سے ۷۵۳ھ یا ۷۵۵ھ میں فارغ ہو کر بغداد کی تسخیر میں شریک ہوا، اس کے بعد تسخیر شام کی
 ہم پر ہلاکو کے ہمراہ گیا۔ مگر بعد میں ہلاکو نے اسے قتل کروا دیا (مزید مطالعہ کی غرض سے ابن
 بی بی کا سلجوق نامہ، ابن العبری کی مختصر الدول اور رشید الدین کی جامع التواریخ سے رجوع
 کریں۔)

۳۲۔ کیت بو قانویاں کا تعلق قوم قایمان سے تھا۔ منگول بادشاہ منگوقاآن کے ہاں وہ
 منصب یاورچی گری پر فائز تھا۔ جب ہولاکو کو بلاد غربی بیجوں کی تسخیر و انصراف کی غرض سے
 روانہ کیا گیا تو کیت بو قان کو اس کے مقدمتہ الجیش کا افسر بنا کر جمادی الآخر ۷۵۰ھ میں ملاحدہ
 کے خلاف بھیجا گیا ملاحدہ کی شکست اور ان کے قلعوں کی پامالی میں اسے نمایاں مقام حاصل

ہوا، پھر بغداد کی فتح میں ہلاکو کے ساتھ رہا۔ بعد ازاں شام و حلب کے معرکوں میں شریک ہوا۔ ۶۵۸ھ میں مصر کے مملوک سلطان قطز کے خلاف معرکہ عین جالوت میں منگولوں کا قائد رہا اس معرکہ میں اسے شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کی ہلاکت کا ہلاکو کو بڑا صدمہ ہوا۔ (مزید مطالعہ کی غرض سے جہاں کشای، جامع التواریخ و وصاف سے رجوع کیجئے)

۱۵۔ انکیانویں۔ صحیح نام اہلکانوین ہے۔ مشہور منگول سردار تھا۔ ہلاکو کے اس دربار میں یہ شریک تھا جس میں بغداد کی فتح کی تجویز طے ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہمدان سے بغداد آنے والی فوج میں یہ بھی شامل تھا۔ کیت بوقا کی ہلاکت کے بعد اسے شام پر چڑھائی کے لئے بھیجا گیا مگر مصر کے سلطان بندوق داری کے مقابلہ سے کتر کر اہلکادیا روم چلا گیا اور وہاں سے دیار بکر کی سمت مڑ گیا۔ الغرض اہم معرکوں میں شریک رہا۔ ہلاکو کی ہلاکت کے بعد اس کے بیٹے اور جانشین ابا قاخاں کو رسم منگولی کے مطابق اسی نے آتش و شراب پیش کی اور باپ کی ہلاکت کی تفصیل بتائی۔

(جہاں کشای اور جامع التواریخ میں اس کے حالات جتہ جتہ بر موقع ملتے ہیں)

۱۶۔ یعقوبہ ایک مشہور قصبہ ہے جو بغداد سے خانقین جانے والی شاہراہ پر شمال مغربی سمت میں دس فرسنگ کے فاصلہ پر دریائے دیالی کے کنارے واقع ہے۔

(مجم البلدان، مرصد الاطلاع و نزہۃ القلوب)

۱۷۔ اباجسوئی یا ابجسوا ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کا اب پتہ نہیں چلتا۔ یہ بغداد کے شمال مشرق میں نو فرسنگ کے فاصلہ پر یعقوبہ کے جنوب میں دریائے دیالی کے کنارے آباد تھا۔

(مراجعہ مذکور الصد ر)

۱۸۔ دریائے دیالی یا دیالہ مشرقی وجلہ کی ایک مشہور شاخ ہے جو کردستان کے پہاڑوں سے نکل کر خانقین کے قریب سے گزرتی ہے اور بغداد کے مشرقی مضافات کو سیراب کرتی ہوئی اس کے جنوب میں ایک فرسنگ کے فاصلہ پر دریائے وجلہ سے مل جاتی ہے۔ اس دریا کو نہر تمارا نہر یعقوبہ اور آب نہوان بھی کہا گیا ہے۔

(بحوالہ مراجعہ حاشیہ نمبری ۱۷۴)

۱۹۔ عباسیوں کے طلایہ میں صرف ایک حلبی نہ تھا بلکہ ایک دوسرا امیر سیف الدین قلیج بھی تھا اور دونوں ہی گرفتار ہو کر ہلاکو کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ امیر سیف الدین قلیچ نے منگولوں کی اطاعت قبول نہ کی۔

(جامع التواریخ : ۲ : ۵۳)

۲۰۔ قراستغور کا تعلق دشت قبچاق سے تھا۔ وہ فوج بغداد کا افسر طلائیہ تھا۔ دوات دار صغیر اور یو قاتیمور کی جنگ میں قراستغور بغدادی فوج کے ایک حصہ کا امیر تھا اور اس نے بہادری سے لڑتے ہوئے جان دی۔ (جامع التواریخ جلد ۲ ص ۵۵)

۲۱۔ چہر، مطلق دیوار یا ایسی دیوار جو لکڑی اور بھونہ سے تیار کی جائے۔ (برہان قاطع)

۲۲۔ صاحب دیوان، فخر الدین ابوطالب احمد الدامغانی المستنصر اور المستعصم کے درباروں میں بڑا رودار امیر تھا۔ ۶۲۶ھ میں المستنصر کے ہاں سے سلطان جلال الدین منکبونی کے پاس جو سفارت گئی تھی اس میں فخر الدین بھی شامل تھا۔ ۶۳۳ھ میں وہ المستعصم کا صاحب دیوان مقرر ہوا اور حکومت کے مالی امور کا انصرام اسے تفویض ہوا۔ سقوط بغداد کے بعد ہلاکو نے اس کے منصب پر اسے برقرار رکھا بلکہ شہر میں قتل عام کے دوران اس کے گھر کو پناہ گاہ کی حیثیت حاصل رہی اور ہزاروں آدمیوں نے یہاں پناہ لے کر اپنی جان بچائی۔ ۶۵۷ھ میں حساب فحش کے لئے اسے ہلاکو نے طلب کیا اس کے دشمنوں نے ہلاکو تک یہ خبر پہنچائی کہ صاحب دیوان نے خلیفہ شہید کے ایک قریبی شخص کو جو دین کی جیل میں قید تھا خفیہ طور سے شام پہنچا دیا ہے۔ اس جرم کی پاداش میں اس پر بھاری جرمانہ لگا کر ارمیہ کے مقام اشنہ کے زندان خانہ میں قید کر دیا گیا۔ جہاں اس نے ۶۵ سال کی عمر میں جہاں فانی کو الوداع کہا۔ (مزید مطالعہ کے لئے جہاں کشای جلد سوم، مختصر الدول، حوادث الجامعہ و جامع التواریخ جلد سوم دیکھئے۔)

۲۳۔ عبدالغنی بن الدرنوس نجم الدین الحس۔ المستعصم کے مقریان خصوصی میں تھا۔ وہ ابتداء میں معمولی حیثیت کا آدمی تھا اور بغداد میں خشت پزی سے روزی کما تا تھا۔ المستنصر کے زمانے میں شاہی کبوتروں کے ایک برج کا نگران ہوا۔ المستعصم کے دور میں ترقی کر کے رئیس البراجین یعنی شاہی کبوتروں کا نگران اعلیٰ مقرر ہوا۔ پھر ترقی کے میدان مار تا ہوا حاجب دربار، نجم الدین الحس اور خلیفہ کی ناک کا بال ہو گیا۔ جملہ امور مال اس کے مشورے سے انجام پانے لگے اور ارکان خلافت و خلیفہ کے درمیان اس کی حیثیت واسطہ کی ہو گئی کہ اسے بیچ میں ڈالے بغیر خلیفہ سے مطلب براری آسان نہ رہی۔ سقوط بغداد کے بعد بھی اس کے اعزاز میں کمی نہ آئی اور خازن دیوان و بعد ازاں خازن کارخانہ مقرر ہوا یہ منصب منگولوں کے ہاں بڑا اہم سمجھا جاتا تھا اور اس پر بڑے اہم شخص کا تقرر کیا جاتا تھا۔

نجم الدین الخالص ۷۷۷ھ میں اپنی وفات تک اس منصب پر فائز رہا۔ وہ بغداد میں فوت ہوا اور اپنی نجی رہائش گاہ میں پیوند زمین ہوا۔ ابن الدرنوس جیسے بازاری آدمی کے المستعصم کے ہاں نوازے جانے اور ترقی درجات پر ابن الطقطقی نے بڑی لے دے کی ہے اور خلیفہ کی سفلہ پروری کا مذاق اڑایا ہے، مگر ہلاکو اور اس کے جانشینوں کے ہاں ابن الدرنوس کی عزت افزائی اور ترقی منازل کے بارے میں جو ابن الطقطقی کے نزدیک بڑے لائق حکمران تھے اس کا قلم خاموش ہے۔ میرے خیال میں ابن الدرنوس عامی ضرور تھا، لیکن باصلاحیت تھا اور اس کی ذاتی قابلیت نے اسے خشت پزی کی کچڑ سے نکال کر کبوتران شاہی کے برج تک پہنچایا پھر قربت شاہی، حجاب و واسطہ کی بلندیوں تک پہنچا اور منگولوں نے بھی اس سے نالیات کی خدمات لیں اور اس کے بعد نہایت اہم ذمہ داری شاہی صنعت و حرفت کی تنظیم اور صنایع اور کاریگروں کی تربیت و نگہداشت پر مامور کیا۔ (نجم الدین الخالص کے متعلق مزید تفصیلات کے لئے الفخوری، حوادث الجامعہ، مختصر الدول اور جامع التواریخ کا مطالعہ مفید ہوگا۔)

۲۳۔ خواجہ کے بیان سے وزیر خلیفہ کے ہلاکو کے ہاں جانے کا پتہ نہیں چلتا ہاں خلیفہ کے بیان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وزیر ہلاکو کے معسکو میں جا چکا تھا۔ وسط محرم میں محاصروں کے آغاز سے وزیر قاصد کی حیثیت سے کئی بار ہلاکو کے پاس گیا اور خواجہ سے کہ نظر منگول میں موجود تھے اس کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور گمان غالب یہ ہے کہ وہ خواجہ کے توسط سے خلیفہ کے خلاف سازش میں شریک تھا۔ اس لئے خواجہ نے اس کی آمد کا بصریح ذکر نہیں کیا ہے یا پھر حسب علوت ایجاز و اختصار سے کام لے کر وزیر کی آمد و رفت کے ذکر سے احتراز کیا ہے۔

۲۵۔ برج نجم یا برج عجی بغداد کے مشرقی حصہ میں تھا اور نسبتاً اس کی بلندی دو سو برسوں سے کم تھی۔ یہ برج شمالی سمت میں باب العلبد (باب الطلمس) اور جنوبی سمت میں باب الکلاوازی (باب الشرقي) کے مابین واقع تھا۔ چونکہ شہر نہا کا یہ برج زیادہ اونچا نہ تھا اس لئے منگول سردار ہلاکو نے اس کے سامنے پڑاؤ کیا تھا اور اسی جانب حملہ کا زور بھی زیادہ تھا۔ (مختصر الدول، حوادث الجامعہ، الفخوری، جامع التواریخ اور گائی لی اسٹریچ کی "بغداد بعد عباسیاں" برہان انگریزی)

۲۶۔ پیارستان عضدی، مشہور یونانی امیر محمد الدولہ دہلوی (۷۷۷ھ تا ۷۸۷ھ) کا تعمیر کردہ یہ شفاخانہ مغربی بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ (مقدسی، یا قوت، ابن

خلکان کی اسٹیج کی ”بغداد بعد عباسی“)

۲۷۷ المستعصم کے تین بیٹے تھے۔ بڑا الامیر الکبیر ابو العباس احمد، اسے عوام ابو بکر کہتے تھے کیونکہ کرخ کے شیعوں کے خلاف تادیبی کارروائی اسی سے منسوب کی جاتی ہے، سویا تو شیعوں نے طغرائے اسے ”ابوبکر“ کا لقب دیا یا پھر سینوں نے شیعوں کی پامالی پر اس کی عزت افزائی کی غرض سے اسے اس نام سے موسوم کیا۔ ابو العباس ۴ صفر ۶۵۶ھ کو اپنے والد بھائیوں اور تین ہزار سادات ائمہ، قضاۃ، اکابر و ایمان کے ہمراہ ہلاکو کے معسکو میں آیا اور ۱۳ صفر کو باپ اور پانچ خدام کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی جو عباسی بھی ہاتھ لگا شہید کر دیا گیا خلیفہ کا دو سرا بیٹا الامیر الاوسط ابو الفضائل (یا حسب روایت رشید الدین ابو الفضل) عبدالرحمان جس کا متن زیر تعصبہ میں ذکر ہے بڑا بہادر اور باصلاحیت تھا۔ ہلاکو کے سامنے جب اسے پیش کیا گیا تو وہ بھی اس کی جرات، شجاعت و قابلیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ بھی باپ کے ساتھ ۴ صفر کو ہلاکو کے معسکو میں آیا اور گرفتار ہوا اور بروز جمعہ ۱۱ صفر ۶۵۶ھ کو درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ خلیفہ کا تیسرا بیٹا الامیر الصغیر ابو المناقب مبارک بھی باپ کے ساتھ منگولوں کی قید میں آیا۔ اسے ہلاکو کی بیوی اولجائی خاتون نے جان بخشی کرا کے مراغہ بھجوا دیا۔ خواجہ طوسی کو اس کی تربیت کا حکم دیا اور اس کی شادی ایک منگول خاتون سے کر دی جس سے اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ خلیفہ کی بیٹیاں منگولوں کے ہاتھوں اسیر ہوئیں اور بعد میں ان کی شادیاں مسلمان امراء کے بیٹوں سے کی گئیں۔ (جامع التواریخ ۲ : ۵۹ تا ۷۱ والفوری ۲۳۳)

۲۸۷ شرف الدین مراغی بغداد کے روداروں میں شمار ہوتا تھا اس لئے ہلاکو کی خدمت میں اہل شہر کے لئے امان طلب کرتے وقت معززین کی جماعت میں شامل تھا۔ اس کا جتہ جتہ حال مختصر الدول اور جامع التواریخ میں ملتا ہے مگر تفصیل کہیں نہیں ملتی۔

۲۹۷ شباب الدین ابو المناقب احمد بن محمود الزنجانی بغداد کے مشہور عالم تھے۔ مدرسہ مستنصریہ و مدرسہ نظامیہ میں وقفہ وقفہ سے منصب تدریس پر فائز رہے۔ سقوط بغداد کے وقت وہ قاضی القضاۃ تھے۔ علم تفسیر میں وہ صاحب تصنیف تھے اور خلیفہ ناصر الدین اللہ سے روایت حدیث کے اجازت یافتہ، سقوط بغداد کے تھوڑے ہی عرصے بعد اسی سال یعنی ۶۵۶ھ میں وفات پائی (مختصر الدول، جامع التواریخ، حوادث الجامعہ اور سبکی کی الطبقات الشافعیہ میں قاضی زنجانی کے حالات ملتے ہیں۔)

۳۰۔ دروازہ کلاوڑی۔ کلاوڑی نامی قصبہ بغداد کے مضافات میں بڑی پر فضا بستی اور شہر کی تفریح گاہ تھا۔ فیصل کا یہ دروازہ اسی بستی کے بالمقابل تھا اسی لئے اس کی نسبت سے پکارا جاتا تھا۔ یہ دروازہ مشرقی بغداد میں فیصل کے جنوب مغربی ضلع کے آخری سرے پر دریائے دجلہ کے متصل واقع تھا۔ اسے باب الشرق بھی کہتے تھے حالانکہ یہ دروازہ اپنے موقع کے لحاظ سے دروازہ جنوبی تھا۔ (معجم البلدان، مرصع الاطلاع، مختصر الدول، الفحوی، جامع التواریخ و بغداد بعد عباسیوں)

۳۱۔ ۳۲۔ صفر سے پہلے شہر کے باہر جو میدان کارزار گرم رہا اس میں ان گنت جانیں گئیں۔ اس دوران ہلاکونے دوات دار اور سلیمان شاہ کو جھوٹی تسلی دے کر شہر میں واپس بھیجا کہ اپنے آدمیوں کو لے کر باہر آئیں تاکہ انہیں شام روانہ کیا جائے۔ اس فریب میں آکر بقول رشید الدین ”خلفے بے اندازہ“ گلو خلاصی کی امید میں شہر سے باہر دوات دار اور سلیمان شاہ کے گرد جمع ہو گئی۔ ان سب کو ہزار، سو اور دس کی ٹولیوں میں بانٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پھر دوات دار اپنے متبعین و متعلقین کے ساتھ ۲ صفر کو اور بعد ازاں سلیمان شاہ سات سو افراد کے ساتھ شہید کر دیئے گئے اسی طرح ۴ صفر کو ہلاکونے خلیفہ کو طفل تسلی دے کر یہ اعلان کر دیا کہ لوگ ہتھیار ڈال دیں اور شہر سے نکل آئیں تاکہ انہیں شہر کیا جاسکے جب لوگ اس وعدہ پر باہر آئے تو ان مسبھوں کو منگولوں نے تہ تیغ کر دیا۔ خلیفہ کی گرفتاری کے بعد ۷ صفر ۶۵۶ھ کو باقاعدہ قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع ہوا۔ منگولوں کے مورخ رشید الدین کا مجبور قلم صرف اتنا لکھ کر دریا کو کوزہ میں بند کر گیا ہے۔ ”الغریبیک بار در شہر افتادند و ترو خشکی می سوزند مگر خانہ معدودے چند ازار کا دنان و بعضے غریاء“ (یعنی منگولوں کا لشکر یک بار گئی بلکہ کر کے شہر میں کھس گیا۔ جو بھی ہاتھ لگا اسے انہوں نے جلا کر راکھ کر دیا۔ صرف عیسائی پادریوں اور بعض باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے گھر اس لٹس سے بچ سکے۔) مختصر یہ کہ شہر خاک کا ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ قعر خلافت کی عارت گری پر منگول سردار سونجاق مامور ہوا تھا اس نے سب کچھ ضبط کر کے شہر سے باہر معسکو منگول میں بھجوا دیا اور چھ سو سال کے طویل عرصے میں جو زرو مال اکٹھا کیا گیا تھا اسے انبار کر کے بغداد کے باہر لے جایا گیا۔ شہر کے بیشتر محلے اور مقدس مقامات جلا دیئے گئے۔ انہیں میں بغداد کی جامع مسجد، امام موسیٰ کاظم اور امام محمد جواد کا روضہ اور رصافہ کے مقابر بھی تھے جن کی بے حرمتی کی گئی اور جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔ شہر کے علماء و مشائخ و سادات کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ صرف خلیفہ کے ہمراہ ہلاک کے ہاں جانے والے ایسے تین ہزار معززین کو ھا

صفر کو باب کلوازی کے سامنے موت کی نیند سلا دی گئی۔ خاندان عباسی کا جو نام لیوا ملا اسے نکوار کی دھار پر رکھ لیا گیا۔ اس خاندان کے صرف محدودے چند افراد جو کسی شمار قطار میں نہ تھے جان سلامت لے جا سکے۔ خلیفہ کے بڑے بیٹے احمد کو باپ کے ساتھ شہید کیا گیا اور دوسرے بیٹے عبدالرحمان کو اس کے تیسرے دن یعنی ۲۱ صفر کو ابدی نیند سلا دی گئی۔ بیس لاکھ آبادی کا شہر اپنی اسی فیصد آبادی سے محروم ہو گیا، شہر کی عالی شان عمارتیں، با عظمت مساجد اور مقدس روضے زمین دوز کر دیئے گئے، بیشار کتابیں جلادی گئی اور دارالسلام، قبتہ الاسلام و مرکز خلافت تس نسب ہو گیا۔ اتابکان شیراز کا مدح خواں سعدی، جس کا آقا منگولوں کا نمک خوار تھا اور جس نے بغداد کی تباہی پر ہلاکو کو مبارکباد دینے کی نیت سے مرانہ کا سفر کیا تھا، اس واقعہ پر چیخ اٹھا اور عربی و فارسی میں نہایت جاں سوز و دل دوز مرثی لکھے۔

آسمانِ راحق بود گر خونِ پیارو بر زمین
برزوال ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمدؐ گر قیامت سربروں آری ز خاک
سربروں آر و قیامت در میان خلق بین

جب شہر میں لاشوں کے انبار لگ گئے، بدو سے شہر کے باہر ٹھہرا بھی ممکن نہ رہا تو ہلاکو نے وہاں سے اپنا پڑاؤ اٹھایا اور ”دسمہ وقف و جلابیہ میں چندے رک کر خلیفہ داعیان خلافت کا کام تمام کیا اور پھر واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ان حالات میں خواجہ کا فرمانا کہ اہل شہر کو امان دی گئی اور شہر کی آبادی کا حکم دیا گیا۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

سے زیادہ نہیں۔

بغداد کی لوٹ مار کا مال آذر بائی جان کے علاقہ کوہ قلعہ پر کہ اوری و سلماس کی ندی پر واقع تھا، ایک مضبوط و بلند عمارت بنوا کر محفوظ کر لیا گیا۔ (تفصیل کے لئے رشید الدین کی جامع التواریخ و صاف اور دوسری محاصرہ کتب سے رجوع کریں۔)

۳۲۔ جامع التواریخ (۲ : ۶۰-۶۱) کے مطابق ہلاکو انسانوں اور جانوروں کی لاشوں سے پھیلی ہوئی بدو و دباء کے باعث بیرون بغداد سے اٹھ کر چار شنبہ ۱۳ صفر ۶۵۶ھ کو مضافات کے دسمہ وقف اور جلابیہ نامی قصبے میں چلا گیا۔ یہیں اسیر خلیفہ کو طلب کیا گیا۔ خلیفہ کو آثار سے اپنے قتل اور تباہی کا یقین ہو گیا۔ تو اس نے اپنے وزیر ابن العلقمی سے

تدبیر پوچھی اس نے طنز آمیز جواب دیا۔ خلیفہ نے غسل کی اجازت چاہی جو پانچ منگول سپاہیوں کی موجودگی میں دی گئی۔ خلیفہ نے اس موقع پر اپنی بد حالی پر کچھ پر اثر اشعار بھی پڑھے اور اسی دن سورج ڈھلتے اس کا ولی عہد خلافت اور پانچ خدام کے ساتھ کام تمام کر کے بنو عباس کے ڈھلتے سورج کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈویا دیا گیا۔ ہمالے گئی سیل تاتاران کو

۳۳۔ خواجه کا بیان ہے کہ المستعصم کا منجھلا بیٹا (پسر میانین) الامیر الاوسط ابو الفضائل عبدالرحمان باپ کے ساتھ (۱۴ صفر) کو شہید کیا گیا اور بڑا بیٹا (مہلین پسر) الامیر الکبیر ابو العباس احمد کو دوسرے دن (۱۵ صفر) کو درجہ شہادت پر فائز کیا گیا۔ یہ بیان رشید الدین کے بیان سے مختلف ہے جس کی رو سے بڑا بیٹا ۱۳ صفر کو باپ کے ساتھ اور منجھلا بیٹا ۲۱ صفر کو جمعہ کے دن شہید کئے گئے۔ تمام تاریخی بیانات سے رشید الدین ہی کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ خواجه کا بیان منفرود ہے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ابن العلقمی اور خود خواجه نصیر الدین طوسی خلیفہ کے بڑے بیٹے کو واقعہ کرخ میں لوٹ سمجھتے تھے اور طنزاً "ابو بکر کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور سقوط بغداد کے بعد اس کی جان کے لاگو تھے۔ اسی لئے خلیفہ اسے اپنے سے الگ نہ کرتا تھا، حالانکہ منجھلے بیٹے کو دوران محاصرہ وزیر کے ہمراہ ہلاک کے ہاں بھیج چکا تھا اور ہلاک اس کی شجاعت سے متاثر بھی ہوا تھا۔ بنابرین ابو العباس احمد (پسر بزرگ) کا باپ کے ساتھ مقتول ہونا ہی قرین قیاس ہے۔ حیرت ہے کہ خواجه سقوط بغداد کے معنی شاہد ہوتے ہوئے ایسی غلطی کر بیٹھے۔

۳۴۔ اوزان (زائے منقوطہ کے ساتھ) منگولوں کی اصطلاح میں بمعنی عمل جات، صنعت گراں استعمال ہوا ہے۔ (جامع التواریخ) کے مطابق اس سے کمان گراں اور تیر تراش اور (وصاف) کے مطابق زین دوز لگام ساز مراد ہیں، اور ان (رائے غیر منقوطہ کے ساتھ) منگولی زبان میں عمل جات، کار گراں، صنایع پیشہ و اہل حرفہ کو کہتے ہیں۔ صحیح الملاء رائے غیر منقوطہ سے ہے (جامع التواریخ، وصاف و لغات منگولی)

۳۵۔ اوستو بہادر۔ ذیل کے تمام نسخوں میں ہلاک کی جانب سے بغداد کی شہنشاہی پر مقرر کئے جانے والے شخص کا نام بھی درج ہے۔ مگر دوسری تمام تاریخوں از قبیل حوادث الجامعہ، الفخوری، جامع التواریخ و وصاف میں اس کا نام علی بتایا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں کہ منگولوں اور ترکوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ دو نام رکھتے تھے۔ ایک اسلامی دوسرا ترکی یا منگولی، سو شہنہ بغداد کا اسلامی نام علی بہادر اور منگولی نام اوستو بہادر ہوگا۔ علی بہادر بڑا دیندار تھا نماز پنجگانہ، نماز جمعہ، نماز تراویح کا پابند تھا۔ سقوط

بغداد سے لے کر ۲۶۱ھ تک وہ بغداد کا شہنشاہ رہا اسی سال جوینی کی دشمنی اور سازش کی وجہ سے اس کو خیانت مجرمانہ کی پاداش میں ہلاک کے حکم سے شہید کر دیا گیا۔

۳۶۰ھ سیاہ کوہ کے نام کے ایران میں کئی پہاڑ ہیں۔ مگر جامع التواریخ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیاہ کوہ ہمدان کے نواح میں تھا اور بعد کی کتابوں میں کوہ پنچہ علی یا پنچہ علی داغ بھی کہا گیا ہے۔

۳۷۰ھ بغداد کے محاصرہ کے دوران حملہ شیعوں کا گڑھ تھا وہاں سے کچھ علوی صاحبان عقل و دانش (چند علوی دانش مند) ہولا کو کی خدمت میں حاضر ہوئے، اطاعت قبول کی اور منگولی شہنشاہ کی تقرری کی درخواست کی۔ ہولا کو نے دو افراد کو حملہ کی امارت پر مقرر کر کے علویان دانش مند کے ہمراہ کر دیا۔ بعد ازاں ہولا کو نے اہل حملہ کی وفاداری کے امتحان کی غرض سے اپنے برادر نسبتی بو قاتیور کو کہ اولیائی خاتون کا بھائی تھا، ایک فوج کے ساتھ حملہ بھیجا۔ حملہ والوں نے دریائے فرات پر پل باندھ کر منگولی لشکر کا شاندار استقبال کیا۔ بو قاتیور نے ان لوگوں کی ثابت قدمی دیکھ کر ۱۰ صفر ۶۵۶ھ کو وہاں سے کوچ کیا (جامع التواریخ ۲ : ۳۳) حملہ کی آبادی اہل تشیع پر مشتمل تھی اور ہر چند کہ وہ عباسیوں کے ماتحت تھے مگر باہمی تعلقات کی نوعیت دگرگوں ہی رہی۔ عباسیوں کو کمزور یا مشغول پا کر اہل حملہ ان کی اطاعت کا جو اپنی گردنوں سے اتار پھینک دیتے۔ ان کے دشمنوں کی مدد کرتے اور ان کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اسی طرح عباسی جب ان پر قابو پاتے انہیں تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے مثلاً ۵۵۲ھ میں سلطان محمد سلجوقی نے بغداد کا محاصرہ کیا تو عباسی خلیفہ المعتضی کے خلاف اہل حملہ نے سلجوقیوں کی مدد کی اس کا انتقام لینے کی غرض سے المعتضی کے جانشین المستنجد نے ۵۵۸ھ میں حملہ پر حملہ کیا اور وہاں آبادی اسد کو شکست دے کر شہر سے نکال دیا (الکامل لابن الاثیر بر مواقع یعنی مسند مذکورہ کے تحت)

۳۸۰ھ بو قاتیور ۱۰ صفر ۶۵۶ھ کو حملہ سے واسطہ کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ ۱۷ صفر کو اس کا لشکر واسطہ کے سامنے خیمہ زن تھا۔ اہل شہر نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا اور شہر کے دفاع کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ لیکن آخر کار انہیں شکست ہوئی اور شہر پر منگولوں کا قبضہ ہو گیا منگول سپاہ نے حسب عادت لوٹ مار، قتل اور آتش زنی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چالیس ہزار مسلمان شہید ہوئے اور شہر کو تیس ہنس کر کے رکھ دیا گیا۔ (جامع التواریخ ۲ : ۳۳)

۳۹۰ھ واسطہ کو برباد کر کے بو قاتیور خوزستان کے مرکزی شہر شوشتر (شوشتر) پہنچا۔ اس کے ہمراہ شرف الدین ابن الجوزی بھی تھے کہ اہل شوشتر کو اطاعت پر آمادہ کرنے کی ذمہ داری

انہیں پر ڈالی گئی تھی۔ ہر چند کہ اہل شوشتر نے منگولوں کی اطاعت قبول کر لی، لیکن شہر میں موجود عباسی فوج نے کہ ترکوں پر مشتمل تھی، مقابلہ کیا۔ ان میں کچھ مارے گئے، باقی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ (جامع التواریخ ۲ : ۶۳)

۳۰۔ بوقاتیور کی پیش قدمی کے نتیجے میں بصرہ اور کوفہ والوں نے بے لڑے بھڑے منگولوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس دوران میں امیر سیف الدین ہتکچی کی درخواست پر ہلاکو نے نجف میں مزار امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت اور وہاں کے باشندوں کی سلامتی کی غرض سے سو منگول سپاہیوں کا ایک دستہ تعینات کر دیا۔ (جامع التواریخ ۲ : ۶۳)

۳۱۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کے ذیل کے ترجمہ اور حواشی کے بعد ہم اپنے مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک مکتوب کا ذکر کرنا چاہیں گے جو ہلاکو کے حکم سے انہوں نے عربی زبان میں اہل حلب کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں بغداد پر منگولوں کے تسلط، المستعصم اور اس کی فوج کی تباہی کا ذکر کر کے اہل حلب کو ڈرایا گیا تھا کہ وہ بغداد کے حشر سے عبرت پکڑیں اور مجاہدہ اذاعت سے انحراف نہ کریں۔ اس خط کے بیشتر فقرے قرآنی آیات سے ماخوذ ہیں اور قرآن میں اہل ایمان کے لئے جو فقرے اور کلمے استعمال ہوئے ہیں، خواجہ نے انہیں ہلاکو اور اس کی سپاہ کے لئے اور جو کلمے اور فقرے اہل شرک و کفر کے حق میں استعمال ہوئے ہیں انہیں المستعصم باللہ اور مظلوم مسلمانوں کے لئے مخصوص کیا ہے۔ خواجہ نے مکتوب کے اخیر میں ہلاکو کی اطاعت کو راہ ہدایت کی اتباع قرار دیا ہے یہ مکتوب خواجہ کے تعلق و تعصب کی بد نما مثال ہے، ہم جامع التواریخ کی دوسری جلد صفحہ ۶۳ سے اسے بلفظہ نقل کر کے اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں یہاں یہ بھی یاد رہے کہ یہ مکتوب ہلاکو کی جانب سے لکھا گیا ہے۔ اس میں مشکلم کی ضمیر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے استعمال کی ہے، لیکن خواجہ نے اسے ہلاکو کے لئے استعمال کیا ہے۔ لشتان ماینہما :

اما بعد لقد نزلنا بغداد مستہست وخمسین وست مائة فساء صباح المنظرین لدعونا مالکھا
لانی لحق علیہ القول لافخذناہ اخنا" دیلا وقد دعونا ک الی طاعتنا" لان اتیت لروح و
ربحان" وان اتیت لغزی وخسران فلا تکن کالباحث عن حنفہ بظلفہ والجلاد مارن
انفہ بکفہ لتکون من الاخسرین اعمالا" الفین فضل سعیمہم فی الحیاء الدنیا و ہم بحسبون
انہم یحسنون صنعا" وما ذالک علی الذہب عزیز والسلام علی من اتبع الهدی

حمز و نعت کے بعد ہم ۶۵۶ھ میں بغداد پہنچے۔ (بڑا ڈکيا) پس وہ لوگ جو عذاب سے ڈرائے گئے تھے ان کی صبح بڑی بری ہوئی ہم نے (بغداد) کے مالک (المستعصم) کو (صلح و اطاعت کی جانب) بلایا مگر اس نے (ہماری اطاعت قبول کرنے سے) انکار کیا سو اس پر بات ثابت ہو گئی اور ہم نے اسے سخت گرفت میں لیا (اے حاکم حلب) ہم تجھے اپنی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تو مطیع ہو کر ہماری خدمت میں حاضر ہو گا تو تیرے لئے مسرت و شادمانی ہے اور جو تو نے (ہماری اطاعت سے) انکار کیا تو تیرے واسطے زلت و خواری (خسارہ) ہے تو اس کی طرح نہ بن جو اپنی موت (قبر) اپنے کھر (پاؤں) سے کھودتا ہے اور اپنی ناک کا سرا (بھنگ نرمہ) اپنے بازو (ہاتھ) سے کاٹتا ہے، یوں تو ان لوگوں میں سے ہو گا جو اپنے اعمال کے لحاظ سے بڑے کھائے میں رہتے ہیں اس دنوی زندگی میں ان کی کی کرائی محنت اکارت جاتی ہے حالانکہ وہ (اپنی نادانی سے) یہ سمجھتے ہیں کہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ کے لئے یہ کوئی دشواریات نہیں ہے (کہ جسے چاہے سیدھا راستہ دکھائے) اور سلامتی ہے اس کے لئے جو ہدایت کی راہ (بلا کو کی اطاعت) اختیار کرتا ہے۔ (ختم شد)

www.KitaboSunnat.com

علاء الدین عطا ملک جوینی کی کتاب ”تاریخ جہاں کشائی“ کو منگولوں، خوارزم شاہوں اور اسماعیلیوں کی تاریخ کی حیثیت سے ہر دور میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اصل کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد منگولوں کے حالات پر دوسری جلد خوارزم شاہیوں کے احوال و آثار پر اور تیسری جلد اسماعیلیوں کے حالات، ان کے قلعوں کی تفصیل، ان کے مذہبی عقائد کی توضیح و تشریح، ان کے قدیم عقائد، نیز ہولا کو کے ہاتھوں ان کی حکومت کے مکمل خاتمے کے ذکر پر مبنی ہے۔

تاریخ جہاں کشائی کا نسخہ ۱۹۳۷ء میں مشہور ایرانی فاضل علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے علمی مقدمہ اور تحقیقی حاشیوں کے ساتھ برل، لائیڈن (ہالینڈ) نے شائع کیا تھا، اسی نسخہ کی جلد سوم کا ترجمہ اردو میں پہلی بار پروفیسر علی محمد صدیقی کے صاحب نے کیا اس ترجمہ میں ان کا پر مغز مقدمہ بھی شامل ہے۔ اس کتاب کو پہلی بار اردو زبان میں ادارہ قرطاس کے توسط سے پیش کیا جا رہا ہے۔